تاریخ کعبہ و مدینہ سے متعلق جامع معلومات کی
حامل کتاب بشمول ابتداء سے وصال نبی ﷺ تک

تاریخ کعبہ و مدینہ

Join us on WhatsApp for daily newspapers and pdf books.#0344,3310224

تاریخ کعبہ و مدینہ سے متعلق جامع معلومات کی
حامل کتاب بشمول ابتداء سے وصال نبی ﷺ تک

تاریخ کعبہ و مدینہ

مؤلف

محمد طاہر الکردی۔ جدون ادیب

کامیاب بک ڈپو

نوید اسکوائر نیو اردو بازار کراچی Ph:2725242-

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
کعبہ کی تعمیر	5	حجر میں بیٹھنا	63
کعبہ و مطاف کی حدود	5	احترام مکہ	64
اختلاف تعمیرات	6	حرم کے کبوتر	65
بقائے کعبہ	9	کعبہ پر کبوتروں کا نزول	67
ابراہیمی تعمیر	10	مقام ابراہیم علیہ السلام	68
قریشی تعمیر	14	توصیف مقام	71
زبیری تعمیر	15	مقام کا مقام	76
حجاج کی تعمیر	16	مقام کے بارے میں صحیح قول	78
حجاج نے کعبہ کیوں بنایا؟	16	مقام ابراہیم کا موجودہ مقام	80
سلطان مرادرابع کی تعمیر	18	اضافۂ عمر رضی اللہ عنہ	82
کعبہ کے معمار	19	سد عمر رضی اللہ عنہ	83
حجاج بن یوسف	25	حجر اسود کا فریم	84
"فاتح بغداد" سلطان مرادالرابع	28	مقام ابراہیم کا فریم	84
حوادثات	30	مقام کا حجرہ	85
خزانۂ کعبہ	36	مقام کا غلاف	87
کعبہ اور مسجد حرام	38	مقام کا تحفظ	89
قرآن کریم میں مقام ابراہیم	39	فوائد تحفظ	90
جانب مکہ	42	حجر اسماعیلؑ اور ان کی قبر	91
سوانح حیات حضرت ابراہیم علیہ السلام	44	سبز پتھر	93
حدود حرم۔ فضائل حرم	55	حجر میں مرمر کا فرش	95
حرم میں نماز کی فضیلت	56	حجر کی دیوار کا غلاف	95
مسجد حرام کیا ہے؟	57	غار کعبہ	96
مسجد حرام کی حدود	58	ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے احسانات	99
مکہ دور جاہلیت میں	60	تاریخ مدینہ	101
مکہ کی شہر پناہ	61	مدینہ کا پہلا شخص اور پہلی قوم	103
دور جاہلیت میں طواف	63	یہودیوں کی آمد	104

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
اوس وخزرج کی آمد	105	ہجرت کا دوسرا سال	145
اوس وخزرج کا زوال	107	۲ ہجری کے واقعات	148
آمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم	108	ہجرت کا تیسرا سال	153
آپ ﷺ اور اوس وخزرج	109	۳ ہجری کے واقعات	153
مدینہ منورہ میں اسلام	111	غزوۂ بنو نضیر	154
بیعت عقبٰی (منٰی) ثانیہ ۱۲ نبوی	113	غزوۂ بدر ثالث	155
ہجرت کی ضرورت	115	پانچواں سال	156
بریدہ اسلمی کا سامنا	120	غزوہ بنو المصطلق	157
آپ ﷺ کا انتظار	121	غزوہ خندق/غزوہ احزاب	158
قباء مسجد کی تعمیر	123	غزوہ بنو قریظہ	160
قباء سے روانگی	124	ہجرت کا چھٹا سال	162
استقبال نبی صلی اللہ علیہ وسلم	126	غزوہ ذی قرد/غزوہ غابہ	162
منزل مقصود	127	صلح حدیبیہ	164
مسجد نبوی کا سنگ بنیاد	128	تبلیغی خطوط کا ردعمل	168
مسجد نبوی کی سادگی	130	ہجرت کا ساتواں سال	169
"مواخاۃ" (بھائی چارہ)	131	عمرہ قضا کے لیے مکہ معظمہ روانگی	170
مہاجرین کا طرز عمل	133	ہجرت کا آٹھواں سال	171
مدینہ کے یہود سے معاہدہ	134	فتح مکہ	172
مدینہ منورہ میں تعلیم	134	غزوہ ہوازن	175
حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور تعلیم	135	۹ ہجری	178
انصار کا مقام	136	غزوہ تبوک	178
فروغ علم کے اقدامات	137	طائف کا قبول اسلام	180
حصول علم کے مقامات	138	۱۰ ہجری	181
بچوں اور عورتوں کی تعلیم	139	مناظرہ۔ مباہلہ	182
فروغ تعلیم کے مجموعی نتائج	140	حجۃ الوداع	183
عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام	142	۱۱ ہجری۔ الوداعی سال	184
منافق اعظم کا کردار	143	اثرب۔ یثرب	187
پہلے سال کے واقعات	144	مدینہ منورہ کا محل وقوع	191

کعبہ کی تعمیر

دنیا کے بت کدوں میں اللہ کا پہلا گھر، خانہ کعبہ سے کس مسلمان کو محبت نہیں۔ ہر مسلمان کی آرزو رہتی ہے کہ اس عظیم ترین اور مقدس ترین حرم کا دیدار نصیب ہو، حج کی توفیق اور شرف حاصل ہو۔ کعبہ گیارہ بار تعمیر ہوا۔ (۱) فرشتوں نے بنایا۔ (۲) آدمؑ نے بنایا۔ (۳) شیثؑ نے تعمیر کیا۔ (۴) ابراہیمؑ نے تعمیر کی۔ (۵) عمالقہ (قوم) نے بنایا۔ (۶) جرہم نے تعمیر کیا۔ (۷) قصی نے تعمیر کی۔ (۸) قبیلہ قریش نے بنایا۔ (۹) عبداللہ بن زبیرؓ نے تعمیر کیا۔ (۱۰) حجاج نے تعمیر کی۔ (۱۱) سلطان مراد رابع ابن سلطان احمد نے ۱۰۴۰ھ میں بنایا۔ یہ بادشاہ سلاطین آل عثمانؒ سے تھا۔

ہم ان تمام تعمیرات کو مختصر بیان کریں گے۔ البتہ مقام ابراہیمؑ کی مناسبت سے تعمیر ابراہیمؑ کا تفصیلی ذکر کریں گے، نیز کچھ تعمیر قریش، ابن زبیر، حجاج اور سلطان مراد کا لکھیں گے کیونکہ ان تعمیرات کا کچھ حال ہمیں معلوم ہو سکا ہے۔ قریش کی تعمیر تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہوئی تھی اور دوسری تعمیرات آپ کے بعد ہوئیں۔ ہم ان چاروں تعمیرات کا ذکر کریں گے۔ یہ تمام بیانات ہم نے معتبر تاریخوں سے لئے ہیں۔

کعبہ ومطاف کی حدود

رجب ۱۳۶۷ھ میں ہم نے کعبہ اور اس کے اردگرد کو ناپا ہمیں افسوس ہے کہ ہم سطح زمین سے اس کی نسبت نہیں لے سکتے۔ البتہ ابراہیم رفعت پاشا نے اپنی کتاب مراۃ الحرمین میں اس کا ذکر کیا ہے، ہم سے پہلے کسی نے کعبہ ومطاف کی اس طرح پیمائش نہیں کی۔

سینٹی میٹر	میٹر	حدود مطاف کعبہ
۰۰	۱۵	ارتفاع کعبہ زمین سے چھت تک۔
۵۸	۱۱	مشرقی دروازے کی جانب سے کعبہ کی لمبائی، چوکھٹ کے علاوہ۔
۹۳	۱۱	جانب غرب سے لمبائی، بغیر چوکھٹ کے۔
۲۲	۱۰	جانب شامی سے لمبائی، چوکھٹ کے بغیر۔
۱۳	۱۰	ستونوں کے درمیان کا فاصلہ، چوکھٹ کو نکال کر۔
۵۰	۱	حجر اسود کی زمین سے بلندی۔
۰	۲	زمین سے دروازے کی بلندی۔
۰	۲	دروازے کی لمبائی۔
۶۵	۲	جانب مشرق سے حجر اسماعیل۔
۵۸	۲	جانب غرب سے حجر اسماعیل۔
۳۶	۸	میزاب کعبہ اور حجر اسماعیل کا درمیانی فاصلہ۔
۱۰	۱۱	کعبہ کی چوکھٹ اور مقام ابراہیم کی کھڑکی تک کا درمیانی فاصلہ شرقی جانب سے۔
۰۰	۱۲	حجر اسماعیل اور مطاف کے چکر کا درمیانی فاصلہ جانب شامی سے۔
۸۰	۱۵	کعبہ کی چوکھٹ اور دائرہ مطاف کا درمیانی فاصلہ، مقام حنبلی کے سامنے۔
۸۰	۱۵	کعبہ کی چوکھٹ اور دائرہ مطاف کا درمیانی فاصلہ، مقام مالکی کے سامنے۔

اختلاف تعمیرات

۱۴۰۰ھ تک کعبہ کی تعمیر گیارہ بار ہو چکی ہے۔ اتنے طویل عرصہ میں صرف گیارہ مرتبہ کعبہ کا محتاج تعمیر ہونا جائے تعجب ہے، گو تعمیرات میں اختلاف ہوتا رہا مگر ابراہیمی بنیادوں ہی پر خانہ کعبہ کی تعمیر ہوئی، ہاں کبھی کبھی لمبائی، چوڑائی یا اونچائی میں کمی زیادتی ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اہل قریش کی بناء کو اکھاڑ کر خانہ کعبہ کی اس طرح تعمیر کی جیسی کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے اور کعبہ کے اندر ایک سیڑھی بنوائی اور اونچائی ستائیس گز رکھی۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کے مطابق کعبہ کی تعمیر کی۔

ازرقی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

"جس دن ابن زبیرؓ نے کعبہ کو منہدم کیا تو اس کی اونچائی اٹھارہ ہاتھ تھی، جب ابن زبیرؓ اٹھارہ ہاتھ اونچائی رکھ چکے تو دیکھا کہ حجر کے شامل کرنے کی وجہ سے یہ اونچائی کم معلوم ہوتی ہے لہٰذا نو ہاتھ اور دیواریں اونچی کرا دیں۔"

ابن زبیرؓ کی تعمیر نہایت موزوں تھی اور اساس ابراہیمی پر قائم تھی۔ اس قسم کی زیادتی میں کیا ہرج تھا۔ جب ابن زبیر شہید کر دیئے گئے تو حجاج بن یوسف نے عبدالمالک سے اجازت طلب کی کہ تعمیر حسب سابق ہو جائے۔ عبدالمالک نے اجازت دے دی مگر جب عبدالمالک کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ابن زبیرؓ نے اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حدیث کے مطابق تعمیر کرائی تھی تو وہ بہت نادم ہوا، بہر حال موجودہ تعمیر بنائے ابراہیمی پر قائم ہے گو طرز تعمیر میں اختلاف ہوتا رہا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ خانہ کعبہ اگر مرمت طلب ہو جائے تو اس کو یونہی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ جب حضرت عبداللہؓ ابن زبیرؓ کے زمانے میں بیت اللہ قابل مرمت ہو گیا تو آپ نے علماء واشراف کو جمع کیا۔ بعض نے تعمیر کی مخالفت کی اور بعض نے تائید کی۔ عبداللہؓ بن عباسؓ نے کہا تعمیر مت کرو، مرمت کرا دو، انہوں نے تعمیر کی سخت مخالفت کی مگر ابن زبیرؓ نہ مانے۔

جب ابن زبیرؓ نے گرانے کا ارادہ مصمم کر لیا تو تمام لوگ ڈر کے مارے منیٰ چلے گئے اور عبداللہ بن عباسؓ بھی مکہ سے باہر چلے گئے جب ابن زبیرؓ نے ساری تعمیر گرا دی تو عبداللہ بن عباسؓ نے کہا۔ "لوگوں کو بغیر قبلہ کے نہ چھوڑو ارد گرد لکڑیاں لگوا دے تا کہ لوگ طواف کر سکیں۔" چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

ہارون الرشید یا مہدی یا منصور نے ابن زبیرؓ کی تعمیر کے مطابق تعمیر کرانی چاہی مگر حضرت امام مالکؒ نے منع کر دیا کہ خانہ کعبہ کو بادشاہوں کے لئے کھیل نہ بنایئے۔

سلطان احمد بن سلطان محمد بن مراد بن سلیم نے بھی از سر نو تعمیر کعبہ کرانے کا ارادہ کیا تھا اور یہ چاہا تھا کہ ایک اینٹ پر سونا چڑھا ہوا اور دوسری پر چاندی مگر علماء نے اسے ایسا کرنے

سے روک دیا، لہٰذا اس نے ٹوٹی ہوئی دیوار پر پیتل کا گھیر الگوا دیا یہ واقعہ ۱۰۲۰ھ کا ہے اس سلسلہ میں اس نے اسی ہزار دینار خرچ کیے۔

اگر کعبہ کی تعمیر میں کسی قسم کا خلل واقع ہو جائے تو اس کی مرمت ضروری ہے اور اس کی تعمیر میں لکڑی، پتھر، کوئلہ، مٹی، لوہا اور سیمنٹ وغیرہ لگا سکتے ہیں۔ ولید بن مغیرہ نے اہل قریش سے کہا تھا۔ ''تم خانہ کعبہ کو گرانے سے کیوں ڈرتے ہو؟ کیا تمہارا ارادہ اس کی اصلاح کا نہیں ہے؟''

انہوں نے کہا ''کیوں نہیں۔''

ابن مغیرہ بولا۔ ''تو پھر کیوں ڈرتے ہو، اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والوں کو ہلاک نہیں کرتا۔''

پھر ولید بن مغیرہ پھاوڑا لے کر خانہ کعبہ کی دیوار پر چڑھ گیا اور گرانے لگا یہ دیکھ کر قریش بھی ساتھ ہو گئے۔

اللہ چاہتا تو وہ اپنے گھر کو شکست وریخت سے محفوظ رکھتا مگر اس نے خانہ کعبہ کو وہ تقدس و ہیبت عطا کی ہے کہ دنیا کے لوگ وہاں آتے ہیں اور روتے پیٹتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں اور عجز وانکساری کا اظہار کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ جب کبھی خانہ کعبہ کو دیکھتے تو فرمایا کرتے۔

''اے اللہ اس گھر کو اور زیادہ شرف و بزرگی عطا فرما اور جو کوئی اس کی زیارت کرے اسے بھی شرف و بزرگی اور نیکی عطا فرما۔''

جب حضرت عمرؓ بیت اللہ کو دیکھتے تو فرماتے۔

''اللھم انت السلام و منک السلام فحینا ربنا با السلام''

اے اللہ تو سلام ہے، تجھ ہی سے سلامتی ملتی ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔''

ازرقی نے اپنی تاریخ میں عطاء بن عباس سے روایت درج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس گھر پر ہر شب و روز میں ۱۲۰ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ ساٹھ طواف کرنے والوں کے لیے، چالیس نمازیوں کے لیے اور بیس دیکھنے والوں کے لیے۔''

ازرقی نے حضرت عطاء سے ایک روایت درج کی ہے۔ ''عطاء نے کہا ہے کہ میں نے

ابن عباس سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ:

''کعبہ کی طرف دیکھنا ایمان خالص ہے۔''

عماد بن ابیؓ سے روایت ہے کہ:

''کعبہ کی طرف دیکھنے والا اور دوسرے شہروں کا نمازی دونوں برابر درجہ رکھتے ہیں۔''

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس کسی نے بیت اللہ کا طواف کیا، اللہ اسے ہر قدم کے عوض ایک نیکی دیتے ہیں اور ایک برائی اس سے مٹا دیتے ہیں۔''

مجاہد سے روایت ہے: ''رکن اور در کعبہ کے درمیان ایک مقام ''ملتزم'' کہلاتا ہے جو کوئی بھی وہاں کھڑے ہو کر دعا کرے گا اللہ اس کی دعا کو قبول کرے گا۔''

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:

''جس شخص نے خانہ کعبہ سے چمٹ کر دعا کی اللہ اس کی دعا قبول کرے گا۔'' کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ اگرچہ صرف ایک ہی بار بوسہ دیا ہو؟ فرمایا۔ ''خواہ پلک جھپکنے کے برابر ہی اسے کیوں نہ موقعہ ملا ہو۔'' حضرت عمروؓ بن شعب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہؓ بن عمروؓ کے ساتھ طواف کیا جب ہم کعبہ کی پشت پر پہنچے تو میں نے کہا۔ ''کیا آپ اعوذ اللہ نہیں پڑھتے؟''

انہوں نے کہا۔ ''اعوذ باللہ من النار''، پھر آپ آگے بڑھے حتیٰ کہ حجر اسود کو بوسہ دیا پھر رکن او باب کے درمیان کھڑے ہوئے پھر اپنا سینہ، چہرہ، بازو اور ہتھیلیاں پھیلا دیں اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کرتے دیکھا۔''

مجاہد کہتے ہیں کہ ''اپنے رخساروں کو کعبہ سے ملا دو مگر پیشانی اس پر نہ دھرو''

بقائے کعبہ

غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے کہ برس ہا برس سے باقی ہے اور قیامت تک اسی طرح باقی رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ''کعبہ کو حبشہ کا ذو السویقتین برباد کرے گا اور اس کے پردے اتار دے گا گویا میں اسے پھاوڑا چلاتے دیکھ رہا ہوں۔''

ازرقی نے حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث درج کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خانۂ کعبہ کی بے حرمتی خود حرم والے ہی کریں گے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو عرب ہلاک ہو جائیں گے اور حبشی آکر اسے برباد کردیں گے اور اس کا خزانہ لوٹ کر لے جائیں گے۔''

عجیب بات یہ ہے کہ تاریخ میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں کہ کسی بھی بادشاہ یا کسی بھی شخص نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہو کہ خانۂ کعبہ میری ملکیت ہے یا میرے باپ دادا کی ملکیت ہے بلکہ عرب کے مشرکین اور بت پرست بھی اسے بیت اللہ کہہ کر پکارتے تھے۔

بھلا کس کی مجال جو ایک ایسا گھر تعمیر کرے جو ابتدائے دنیا سے لے کر اختتام دنیا تک رہے۔ بعض لوگوں نے ایسے مقامات بنائے بھی مگر وہ عبادت گاہیں بھی گر گئیں اور وہ خود بھی برباد ہو گئے۔ ابرہہ نے صنعائے یمن میں اس قسم کی ایک عظیم الشان عمارت بنائی تھی جس کا نام قلیس تھا یہ تعمیر ساٹھ گز بلند تھی اور اس پر زر کثیر صرف کیا تھا، وہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ بجائے مکہ کے یہاں حج کرنے آیا کریں مگر دو عرب آئے اور اس میں پاخانہ کر گئے لہٰذا ابرہہ کو بڑا غصہ آیا اور اس نے کہا میں خانۂ کعبہ کو گرا کر ہی دم لوں گا چنانچہ وہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر آیا اور ہلاک ہوا۔ سورۂ فیل میں یہ واقعہ درج ہے۔

عباس بن ربیع حارثی نے جو کہ ابو جعفر منصور کا یمن میں گورنر تھا قلیس کو گروا دیا تو یہاں سے بہت کچھ دولت ہاتھ آئی۔ ازرقی نے قلیس اور ابرہہ کے قصے کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

شیخ عبداللہ بن محمد الغازی الہندی نے اپنی کتاب افادۃ الانام میں لکھا ہے کہ: ''خالد بن برمک کے اجداد میں سے کسی نے خانۂ کعبہ کے مقابلے پر ایک معبد تعمیر کرایا اور اس کے اردگرد تین سو ساٹھ خادموں کے حجرے بنوائے وہ اور اس کی مملکت کے آدمی یہاں حج کرنے کے لیے آتے۔ ظالم بنی اسعد نے بھی بنو غطفان کے لیے کعبہ کے مقابلے میں ایک عبادت گاہ بنوائی تھی مگر زہیر بن خباب کلبی نے اسے گرادیا اور ظالم کو قتل کر دیا۔''

ابراہیمی تعمیر

حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر بغیر مٹی اور چونے کے تھی۔ آپؑ نے کعبہ کے اندر داھنی جانب ایک گہرا گڑھا کھودا تھا جو کنویں کی مانند تھا۔ یہ نذرونیاز کے لیے خزانہ تھا۔ اس کی گہرائی تین گز

تھی جیسا کہ ازرقی نے بیان کیا ہے۔

آپ نے کعبہ کو چھت دار نہیں بنایا تھا نہ اس میں کوئی لکڑی کا دروازہ تھا۔ دروازے کے بجائے آپ نے مشرقی دیوار میں ایک کشادگی چھوڑ دی تھی تاکہ خانۂ کعبہ کے داخلے کی راہ معلوم ہو سکے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ بڑے دیانت دار تھے، خیانت اور چوری سے آشنا نہ تھے، نہ ان کے پاس سونا چاندی تھا، نہ وہ لوگ ہماری طرح مضبوط محلات میں رہتے تھے۔

ا۔ سب سے پہلے جس نے کعبہ کا دروازہ بنایا جو بند ہو سکتا تھا، اسعد حمیری تھا، وہ ملوک یمن سے تھا، بعثت سے بہت پہلے ہوا ہے، سب سے پہلے اس نے ہی کعبہ کو مکمل غلاف پہنایا اور اس کے پاس ذبیحہ کیا۔

روایت ہے کہ آپؑ نے کعبہ کی تعمیر پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے کی تھی۔ (۱) طور سینا (۲) طور زیتاء (۳) لبنان (۴) جودی (۵) حراء۔

طور زیتاء اور طور سینا بیت المقدس میں دو پہاڑ ہیں اور لبنان شام میں ہے اسے جبل اولیاء بھی کہتے ہیں۔ (شرح عامود النسب) حراء مکہ کے شمال مشرقی جانب یہ پہاڑ واقع ہیں، رسول اللہ ﷺ یہیں عبادت کرتے تھے اور سب سے پہلی وحی یہیں نازل ہوئی۔

کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ نے آدم علیہ السلام کی بنیاد پر بنیاد رکھی تھی۔ آپ نے کعبہ کے دو رکن رکھے تھے، رکن اسود اور رکن یمنی۔ حجر کی جانب کوئی رکن نہیں تھا بلکہ وہ نصف دائرہ کی شکل میں گول تھا۔ حجر کی جانب پہلو کی چھت تھی جہاں اسماعیل کی بکریاں بندھتی تھیں، کعبہ کا کوئی دروازہ نہ تھا، بلندی نو ہاتھ تھی، جہاں آج کل دروازہ ہے۔ یہ دیوار بتیس ہاتھ تھی اور اس کے مقابل کی دیوار اکتیس ہاتھ تھی۔ وہ دیوار جہاں حجر کی جانب پرنالہ ہے بائیس ہاتھ چوڑی تھی اور اس کے مقابل کی دیوار بیس ہاتھ، تاریخ کعبہ معظمہ کے مصنف نے جو یہ لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کے دو دروازے رکھے تھے یہ بات بے اصل ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ آپ نے صرف ایک کشادگی رکھی تھی جیسا کہ تاریخ کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ خلیل اللہ نے کیوں بغیر گارے اور چونے کے کعبہ کی تعمیر کی؟ لکڑی وغیرہ کا دروازہ کیوں نہیں رکھا؟ چھت کیوں نہیں بنائی؟ ایک دروازہ داخلے کے لیے اور ایک باہر جانے کے لیے کیوں نہیں رکھا؟ حجر اسماعیل کو گول کیوں بنایا؟ پہلو کی چھت

کیوں بنائی اور اسے پتھر سے کیوں تعمیر نہیں کیا؟ ان تمام باتوں کا مختصر جواب یہ ہے کہ آپ نے کعبہ کو بغیر گارے، چونے، دروازے اور چھت کے اس لیے بنایا تھا کہ اس دور میں مختلف قسم کے آلات، لوہے کا سامان، کیلیں اور لکڑی چیرنے کے اوزار نہ تھے۔

مکہ میں چونکہ سوائے ابراہیم، اسماعیل اور جرہم کے قبیلے کے کوئی اور نہ تھا اور چونکہ کعبہ کا اندرونی حصہ کچا تھا لہٰذا کسی چھت یا دروازے کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ ہی نکلنے اور داخل ہونے کے لیے علیحدہ علیحدہ دروازوں کی ضرورت تھی۔ حجر اسماعیل کو آپ نے اس لیے گول بنایا تھا کہ کعبہ کی سامنے والی دیوار بھی گول تھی اور پیلو سے اس کو اس لیے بنایا تھا تاکہ وہ بنیاد کعبہ میں داخل نہ ہو مگر اسے اس سے خارج بھی نہ سمجھا جائے۔ بہرحال انبیائے کرام کوئی ایسا کام نہیں کرتے جس میں اللہ کی مرضی شامل نہ ہو۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

تعمیر کعبہ

حضرت ابراہیمؑ مکہ آتے تو قیام نہ کرتے مگر تیسری بار پھر تشریف لائے اللہ کا حکم تھا کہ تعمیر کعبہ کریں۔ پہنچے تو اسماعیلؑ کو درخت کے سائے تلے زم زم کے پاس بیٹھے پایا، آپ تیر بنا رہے تھے، اسماعیلؑ نے دیکھا تو کھڑے ہوگئے، باپ بیٹے بغل گیر ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا۔ ”بیٹا اللہ نے مجھے ایک حکم دیا ہے۔“

اسماعیل بولے۔ ”تو اطاعت کیجیے۔“

فرمایا۔ ”کیا تو میری مدد کرے گا؟“

کہا۔ ”کیوں نہیں؟“

حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔ ”اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں ایک گھر بناؤں۔“

اسماعیلؑ پتھر لاتے جاتے تھے اور ابراہیمؑ بناتے جاتے تھے، جب تعمیر ذرا بلند ہوگئی تو اسماعیلؑ ایک پتھر اٹھا کر لائے تاکہ آپؑ اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کریں (یہی مقام ابراہیم ہے) دونوں باپ بیٹے دعا کرتے جاتے تھے:

”اے پروردگار ہم سے قبول فرما تو سننے والا، جاننے والا ہے۔“

انہوں نے اس گھر کی تعمیر نہ مٹی سے کی نہ چونے سے بلکہ بس پتھر پر پتھر رکھتے چلے

گئے، نہ اس کی چھت بنائی، بعد ازاں مختلف ایام میں بیت اللہ کی تعمیر ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ قریش نے اس کی تعمیر کی۔ آگے اس کی تفصیل آئے گی۔

کہتے ہیں کہ اس وقت اسماعیلؑ کی عمر بیس سال تھی۔ بعض مؤرخین نے کچھ زیادہ بھی بتائی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حجر کو بیت اللہ کے پہلو میں اسماعیلؑ کی بکریوں کا باڑہ بنایا تھا اور اس پر پیلو کی چھت تھی۔ پہلے بیت اللہ کی جگہ ایک سرخ ٹیلا تھا جسے اکثر سیلاب ادھر ادھر کاٹتا رہتا تھا۔

جب ابراہیمؑ تعمیر کعبہ سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے اسماعیلؑ سے ایک ایسے پتھر کا مطالبہ کیا جسے بطور علامت کے رکھ سکیں تاکہ وہ آغاز طواف کے لیے بطور نشانی کے استعمال ہو سکے، کہتے ہیں کہ جبریلؑ (فرشتہ) اس پتھر کو بوقبیس پہاڑ سے لائے تھے، آپ نے اسے اس مقام پر رکھ دیا جہاں وہ اب قائم ہے، روایت ہے کہ یہ بہت زیادہ روشن تھا۔

جب ابراہیمؑ تعمیر کعبہ سے فارغ ہوگئے تو جبریلؑ (فرشتہ) آئے اور انہوں نے تمام مقامات حج دکھائے پھر اللہ نے حکم دیا کہ لوگوں کو حج کے لیے پکاریں۔

واذن فی الناس بالحج یا توک رجالاً وعلیٰ کل ضامرٍ یا تین من کل فج عمیق ط

ترجمہ: اعلان کر دیجیے لوگوں کو حج کے لیے وہ آئیں گے پیدل اور دبلی اونٹنیوں پر سوار جو آئیں گی ہر وسیع گہرے راستہ سے۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ابراہیمؑ نے کہا:

”پروردگار! میری آواز لوگوں تک کیسے پہنچ سکتی ہے؟“

اللہ نے فرمایا۔ ”آپ پکاریئے ہم آپ کی پکار کو لوگوں تک پہنچا دیں گے“

تفسیر جلالین میں ہے کہ ابراہیمؑ نے ابوقبیس پہاڑ پر چڑھ کر پکارا۔

”اے لوگو! اللہ نے ایک گھر بنایا ہے اور تم پر حج فرض کیا ہے لہٰذا تم اپنے پروردگار کو لبیک کہو۔“

آپؑ نے دائیں، بائیں، شمال و جنوب میں منہ کر کے آواز دی اور لوگوں نے لبیک کہی۔

ابراہیمؑ ہر سال حج کے لیے آیا کرتے بعد ازاں تمام انبیاء اور ان کی امتیں حج کے لیے آتے رہے۔ مجاہد لکھتے ہیں کہ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے پیادہ حج کیے۔ روایت ہے کہ پچھتر انبیاء نے حج کیا اور منیٰ میں نماز ادا کی۔

تاریخ ازرقی میں ہے کہ انس بن مالک مکہ آئے تو حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز حاضر خدمت ہوئے اور پوچھا۔

''مسافروں کے لیے طواف بہتر ہے یا عمرہ؟''

آپ نے فرمایا ''طواف افضل ہے۔''

کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے: ''خانۂ کعبہ میں طرح طرح کی فضیلتیں ہیں، گھر والا ہی انہیں جانتا ہے، جو کوئی یہاں اپنی خطاؤں سے ڈر کر آیا، اللہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔''

قریشی تعمیر

مشہور یہ ہے کہ قریش نے بعثت سے پانچ سال پہلے یعنی آپ کی ولادت کے پینتیس سال بعد کعبہ کی تعمیر کی تھی، انہوں نے حجر کی جانب سے چھ ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دیا تھا کیونکہ حلال مال سے جو چندہ انہوں نے تعمیر کے لیے جمع کیا تھا وہ کافی نہ تھا۔ قریش نے حجر کے پیچھے ایک چھوٹی سی دیوار بنا دی تھی تا کہ لوگ اس کے پیچھے سے طواف کریں اور اس کے دروازے کو زمین سے بلند کر دیا تھا اور پتھروں سے اسے مضبوط کر دیا تھا تا کہ سیلاب اس کے اندر داخل نہ ہو سکے اور جسے چاہیں نہ جانے دیں، انہوں نے دروازہ ایک ہی رکھا تھا، غار کعبہ کو بھی باقی رکھا تھا یعنی جو بطور خزانۂ کعبہ کے استعمال ہوتا تھا۔ کعبہ کے اندر انہوں نے دو صفوں میں چھ ستون رکھے تھے۔ ہر صف میں تین ستون تھے۔ ایک چھت اور ایک پرنالہ تھا جو حجر اسماعیلؑ پر گرتا تھا اس سے پیشتر کعبہ کی چھت نہ تھی، بلندی اٹھارہ ہاتھ تھی حجر کی جانب کوئی ستون نہ تھا بلکہ دیوار مدوّر تھی جس طرح کہ حضرت ابراہیمؑ نے بنائی تھی۔ لوگ اسی طرح کعبہ کے اتباع میں اپنے گھر گول بنایا کرتے تھے۔ سب سے پہلے حمید بن زہیر نے اپنا گھر مربع بنایا۔

قریش نے کعبہ کی تعمیر اس لیے کی تھی کہ ایک عورت نے کعبہ کو دھونی دی تو ایک شرارہ غلاف کعبہ پر بیٹھ گیا اور آگ لگ گئی، ہر سمت سے دیواریں پھٹ کر کمزور ہو گئیں، قریش کی تعمیر سے پیشتر کعبہ کی تعمیر میں مٹی یا چونا لگایا گیا تھا۔ باہر کی جانب دیواروں کے اوپر سے پردے ڈالے جاتے تھے اور اندرونی جانب میں بالائی حصہ سے پردے باندھے جاتے تھے۔ قریش نے کعبہ کی تعمیر گارے سے کی جس نے یہ عمارت گارے سے بنائی اس کا نام باقوم رومی تھا۔

باقوم رومی ایک معمار تھا جو ساحل عرب پر تجارت کرتا تھا۔ ایک دفعہ لکڑیاں بھر کر لایا تو کشتی جدہ کے قریب ٹوٹ گئی۔ قریش کو پتہ چلا تو انہوں نے یہ لکڑی کعبہ کی چھت کے لیے خرید لی اور کشتی والوں کو اجازت دے دی کہ وہ اپنا مال مکہ میں لے جا کر بیچ لے اس سے ٹیکس نہیں لیا جائے گا اور باقوم سے انہوں نے چھت بنوائی۔

زبیری تعمیر

عبداللہ بن زبیر نے تین دن تک استخارہ کرنے کے بعد کعبہ کو بالکل زمین کے برابر کر دیا اور حضرت ابراہیمؑ کی بنیاد کو بھی کھدوایا تو دیکھا کہ وہ چھ ہاتھ اور ایک بالشت حجر اسماعیل میں داخل ہے۔ لہٰذا آپ نے انہی بنیادوں پر تعمیر کی۔ ایسا انہوں نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کی بناء پر کیا۔ آپ نے اس کی بلندی ستائیس ہاتھ رکھی تا کہ عرض کے مناسب ہو جائے۔ ایک دروازہ داخلے کے لیے اور ایک باہر جانے کے لیے بنایا یہ دونوں دروازے زمین کی سطح کے برابر تھے۔ ہر دروازے کی لمبائی گیارہ ہاتھ تھی اور ہر ایک کے دو کواڑ تھے۔ آپ نے کعبہ کے چار ستون بنائے، آپ کے زمانے میں یہ چاروں ستون چومے جاتے تھے حتیٰ کہ آپ شہید کر دیئے گئے اور کعبہ کو گرا دیا گیا۔ آپ نے رکن شامی کی طرف ایک زینہ اوپر جانے کے لیے بنایا تھا۔ سونے سے اسے مزیّن کیا تھا اور چھت پر پرنالہ رکھا تھا جو حجر میں گرتا تھا۔

کہتے ہیں کہ ابن زبیرؓ نے کعبہ کی تعمیر چونے سے کرائی تھی جو یمن سے منگوایا گیا تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ نے تعمیر پگھلے ہوئے رنگ سے کرائی تھی جس میں ورس ملی ہوئی تھی (ورس ایک قسم کی زرد گھاس ہوتی ہے جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں اور جو یمن میں پیدا ہوتی ہے)

جب آپ تعمیر سے فارغ ہو گئے تو آپ نے اس کے اندر مشک وغیرہ بھروا دیا اور دیواروں کو باہر کی جانب مشک سے لپوایا اور دیبا کا پردہ ڈلوایا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ کتان مصری کا غلاف ڈالا تھا، یہ دن عجیب تھا، اس دن بہت سے غلام آزاد کئے گئے، بہت سے اونٹ ذبح کئے گئے اور بہت سی بکریاں ذبح کی گئیں۔ حضرت ابن زبیر ننگے پاؤں نکلے اور آپ کے ساتھ بہت سے قریشی ننگے پاؤں نکلے حتیٰ کہ مقام تنعیم کی مسجد عائشہؓ میں پہنچے اور عمرہ کا

احرام باندھا کہ اللہ نے انہیں ابراہیمی تعمیر پر تعمیر کرنے کی توفیق بخشی تھی۔

ابن زبیر نے اس لیے تعمیر کی تھی کہ ایک شخص نے محاصرے کے زمانے میں مسجد حرام کے کسی خیمے میں آگ جلائی، خیمے میں آگ لگ گئی اور چلتے چلتے کعبہ تک پہنچ گئی لہٰذا غلاف اور رکن یمنی جل گیا۔ یہ واقعہ ۶۴ھ کا ہے۔

حجاج کی تعمیر

عبداللہ ابن زبیر کو شہید کرنے کے بعد حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ ”ابن زبیر نے کعبہ میں اضافہ کیا ہے اور ایک دروازہ بڑھا دیا ہے، کیا میں جاہلی زمانے کی تعمیر کے مطابق نہ کروں؟“ حجاج نے کعبہ کو گرا کر قریشی بنیاد کے مطابق اسے بنا ڈالا، مغربی دروازہ بند کر دیا اور مشرقی دروازے کو سطح زمین سے بلند کر دیا، دروازے کی لمبائی سے چار ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دیا لہٰذا اس کی لمبائی چھ ہاتھ اور ایک بالشت رہ گئی۔ یہ واقعہ ۷۴ھ کا ہے۔

کعبہ کی ہر ایک چیز ابن زبیر کی بنائی ہوئی ہے۔ سوائے اس دیوار کے جو حجر میں ہے کہ وہ حجاج کی بنائی ہوئی ہے، اسی طرح مشرقی دروازے کی چوکھٹ اور وہ اندرونی سیڑھی جو سقف کعبہ تک پہنچائی ہے اور جو دو دروازے اس پر ہیں وہ بھی حجاج کے بنائے ہوئے ہیں، کعبہ کی تعمیر سلطان مراد کے زمانے تک رہی جیسا کہ آئندہ اس کا ذکر آئے گا۔

حجر اسماعیل، ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر میں شامل تھا اور ابن زبیر کی تعمیر میں بھی وہ چھوٹا سا تھا اور دونوں تعمیروں میں اس کی مقدار ایک جیسی ہی تھی مگر قریش کی تعمیر اور حجاج کی تعمیر میں وہ وسیع تھا۔ اس کی موٹائی اسی قدر تھی جتنی کہ اب ہے کیونکہ حجاج نے کعبہ کو اس طرز پر بنایا تھا جس طرز پر قریش نے بنایا تھا، اس سے پہلے حجر کی جانب سے چھ ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دی گئی تھی حجاج نے اس کو وسیع کر دیا۔

حجاج نے کعبہ کو کیوں بنایا؟

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے حجاج کو جو حکم دیا تھا کہ ابن زبیر کی تعمیر کو منہدم کر دے یہ صرف فساد کی بناء پر تھا مگر یہ صحیح نہیں ہے مسلمانوں اور خصوصاً قرن اول

کے مسلمانوں سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کعبہ کو ایک دوسرے سے نفرت کی بناء پر منہدم کریں وہ تو ایسا انتہائی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں کرتے تھے۔ پہلے علماء سے فتویٰ لیتے اور لوگوں سے مشورہ کرتے تب کہیں ہاتھ اٹھاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ عبدالملک بن مروان نے جو کعبہ کے گرانے کے متعلق حجاج کو حکم دیا تھا وہ صرف اس لیے تھا کہ جب ابن زبیر کے محاصرہ کے زمانے میں آگ لگی تو انہوں نے اپنی مرضی اور اپنے اجتہاد کے مطابق گرا کر ازسرِنو تعمیر کرا دیا چنانچہ امام ازرقی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

جب حجاج بنائے کعبہ سے فارغ ہو گیا تو حارث بن عبداللہ بنی ابی ربیعۃ المخزومی عبدالملک کے پاس گئے۔

عبدالملک نے ان سے کہا۔ ”میں خیال کرتا ہوں کہ ابن زبیرؓ نے کعبہ کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے کچھ بھی نہیں سنا تھا۔“

حارثؓ بولے۔ ”میں نے حضرت عائشہؓ سے یہی بات سنی ہے۔“

عبدالملک نے کہا۔ ”وہ کیا؟“

انہوں نے کہا۔ حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”تیری قوم نے کعبہ کی تعمیر کو چھوٹا کر دیا، اگر تیری قوم نو مسلم نہ ہوتی تو میں اسے سابقہ بنیاد پر تعمیر کرا دیتا، آ، میں تجھے دکھاؤں انہوں نے کتنا حصہ چھوڑ دیا ہے۔“ تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو سات ہاتھ چھوٹا ہوا حصہ دکھایا اور فرمایا۔

”شاید تیری قوم کو تعمیر کا موقعہ ملے۔ میں زمین پر اس کے دو دروازے بناتا ایک شرقی جس سے لوگ داخل ہوتے اور ایک غربی جس سے لوگ نکلتے۔“

عبدالملک بن مروان نے کہا۔ ”کیا تو نے خود حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سنی؟“

انہوں نے کہا۔ ”ہاں، امیر المومنین! میں نے خود یہ حدیث ان سے سنی۔“

تو عبدالملک بڑی دیر تک ایک شاخ سے زمین کو سر جھکائے کریدتا رہا پھر بولا۔ ”کاش میں ابن زبیرؓ کی تعمیر کو اسی طرح چھوڑ دیتا، اس نے بڑا خرچ کیا۔“ یہاں تک ازرقی کا بیان تھا۔

یہ اس امر پر واضح دلیل ہے کہ عبدالملک کو یہ معلوم نہ تھا کہ ابن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کے مطابق تعمیر کرائی تھی، جب یہ بات اس پر روشن ہو گئی تو وہ بڑا نادم ہوا۔ آپ اس

حدیث میں غور کریں گے تو ایک معجزہ کا ظہور پائیں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے عائشہؓ سے فرمایا تھا "شاید تیری قوم کو تعمیر کا موقعہ ملے۔" اس میں اس جانب اشارہ تھا کہ تعمیر کعبہ عائشہؓ کی زندگی میں ہوگی اور عائشہؓ کا بھانجا اس کی تعمیر کرے گا کیونکہ عبداللہ بن زبیرؓ آپؓ کی بہن اسماءؓ بنت ابی بکر کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کے یہ دونوں اشارے آپ کی وفات کے بعد ترپن سال بعد صحیح ثابت ہوئے۔

سلطان مراد رابع کی تعمیر

سلطان مراد رابع ابن سلطان احمد، سلاطین آل عثمان سے تھا، اس کی تعمیر کا یہ سبب ہوا کہ بدھ کے دن آٹھ بجے صبح ۱۹ شعبان ۱۰۳۹ھ میں مکہ اور اس کے اطراف میں سخت بارش ہوئی تو سیلاب مسجد حرام میں در آیا اور کعبہ کے دروازے کے قفل سے بھی دو میٹر اوپر ہو گیا، اس کے اگلے دن جمعرات کو عصر کے وقت کعبہ کی شامی دیوار دونوں طرف سے گر گئی اور اس کے ساتھ مشرقی دیوار کا کچھ حصہ بھی جو باب شامی سے متصل تھا جا پڑا صرف چوکھٹ کا بقدر حصہ باقی رہ گیا اور غربی دیوار دونوں طرف سے چھٹے حصے کے بقدر گر گئی اور بیرونی طرف سے دو ثلث اور چھت کا کچھ حصہ بھی گر گیا جو شامی دیوار سے ملحق تھا۔

مؤرخ کبیر شیخ عبداللہ الغازی الہندی مہاجر مکہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

"وہ شامی جانب جو گر گئی تھی حجاج نے اس کی تعمیر کی اور چھت کا بھی کچھ حصہ گر گیا تھا۔"

غازی کا یہ بیان حقیقت کے مطابق ہے۔

سلطان مراد نے بنائے کعبہ کا حکم دیا اس کی تعمیر ۱۰۴۰ھ میں مکمل ہوئی جس طرح حجاج نے بنائی تھی اسی طرح اس نے بنوائی۔ سلطان مراد کی تعمیر ہمارے اس دور تک باقی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر اور قریش کی تعمیر کے درمیان دو ہزار چھ سو پینتالیس سال کا فاصلہ ہے جیسا کہ بخاری نے اپنی تاریخ میں حلبی سے نقل کیا ہے۔

قریش اور ابن زبیر کی تعمیر کے درمیان بیاسی سال کا فاصلہ ہے، حجاج اور ابن زبیر کی تعمیر کے درمیان دس سال کا اور حجاج اور سلطان مراد کی تعمیر میں نو سو چھیاسٹھ سال کا۔

جو کوئی مزید تفصیل کا خواہاں ہو وہ کتب تاریخ کا مطالعہ کرے کیونکہ ہم نے بناء

برمناسبت کے بطور خلاصے کے کچھ بیان درج کیا ہے۔

ہم نے بنائے ابراہیمی، بنائے قریش، تعمیر عبداللہ بن زبیر اور تعمیر حجاج کی یہ تشریح صحیح ترین روایات کے مطابق لکھی ہے۔

ہم نے ان چاروں زمانوں کے تعمیرات کا ذکر نہایت واضح طور پر درج کر دیا ہے اور جو کچھ معتبر تاریخوں میں لکھا ہے اس کے مطابق درج کر دیا ہے تاکہ جو کچھ آپ دیکھتے ہیں اس کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔

فسبحان من کرم بیتہ الحرام بالتعظیم والاجلال والحمد للہ الذی جعلنا من اھلہ وجیرانہ

کعبہ کے معمار

اب ہم لوگوں کے مختصر حالات زندگی لکھتے ہیں جنہوں نے کعبہ کی تعمیر میں حصہ لیا۔ موجودہ تعمیر کعبہ کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اب ہم باقی لوگوں کے حالات بیان کرتے ہیں۔

قریش:

اہل عرب انسانوں میں سب سے افضل ہیں اور قریش اہل عرب میں سب سے افضل ہیں، ہم تفصیل کے ساتھ ان کے پورے نسب کا بیان نہیں کر سکتے۔ ذیل میں العقد الفرید سے مختصراً بیان درج کرتے ہیں۔

قریش، نضر بن کنانہ کہلاتے تھے، یہ لوگ بنو کنانہ میں پھیلے ہوئے تھے، سب سے پہلے انہیں قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک نے بیت اللہ کے پاس جمع کیا، قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ اسی لیے قصی کو مجمع یعنی جمع کرنے والا کہتے ہیں چنانچہ شاعر کہتا ہے:

قصی ابو کم من یسمیٰ مجمعا   بہ جمع اللہ القبائل من فھر

ترجمہ: تمہارے باپ قصی کو مجمع کہتے ہیں اللہ نے اس کے ذریعہ فہر کے قبائل کو جمع کیا۔

قریش آل اللہ جیران اللہ اور سُکان اللہ کہلاتے تھے۔ اسی کے بارے میں عبدالملک

کہتے ہیں:

نحن آل الله فی ذمته لم نزل فیها علی عهد قدم اِن للبیت لربّاما نعا من یرد فیه باثم یخترم لم تزل لله فینا حرمته یدفع الله بها عنا النقم.

ہم آل اللہ ہیں اوراس کی نگرانی میں ہیں۔قدیم زمانے سے اس کی حفاظت میں چلے آتے ہیں وہ خانۂ کعبہ کی حفاظت کرتا ہے۔جوکوئی اس میں کسی گناہ کا ارادہ کرے گا،ذلیل ہو گا۔ہمیشہ ہم اللہ کا احترام کرتے چلے آئے ہیں۔اللہ ہم سے مصائب کو دور رکھے۔

قریش کی فضیلت میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''امام،اہل قریش سے ہوں گے،نیک لوگوں کے امام نیک ہوں گے اور بروں کے برے امراء ہوں گے۔اگر تمہارے اوپر اہل قریش کسی نکٹے حبشی غلام کو سردار بنائیں تو اس کی اطاعت کرنا اوراس کی فرمانبرداری کرنا جب تک کہ وہ اسلام اور سر اڑوا دینے کے درمیان تمہیں اختیار نہ دے،اگر ایسی صورت ہو جائے کہ وہ یہ کہے کہ یا اسلام چھوڑ دو،ورنہ سر قلم کروا لو تو تم اپنا سر پیش کر دینا۔''

(حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں اس روایت کو نقل کیا ہے،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''قریش کو آگے بڑھاؤ اوران سے آگے نہ بڑھو۔''نیز فرمایا ہے''اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی اولاد سے اسماعیل کو چنا اور اسماعیل کی اولاد سے بنو کنانہ کو منتخب کیا اور بنو کنانہ سے اہل قریش کو پسند کیا اور قریش سے بنو ہاشم کو چنا اور مجھے بنو ہاشم میں سے چنا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے بہترین گروہ میں پیدا کیا اور (عرب وعجم) دو فریقوں میں سے بہترین لوگوں میں پیدا کیا،پھر قبائل میں سے بہترین قبیلے میں پیدا کیا اوران میں سے بھی بہترین گھرانے میں پیدا کیا لہٰذا میں ان کے نفوس میں سب سے بہتر ہوں اوران کے گھرانے میں سب سے بہتر گھرانے والا ہوں۔''

جس زمانے میں اہل قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے آپ ان کے ساتھ شریک تھے،آپ قریشیوں کے ساتھ پتھر ڈھو رہے تھے اور قریش کے سب سردار شریک تعمیر تھے،جن

میں یہ لوگ شامل تھے۔ولیدؓ بن مغیرہؓ،ابوجہمؓ،عباسؓ بن عبدالمطلب،ابو امیہؓ بن المغیرہؓ،عتبہؓ بن ربیعہؓ،ابو زمعہؓ بن الاسودؓ بن المطلب،عاصؓ بن وائلؓ،ابو حذیفہؓ بن المغیرہؓ،ابو وہبؓ بن عائذ بن عمران بن مخزوم،ابو سفیانؓ اور ابو احیحہ سعیدؓ بن العاصؓ۔

ولیدؓ سب سے پہلا شخص تھا جو خانۂ کعبہ پر چڑھا اور اسے منہدم کرنا شروع کیا ورنہ قریش خانۂ کعبہ کو گراتے ہوئے ڈرتے تھے،پھر اس کی دیکھا دیکھی قریشیوں نے بھی انہدام میں حصہ لیا،کعبہ کو منہدم کرتے وقت ولید یہ کہتا جاتا تھا:

''اے اللہ ہم صرف اصلاح کی غرض سے یہ کام کر رہے ہیں۔''

ابوجہمؓ،ابن زبیرؓ کی تعمیر کعبہ میں بھی شریک ہوئے تھے عنقریب ہم ان کے سوانح ذکر کریں گے۔

مذکورہ بالا سرداروں کے علاوہ اور لوگ بھی شریک تھے ہم نے صرف بڑے بڑے لوگوں کے نام ذکر کر دیئے ہیں اوران سب کے سوانح بھی خوف طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کیے۔

عبداللہ بن زبیر:

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ بن العوام بن خویلد قریشی النسل ہیں،آپ کی والدہ اسماءؓ بنت ابی بکر الصدیقؓ تھیں اور آپ کے باپ زبیرؓ بن العوام تھے جو عشرۂ مبشرہ میں سے تھے۔

عبداللہؓ بن زبیرؓ ہجرت کے سال پیدا ہوئے،آپؓ مدینے میں سب سے پہلے مسلمان بچے ہیں،جب آپؓ پیدا ہوئے تو صحابہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔آپؓ کی والدہ حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ انہیں مکہ میں حمل ہوا اور وہاں سے ایسی حالت میں نکلیں کہ پورے دنوں سے تھیں۔جب مدینہ کی طرف آئیں تو قبا میں اتریں اور وہیں عبداللہؓ بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔اسماءؓ کہتی ہیں۔

''میں عبداللہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائی اور آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا۔آپ ﷺ نے کھجور منگوائی اور چبا کر عبداللہؓ کے منہ میں ڈال دیا لہٰذا عبداللہؓ کے پیٹ میں سب سے پہلی چیز جو داخل ہوئی وہ رسول اللہ ﷺ کا لعاب دہن تھا۔پھر آپ ﷺ نے کھجور کے ساتھ عبداللہؓ کی تحنیک کی (تالو میں ذرا سی کھجور لگا دی) پھر آپ کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور نام عبداللہ رکھا۔''

جب آپؓ سات یا آٹھ سال کے ہوئے تو آپ کے پدر بزرگوار (یعنی حضرت زبیرؓ نے

آپ کو حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کریں جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے تو آپ ﷺ انہیں دیکھ کر مسکرائے اور بیعت کر لیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے ان الفاظ میں آپ کی توصیف کی ہے:

"وہ منصف الاسلام، قاری قرآن رسول اللہ ﷺ کے حقیقی دوست کے بیٹے، صدیقؓ کے نواسے اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی صفیہ کے پوتے ہیں، حضرت خدیجہؓ بنت خویلد آپ کے باپ کی پھوپھی تھیں۔

حضرت عمر بن دینار سے روایت ہے:

"میں نے ابن زبیرؓ سے زیادہ اچھا نمازی کوئی نہیں دیکھا۔"

مجاہد فرماتے ہیں۔ "عبادت کی کوئی بھی ایسی راہ نہیں جس پر عبداللہؓ بن زبیرؓ نہ چلے ہوں، ایک خانہ کعبہ میں سیلاب کا پانی جمع ہو گیا تھا تو میں نے دیکھا کہ عبداللہؓ تیر کر طواف کر رہے ہیں۔"

عبداللہؓ بن زبیرؓ نے جب کہ وہ ابھی چھوٹے سے تھے رسول اللہ ﷺ سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں۔ اپنے باپ اور ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، عائشہؓ اور سفیانؓ بن زہیرؓ وغیرہ سے بھی حدیثیں روایت کی ہیں۔

اسلام میں جو چار عبداللہ مشہور ہیں آپ ان میں سے ایک ہیں اور مشہور و بہادر صحابی ہیں، آپ کی کنیت ابوخبیب تھی، خبیبؓ آپؓ کے بیٹے کا نام تھا۔

عبداللہؓ بن زبیرؓ اپنے باپ کے ساتھ جنگ یرموک میں شریک تھے، افریقہ کی جنگ میں بھی شریک ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں فتح افریقہ کی خوش خبری آپؓ ہی لائے تھے، یوم الدار میں بھی آپؓ شریک تھے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے فتنے میں آپؓ حضرت عثمانؓ کی جانب سے مدافعت کر رہے تھے، جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے۔ پھر آپؓ حضرت علیؓ و معاویہؓ کی جنگ سے علیحدہ رہے، بعد ازاں حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی مگر جب حضرت معاویہؓ نے یہ چاہا کہ آپؓ یزید کے ہاتھ پر بیعت کریں تو آپؓ اسکی بیعت سے باز رہے، مکہ شریف چلے آئے اور حرم میں پناہ گزین ہو گئے۔ یزید نے سلیمان کو آپؓ کی خدمت میں بھیجا کہ بیعت کر لیں مگر آپؓ نے انکار کر دیا اور آپؓ کے لیے عائذ اللہ (اللہ کا پناہ

گیر) کا لقب اختیار کیا۔

جب جنگ حرہ ہوئی اور شامیوں نے اہل مدینہ کا قتل عام کر دیا تو پھر شامی مکہ کی طرف متوجہ ہوئے اور عبداللہؓ بن زبیرؓ سے لڑے، اس محاصرہ کے دوران میں خانہ کعبہ کو آگ لگ گئی تھی۔

محاصرہ کے دوران انہیں معلوم ہوا کہ یزید کا انتقال ہو گیا ہے تو انہوں نے محاصرہ اٹھا لیا اور وہ مکہ سے واپس ہو گئے اور اہل مکہ نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

جب مروان مر گیا اور عبدالملک بن مروان اس کی جگہ خلیفہ ہوا تو عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو آپ کے ساتھ لڑنے کے لیے بھیجا، حجاج نے آپؓ سے جنگ کی اور شکست دی۔ جمادی الاولیٰ ۷۳ھ میں حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ شہید کر دیئے گئے۔

یہاں تک ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ الاصابہ فی تمیز الصحابہ سے منقول ہے۔

امام ابن کثیر نے اپنی تاریخ کی آٹھویں جلد میں عبداللہؓ بن زبیرؓ کے متعلق ایک طویل بیان دیا ہے ابن کثیر لکھتا ہے:

ثابت بنانی سے مروی ہے کہ "میں نے عبداللہؓ بن زبیرؓ کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتے دیکھا آپؓ اس طرح کھڑے تھے جیسے کسی نے لکڑی گاڑ دی ہو۔" یحییٰ بن وثاب نے بیان کیا:

"ابن زبیرؓ جب سجدہ کرتے تو چڑیاں آپ کی پشت پر بیٹھ جاتیں اور خوب دوڑتی پھرتیں وہ یہ خیال کرتی تھیں کہ یہ بھی دیوار کا ایک حصہ ہے۔"

بعض لوگوں نے بیان کیا ہے:

"ابن زبیرؓ رات بھر کھڑے رہتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی اور کبھی تمام رات رکوع ہی میں گزار دیتے اور کبھی ساری رات سجدہ ہی میں پڑے رہتے۔"

ابن منکدر سے روایت ہے:

"میں نے ابن زبیرؓ کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جیسے کوئی شاخ ہوا سے جھوم رہی ہو۔ درآں حالیکہ گوپھن کے پتھر آپ کے آس پاس آ آ کر گر رہے تھے۔" سفیان نے کہا ہے کہ مراد اس قول سے یہ ہے کہ آپ گوپھن کے پتھروں کی پروانہ کرتے تھے۔

بعض لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ "گوپھن کا ایک پتھر مسجد

حرام کے کنگرے پر لگا اور اس کا ایک کونہ گر گیا، یہ پتھر عبداللہ بن زبیر کے حلق کے پاس سے ہو کر گیا تھا مگر آپ نے کچھ بھی پروانہ کی اور نہ آپ کے چہرہ پر کسی قسم کا کوئی تاثر ظاہر ہوا۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ بات سنی تو کہا ”لا الٰہ الا اللّٰہ“ وہ ایسے ہی تھے جیسے تو نے بیان کیا۔“

جب ابن زبیرؓ نماز پڑھتے تو دنیا کی ہر چیز سے فارغ البال ہو کر پڑھتے رکوع کرتے تو پرند آپؓ کی پشت پر اترتے اور سجدے کرتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی کپڑا پڑا ہے۔

روایت ہے کہ ایک دن آپؓ نماز پڑھ رہے تھے ایک سانپ چھت سے گرا اور آپؓ کے بیٹے ابن ہاشم کے پیٹ سے لپٹ گیا، عورتیں چلائیں، گھر والے گھبرا گئے اور سب سانپ مارنے پر لگ گئے، سب نے مل کر سانپ کو مار ڈالا اور بچہ صحیح سالم بچ گیا، اور آپؓ ذرا بھی متوجہ نہ ہوئے نماز ہی پڑھتے رہے آپؓ کو پتہ تک نہ چلا کہ کیا ہوا۔

ابن زبیرؓ متواتر سات دن روزہ رکھا کرتے جمعہ کے دن روزہ رکھتے اور دوسرے جمعہ کی شب میں افطار کرتے، مدینہ میں روزہ رکھتے اور مکہ میں افطار کرتے اور مکہ میں روزہ رکھتے اور مدینہ میں افطار کرتے۔

ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ ”آپؓ پورے رمضان کے مہینہ میں صرف پندرھویں شب رمضان کو کچھ کھالیا کرتے تھے۔“

خالد بن ابی عمران سے روایت ہے ”ابن زبیرؓ مہینے میں صرف تین دن افطار کرتے تھے۔“

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ابن زبیرؓ کا تین چیزوں میں کوئی ہمسفر نہ تھا یعنی عادت، شجاعت اور فصاحت میں۔

لیث نے مجاہد سے روایت کی ہے۔ ”ابن زبیرؓ جیسی سخت عبادتیں کرتے تھے، اس طرح کوئی مشقت برداشت نہیں کر سکتا۔“

حضرت عثمان غنیؓ نے آپؓ کو ان لوگوں میں شامل کیا تھا جو کلام پاک لکھا کرتے تھے۔ آپؓ بڑے بلند کردار تھے، جب خطبہ دیتے تو ابوقبیس اور زوراء پہاڑ گونج جاتے۔

آپ کی خلافت ۶۴ھ میں قائم ہوئی، پوری مدت خلافت برابر حج کرتے رہے۔ آپؓ

نے دوران خلافت میں کعبہ کی تعمیر کرائی اور حریر کا غلاف چڑھوایا۔ اس سے پیشتر کعبہ پر ٹاٹ اور چمڑا چڑھا رہتا تھا، آپؓ خانۂ کعبہ کو خوشبو لگوایا کرتے تھے۔ یہ خوشبو دور سے لوگوں کو محسوس ہوتی تھی آپؓ کی شہادت منگل کے دن ۱۷ جمادی الاولیٰ ۷۳ھ میں ہوئی۔ صحیح قول یہی ہے۔ آپ کی والدہ آپؓ کی شہادت کے سو دن بعد تک زندہ رہیں، اس وقت آپؓ کی والدہ کی عمر سو سال ہو چکی تھی اور ان کا ایک بھی دانت خراب نہیں ہوا تھا اور نہ بصارت کمزور ہوئی تھی، رضوان اللہ علیہم اجمعین، یہ بیان تاریخ ابن کثیر سے ملخصاً لیا ہے۔

حجاج بن یوسف

مسعودی اپنی کتاب مروج الذہب میں لکھتا ہے:

”حجاج کی ماں فارعہ بنت ہمام بن عروۃ بن مسعود، حکیم عرب حارث بن کلدۃ کی بیوی تھی۔ ایک دن وہ بیوی کے پاس صبح صبح گیا تو دیکھا کہ وہ خلال کر رہی ہے تو اس نے طلاق دے دی، بیوی نے دریافت کیا:

”مجھے طلاق کیوں دی؟ کیا مجھ سے کوئی شک کی بات دیکھی؟“

اس نے کہا ”ہاں، میں صبح صبح تیرے پاس آیا تو تجھے خلال کرتے پایا، اگر تو نے مجھ سے پہلے ناشتہ کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ تو حریص عورت ہے اور اگر ایسی حالت میں سو گئی تھی کہ دانتوں میں کھانے کے اجزاء رہ گئے تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ تو گندی عورت ہے۔“

اس نے کہا۔ ”ان دونوں میں سے کوئی بھی بات نہ تھی میں تو مسواک کے ریزے دانتوں میں سے نکال رہی تھی۔“

اس کے بعد یوسف بن ابی عقیل نے اس سے شادی کر لی تو حجاج پیدا ہوا۔ حجاج کا مقعد کا نشان نہ تھا لہٰذا اس کے سوراخ کر دیا گیا۔

ابن عبد ربہ نے العقد الفرید میں لکھا ہے کہ ”فارعہ، مغیرہ بن شعبہ کی بیوی تھی اور اس نے مذکورہ بالا حکایت کی بنا پر اسے طلاق دی تھی۔“

اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”حجاج اور اس کا باپ طائف میں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ پھر حجاج کا تعلق روح بن زنباع الجذامی وزیر عبدالملک بن مروان سے ہو گیا، اس نے

اپنی فوج میں داخل کرلیا، بعدازاں عبدالملک نے اسے فوج کا افسر بنادیا۔"

حجاج، قرآن کے مشہور حافظوں سے تھا، اس نے مشبہ حروف کے لیے قرآن میں علامات لگوائیں اور نصر بن عاصم اللیثی اور یحیٰی بن یعمر العدوانی کو اس کام پر تعینات کیا، انہوں نے حروف ہجا کے لیے نقطے ایجاد کیے تاکہ وہ ایک دوسرے سے مشتبہ نہ ہوں جیسے دال، ذال اور فاء، قاف، وغیرہ کے لیے (بحوالہ کتاب "تاریخ القرآن اور تاریخ الخط العربی")

حجاج کے متعلق بہت سے قصے مشہور ہیں۔ شہر واسط کی بنیاد اس نے ڈالی تھی یہ شہر بصرہ اور کوفہ کے درمیان واقع ہے۔ سنہ ۸۶ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ اس وقت اس کی عمر ۵۴ سال تھی۔ ہم نے یہ بیان "تاریخ ابن خلکان" سے مختصر الیا ہے۔

امام ابن کثیر نے اپنی تاریخ کی نویں جلد میں حجاج بن یوسف کے حالات بڑی تفصیل سے دیئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں "ایک دن وہ خطبہ دے رہا تھا، قبر کا ذکر کرنے لگا تو وہ یہی کلمات کہتا رہا کہ قبر تنہائی اور مسافرت کا گھر ہے حتیٰ کہ خود بھی خوب رویا اور تمام لوگ بھی رونے لگے۔"

حجاج سنہ ۳۹ھ میں پیدا ہوا، جوان ہوا تو بڑا فصیح و بلیغ اور عقل مند نکلا، حافظ قرآن تھا۔ بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ حجاج ہر شب کلام پاک پڑھا کرتا تھا۔

عقبہ بن عمرو نے کہا ہے "میں نے لوگوں کی عقلیں ایک دوسرے سے قریب دیکھی ہیں مگر حجاج اور ایاس بن معاویہ کو عجیب وغریب عقل والا پایا، ان کی عقلیں بہت وزنی تھیں اور حجاج میں دانائی بہت تھی۔ وہ ذرا سے شبہ پر لوگوں کو قتل کرا دیتا تھا۔ وہ ناصبی تھا یعنی حضرت علی اور شیعان علی سے بغض رکھتا تھا اور آل مروان بن امیہ سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ بڑا ظالم اور سفاک تھا۔ جہاد اور فتوحات کا بڑا شوقین تھا۔ قرآن کی خدمت کرنے والوں کو خوب خوب روپیہ دیتا۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:

"میں دشمن اللہ حجاج بن یوسف کی اس عادت کی وجہ سے رشک کرتا ہوں کہ وہ قرآن سے بہت محبت کرتا تھا اور قرآن کے خادموں کو بہت کچھ دیتا تھا۔ مجھے اس کی اس بات پر رشک آتا ہے کہ مرتے دم اس نے یہ الفاظ کہے، اے اللہ! مجھے بخش دے کیونکہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تو ایسا نہیں کرے گا۔"

جب حجاج مرنے لگا تو اس نے یہ شعر پڑھے:

یارب قد حلف الاعداء والجتهدوا
یاننی رجل من ساکنی النار
ایحلفون علی عمیاء ویحهم
ما علمهم بعظیم العفو غفار.

(اے اللہ دشمن قسم کھا کر کہتے ہیں کہ میں دوزخ کا کندہ ہوں۔ کیا ان دیکھی بات پر قسم کھاتے ہیں، افسوس! انہیں کیا پتہ کہ اللہ کتنا بڑا اغفار ہے)

حضرت حسن کو یہ قصہ سنایا گیا تو آپ نے فرمایا "قسم اللہ کی اگر نجات پائے گا تو ان ہی دو شعروں کی وجہ سے نجات پائے گا۔"

بعض مؤرخین نے یہ دو شعر اور لکھے ہیں:

ان الموالی اذاشابت عبیدهم
فی رقهم عتقوهم عتق ابرار
وانت یا خالقی اولیٰ بذا اکرماً
قد شبت فی الرق فاعتقنی من النار.

(جب آقاؤں کے غلام بوڑھے ہوجاتے ہیں تو وہ انہیں شریفانہ طور پر آزاد کردیتے ہیں اے میرے پروردگار تیرے لیے یہ بات زیادہ شایان ہے میں تیری غلامی میں بوڑھا ہوگیا لہٰذا مجھے آگ سے آزاد کردے)

جب حجاج مرگیا تو کسی کو پتہ نہ چلا کہ ایک لونڈی نے بلند آواز سے رونا شروع کیا۔ "اے کھانا کھلانے والے! اے بچوں کو یتیم کرنے والے، اے عورتوں کو بیوہ کرنے والے، اے کھوپڑیوں کے پھوڑنے والے، اے اہل شام کے سردار، تو مرگیا، پھر یہ شعر پڑھا:

الیوم یرحمنا من کان یبغضنا
والیوم یامننا من کان یخشانا

(آج ہم پر وہ شخص رحم کرے گا جو ہم سے بغض رکھتا تھا اور وہ لوگ بے خوف ہوجائیں گے جو آج سے پہلے ہم سے ڈرتے تھے)

پچپن سال کی عمر میں واسط میں مرا، اس کی قبر پر پانی بہا دیا گیا تھا تا کہ کوئی اس کی قبر کو نہ اکھاڑے اور نہ آگ لگائے۔

کہتے ہیں کہ "حجاج مرا تو اس کے پاس صرف تین سو درہم، قرآن، تلوار، زین، کجاوہ اور سو زرہیں تھیں۔" عوف نے بیان کیا ہے کہ امام ابن سیرین کے سامنے حجاج کا ذکر کیا گیا تو فرمایا:

"مسکین ابو محمد پر اگر اللہ عذاب نازل کرے گا تو اس کے گناہوں کی بناء پر کرے گا۔ اور اگر بخش دے گا تو اسے مبارک ہو، اگر وہ اللہ سے قلب سلیم کے ساتھ ملے گا تو کوئی جائے تعجب نہیں کیونکہ وہ ہم سے بہتر تھا، ہم سے بہتر لوگوں نے بھی گناہوں کا ارتکاب کیا ہے۔"

لوگوں نے امام ابن سیرین سے پوچھا۔ "قلب سلیم کسے کہتے ہیں؟"

فرمایا: "قلب سلیم وہ ہے جس میں حیاء اور ایمان ہو اور جو یہ جانتا ہو کہ اللہ حق ہے، قیامت برحق ہے اور مرنے کے بعد اٹھایا جانا ہے۔"

احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں:

"میں نے ابوسفیان الدارانی سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ حضرت حسن بصری جب اپنی مجلس میں حجاج کا ذکر کرتے تو اسے بددعا دیتے۔

ایک رات آپ نے اسے خواب میں دیکھا تو پوچھا۔ "کیا تو حجاج ہے؟"

وہ بولا۔ "جی ہاں میں حجاج ہوں۔"

آپ نے دریافت کیا کہ "اللہ نے تیرے ساتھ کیا کیا؟"

کہا۔ "میں نے جتنے بھی آدمی قتل کیے تھے سب کے بدلے میں بار بار قتل کیا گیا، پھر اللہ نے مجھے موحدین کے گروہ میں شامل کر دیا۔"

اس خواب کے بعد حضرت حسن نے اسے برا بھلا کہنا چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم

یہاں تک تاریخ ابن کثیر کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

"فاتح بغداد" سلطان مراد الرابع

غازی سلطان مراد الرابع بن سلطان احمد بن سلطان محمد ۱۰۰۸ھ میں پیدا ہوا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ ۱۰۲۱ھ میں پیدا ہوا۔ علماء اور وزرائے نے متفقہ طور پر اتوار کے دن ۱۴

ذی القعدہ ۱۰۳۲ھ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کی، اس وقت اس کی عمر گیارہ سال اور سات ماہ تھی۔ بعض مؤرخین نے چودہ سال عمر بتائی ہے۔ سلاطین آل عثمان کا وہ سترھواں بادشاہ تھا۔ بڑا بہادر، قوی اور صاحب ہمت تھا۔ فاتح بغداد اس کا لقب تھا، اس نے اہل ایران سے لڑائیاں لڑیں، کیونکہ شاہ عباس نے آل عباس کے بہت سے ممالک پر قبضہ کر لیا تھا اور بغداد بھی ان سے چھین لیا تھا۔ سلطان مراد نے ایک بھاری لشکر اس کے مقابلہ کے لیے تیار کیا اور بہ نفس نفیس اس کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا۔ چالیس دن بغداد کا محاصرہ کرنے کے بعد اس کا لشکر شہر میں داخل ہو گیا، سلطان بھی لشکر کے ساتھ داخل ہوا اور تیس ہزار عجمی قتل کیے اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کو قید کیا، مراد کے اس حملے سے اہل عجم کی طاقت ٹوٹ گئی اور اسے بہت ضعف پہنچا۔

سلطان مراد، اہل حرمین پر بہت مہربانی کی نظر رکھتا تھا۔ اس نے مصر اور دوسرے شہروں کو حکم دے رکھا تھا کہ اہل حرمین کے لیے ان کے اوقاف وغیرہ سے غلہ پہنچاتے رہیں۔ وہ رعیت کا بھی بہت خیال رکھتا تھا اور حکام کا بھی۔ ۱۰۳۹ھ میں سلطان مراد کے زمانہ حکومت میں مکہ میں بڑا بھاری سیلاب آیا۔

سیلاب کا پانی حرم میں داخل ہو گیا اور کعبہ منہدم ہو گیا تو سلطان مراد نے اس کی تعمیر کی۔ یہ اس کا بڑا بھاری کارنامہ تھا، مراد نے تمام قہوہ خانے بند کرا دیے تھے۔ تمبا کو پینا اور نسوار سونگھنا بھی جرم قرار دے دیا تھا۔

مراد بڑا بہادر، صاحب ہمت اور قوی تھا۔ اس نے مصر کو ایک سپر بھیجا جس میں گیارہ تہ تھیں اس کے اندر ایک لکڑی داخل کی اور کہا جو کوئی اسے نکال دے گا اس کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے گا تو کوئی بھی اسے نہ نکال سکا، پھر اس نے مصر کی جانب ایک کمان بھیجی اور فوجیوں سے کہا کہ اسے چلہ چڑھائیں مگر کوئی بھی اسے چلہ نہ چڑھا سکا پھر وہ ڈھال مصر میں شاہی قلعہ پر لٹکا دی گئی اور کمان باب زویلہ پر لگا دی گئی۔

۱۰۴۹ھ میں سلطان مراد کی وفات ہوئی۔ اس وقت اس کی عمر اٹھائیس سال تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مرتے وقت اکتیس سال کا تھا، سترہ سال خلیفہ رہا، اپنے باپ سلطان احمد خان کے مزار کے احاطے میں دفن ہوا۔

حوادثات

وہ حوادثات جو کعبہ میں رونما ہوئے درج ذیل ہیں۔

طبری اپنی کتاب ''القری فی القاصدام القریٰ'' کے پینتیسویں باب میں لکھتا ہے کہ حکیمؓ بن حزام خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے آن کے علاوہ اور کوئی بچہ خانۂ کعبہ میں پیدا نہیں ہوا۔ عام الفیل سے بارہ یا تیرہ سال پہلے ان کی ولادت ہوئی۔ ان کا انتقال مدینہ میں حضرت معاویہؓ کی خلافت کے زمانے میں ۵۴ھ میں ہوا۔ ایک سو بیس سال عمر پائی۔ ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں زندہ رہے۔ عام الفتح میں اسلام لائے۔

کہتے ہیں کہ جب وہ حج کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے ایک سو اونٹ قربانی کے لیے بھیج دیے جن پر یمنی چادریں پڑی تھیں اور ہزار بکریاں بھیجیں اور ایک سو غلام بھیجے جن کی گردنوں میں چاندی کے بلے پڑے ہوئے تھے اور یہ عبارت لکھی تھی ''حکیم بن حزام کی طرف سے راہ خدا میں آزاد کیے گئے۔''

امام مرزوقی نے اپنی تاریخ میں عبداللہ بن ابی سلیمان سے روایت کی ہے کہ فاختہ بنت زہیر بن الحارث بن اسد بن عبدالعزیٰ (حکیم بن حزام کی والدہ) کعبہ میں داخل ہوئی وہ پورے دنوں سے تھی، وہاں اسے دردزہ ہونے لگا تو حکیم پیدا ہوئے، کعبہ کے اندر چمڑا بچھا دیا گیا اور حکیم کو زمزم کے پانی سے غسل دیا گیا۔

امام ازرقی اپنی تاریخ کے حصہ اول میں غار کعبہ کے ذکر میں لکھتے ہیں:

''ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ کعبہ کے اندرونی حصے میں داہنے ہاتھ پر ایک گہرا غار تھا جسے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے کھودا تھا اس غار میں چڑھاوے رکھ دیے جاتے تھے جو زیورات، سونے، چاندی اور خوشبوؤں پر مشتمل ہوتے تھے۔ کعبہ کی چھت نہ تھی۔ جرہم کے زمانے میں خزانۂ کعبہ میں یکے بعد دیگرے چوری ہوئی تو اس پر چھت ڈال دی گئی۔

جرہم نے ایک شخص کو اس خزانے کی حفاظت کے لیے مقرر کیا تھا۔ ایک دن اس کی نیت بگڑ گئی، جب دوپہر کا وقت ہو گیا، سائے سکڑ گئے، لوگ اٹھ گئے اور راستے بند ہو گئے تو اس نے اپنی چادر پھیلائی اور جو کچھ اس گڑھے میں تھا نکال کر اپنی چادر میں باندھ لیا تو وہ غار ہی میں

تاریخ کعبہ و مدینہ

پھنسا رہ گیا، جب شام ہوئی تو لوگوں نے اسے نکالا اور جو کچھ اس نے چادر میں باندھا تھا اس میں ڈال دیا۔ اس دن سے اس غار کو احسف کہنے لگے کیونکہ وہ شخص اس غار میں دھنس گیا تھا۔

کہتے ہیں کہ پھر اس غار میں ایک سانپ رہنے لگا جو تقریباً پانچ سو سال تک اس میں رہا، اگر کوئی شخص اس غار میں داخل ہوتا تو وہ حملہ کرتا۔ لہٰذا کوئی بھی غار میں داخل ہونے کی جرأت نہ کرتا، بسا اوقات یہ سانپ دیوار کعبہ پر بھی آ جاتا جرہم، خزاعہ اور ابتدائے عہد قریش میں یہ سانپ گڑھے کے اندر رہا حتیٰ کہ قریش نے خانۂ کعبہ کو منہدم کر کے اس کی تعمیر کی۔ اس تعمیر میں رسول اللہ ﷺ شریک تھے مگر ابھی بچے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک باز آیا اور اس سانپ کو اٹھا کر لے گیا۔''

ازرقی نے اپنی تاریخ کے پہلے حصے میں لکھا ہے:

''حولطیب بن عبدالعزیٰ سے روایت ہے کہ کعبہ میں لگام جیسے حلقے لٹکے ہوئے تھے اگر کوئی شخص انہیں پکڑ لیتا تو پھر اسے کوئی کچھ نہ کہتا، ایک خائف انسان آیا اور اس نے ایک حلقہ کو پکڑنا چاہا تو ایک شخص نے اس شخص کو پیچھے سے کھینچ لیا، اسی وقت وہ شخص گنجا ہو گیا، زمانۂ اسلام میں بھی اسے میں نے گنجا دیکھا ہے۔''

الجامع اللطیف میں ابن ظہیرۃ القرشی نے لکھا ہے۔ ''عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاصؓ مسجد حرام میں قریشیوں کے ساتھ بیٹھے تھے، دوپہر کا وقت ہو چکا تھا، سائے زائل ہو چکے تھے کہ اچانک بنوشیبہ کے گھر سے ایک چمک دار سانپ نکلا وہ رکن ایمانی پر آیا اسے بوسہ دیا اور خانۂ کعبہ کے سات چکر لگائے پھر مقام ابراہیم میں گیا اور وہاں دو رکعت پڑھیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ نے کہا۔ ''جاؤ اس سے کہہ دو کہیں تجھے کوئی مار نہ ڈالے۔''

چنانچہ ایک شخص گیا اور اس سے کہا تو اس نے سر جھکا لیا پھر وہ آسمان کی طرف اڑتا چلا گیا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔

اسی کتاب میں ہے:

کہ دور جاہلی میں دو پرند شتر مرغ کے برابر تھے آئے اور کعبہ میں داخل ہو گئے، قریش انہیں کھلاتے پلاتے، جب لوگ طواف کر چکتے تو وہ طواف کرتے اور جب لوگ آ جاتے تو وہ دیوار کعبہ پر بیٹھ جاتے۔ ایک ماہ تک اسی طرح کرتے رہے پھر یہاں سے چلے گئے۔

اسی کتاب میں ہے:

کہ ایک پرند جیاد الصغیر کی طرف سے آیا اس کے کچھ پر سیاہ اور کچھ سرخ تھے، اس کی پنڈلیاں پتلی اور گردن دراز تھی، چونچ ایسی لمبی تھی جیسی کہ سمندری پرندوں کی ہوتی ہے۔ یہ واقعہ سینچر کے دن ۲۷ ذی القعدہ ۲۲۶ھ میں طلوع آفتاب کے وقت ہوا۔ بہت سے لوگ طواف کر رہے تھے، یہ پرند زمزم کے چراغ کے قریب آیا، پھر رکن اسود کے پاس گیا پھر کعبہ کی طرف اڑا اور ایک خراسانی حاجی کے کندھے پر بیٹھ گیا۔ وہ حاجی کئی ہفتے خانۂ کعبہ کا طواف کرتا رہا اور روتا رہا، لوگ اس کے قریب آتے، اس پرند کو دیکھتے اور تعجب کرتے، وہ پرند لوگوں سے کسی قسم کی وحشت محسوس نہیں کرتا تھا پھر وہ ایک دن مقام ابراہیمؑ کے پاس جا پڑا، وہاں اسے ایک نوجوان نے پکڑ لیا تو وہ اس طرح چیخا کہ تمام لوگ ڈر گئے، نوجوان نے اسے چھوڑ دیا تو وہ دار الندوہ کی طرف سے نکل کر بھاگ گیا

اسی کتاب میں مذکور ہے کہ یہ گھر ہمیشہ سے کسی وقت بھی طواف کرنے والوں سے خالی نہیں رہا۔ ایک بزرگ سے روایت ہے کہ ایک دوپہر میں سخت لُو چل رہی تھی اور بڑی سخت گرمی تھی۔ میں نے دل میں کہا چلو دیکھو اس وقت کون طواف کر رہا ہے دیکھا تو کوئی بھی نہ تھا۔ میں خانۂ کعبہ کے قریب گیا تو دیکھا کہ ایک سانپ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا ہے۔

اسی کتاب میں ہے کہ جس دن حضرت عبداللہؓ بن زبیر شہید ہوئے، اس دن خانۂ کعبہ میں طواف کرنے والا کوئی بھی نہ تھا، صرف ایک اونٹ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔

کتاب افادۃ الانام مصنفہ عبداللہ الغازی الہندی کی پہلی جلد میں مذکور ہے کہ علامہ قطبی نے ذکر کیا ہے کہ ایک اونٹ والے کا اونٹ بھاگ گیا، اونٹ والا اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ لاد دیتا تھا، یہ اونٹ حرم میں داخل ہوا اور طواف کرنے لگا، لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا مگر کوئی اسے نہ پکڑ سکا حتیٰ کہ اس نے سات پھیرے مکمل کر لیے، پھر وہ حجر اسود کے پاس آیا پھر میزاب کے سامنے آیا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، یہاں وہ زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ لوگوں نے اسے اٹھا کر صفا و مروہ کے درمیان دفن کر دیا۔

افادۃ الانام میں غازی لکھتا ہے:

ابن فہد سے مروی ہے کہ ۵۸۱ھ میں اژدہام کی وجہ سے چونتیس آدمی مرے اور

۸۸۱ھ میں پچیس آدمی مرے۔

۷ ذی الحجہ ۳۱۷ھ میں ابوطاہر القرمطی مکہ آیا اس نے اور اس کے دوستوں نے حرم میں بہت برے برے کام کیے مثلاً ایک تو یہ کہ اس نے کعبہ کا پرنالہ اکھڑوانا چاہا جو سونے کا بنا ہوا تھا چنانچہ اس کا ایک دوست چڑھا تا کہ پرنالے کو اکھاڑ لائے تو اس کے سر میں ایک تیر لگا اور وہیں مر گیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ وہ سر کے بل گرا اور مر گیا۔

تفسیر ابن کثیر میں ''ان الصفار المروۃ من شعائر اللہ'' کی تفسیر کے سلسلہ میں مصنف نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق نے سیرت میں ذکر کیا ہے کہ اساف و نائلہ دو مرد و زن تھے انہوں نے کعبہ کے اندر زنا کیا تو وہ دونوں پتھر کے بن گئے قریش نے انہیں عبرت کے لیے کعبہ کے سامنے گاڑ دیا، جب عرصۂ دراز گزر گیا انہیں صفا و مروہ پر کھڑا کر دیا گیا تو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے والے ان دونوں کو بوسہ دینے لگے۔

امام ازرقی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جب قبیلہ جرہم نے بغاوت کی تو ان میں سے ایک عورت اور ایک مرد خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے۔ وہاں ان دونوں نے زنا کیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس شخص نے اسے بوسہ دیا تھا تو وہ دونوں پتھر کے ہو گئے۔ مرد کا نام اساف بن بغاء اور عورت کا نام نائلہ بن ذئب تھا، لوگوں نے انہیں کعبہ کے اندر سے نکالا اور ایک کو کعبہ کے پاس اور دوسرے کو زمزم کے پاس کھڑا کر دیا تا کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ پھر جو مجسمہ کعبہ کے پاس کھڑا تھا اسے بھی زمزم کے پاس لے آئے یہاں وہ قربانی کیا کرتے اور انہیں قربانی کا خون ملا کرتے جب طواف کرنے والا طواف کرتا تو اساف سے ابتدا کرتا اور اسے بوسہ دیتا اور جب طواف سے فارغ ہوتا تو نائلہ پر طواف ختم کرتا اور اسے بوسہ دیتا، فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے بقیہ بتوں کے ساتھ انہیں بھی توڑ دیا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جب وہ دونوں کعبہ سے نکالے گئے تو عبرت کے لیے ایک کو صفا پر اور دوسرے کو مروہ پر رکھ دیا گیا۔ پھر زمانہ گزرنے پر لوگ انہیں بوسہ دینے لگے پھر پوجنے لگے۔ جب کعبہ کے متولی قصی بن کلاب ہوئے تو انہوں نے ان دونوں کو کعبہ اور زمزم کے پاس لا کر رکھ دیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ دونوں کو زمزم کے پاس لا کر رکھ دیا، کہتے ہیں مرد کا نام اساف بن عمرو تھا اور عورت کا نائلہ بنت سہیل جرہمی تھا۔

غازی نے ابن فہد سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ بروز جمعہ ۲ ذی الحجہ ۸۲۵ھ میں طواف میں کثرت اژدہام کی وجہ سے سات آدمی مر گئے۔

تاریخ کعبہ مصنفہ شیخ حسین باسلامہ میں حجر اسود سے متعلق جو حوادثات ہوئے ان کا ذکر آتا ہے؟ ان میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

۳۶۳ھ میں سخت گرمی اور دوپہر کا وقت تھا۔ کوئی دو تین آدمی طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص گودڑی پہنے آیا۔ وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا، رکن اسود کے قریب آیا، پھاوڑا اس کے ہاتھ میں تھا وہ رکن اسود پر پھاوڑا بجانے لگا جونہی اس نے دوسری بار پھاوڑا اٹھایا تو ایک سکسکی جو یمن کا باشندہ تھا اور طواف کر رہا تھا اس نے اس کے نیزہ مارا اور وہ وہیں گر پڑا، لوگ ادھر ادھر سے جمع ہو گئے اس کی نعش کو مسجد حرام سے باہر نکالا اور آگ لگا دی۔

۹۹۰ھ میں ایک عجمی خنجر بدست آیا اور اس نے حجر اسود پر حملہ کیا، امیر ناصر جاؤش اس وقت موجود تھا اس نے اس عجمی کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا اور وہ مر گیا۔

غازی نے لکھا ہے کہ والی مکہ شریف احمد بن محمد الجازانی کو ایک ترکی نے اس کے بھائی کے اشارے پر قتل کر دیا اور اس کی لاش باہر پھنکوا دی۔ مرد اور عورتیں آتے اور اس کی بری حرکتوں کی بناء پر اسے گالیاں دیتے پھر اس کی لاش بغیر غسل و نماز کے دفن کر دی گئی۔

سب سے بڑا حادثہ قرامطہ کا ہے یہ لوگ ۷ ذی الحجہ ۳۱۷ھ کو مکہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے بڑی بری حرکتیں کیں۔ ابو طاہر قرامطی شراب کے نشہ میں گھوڑے پر سوار خانۂ کعبہ میں داخل ہوا اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اس نے گھوڑے کو سیٹی بجائی۔ گھوڑے نے خانۂ کعبہ کے پاس پیشاب کیا اور بہت سے حاجیوں اور طواف کرنے والوں کو شہید کر دیا۔ علی بن مالویہ بھی طواف کر رہے تھے۔ لوگوں کی گردنیں اتاری جا رہی تھیں اور وہ دیکھ رہے تھے وہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے اور طواف کرتے جاتے تھے:

ترى المحبين صرعىٰ فى ديار همو
كفتية الكهف لايدرون كم لبثوا

(عاشقوں کو ان کے دیار میں پچھاڑا ہوا پاؤ گے۔ جیسے اصحاب کہف کو پتہ نہ تھا کہ وہ کتنے دنوں غار میں رہے)

ابو طاہر نے ایک ہزار سات سو آدمی شہید کیے اور بعض روایتوں میں ہے کہ تیرہ ہزار مرد و زن کو شہید کیا اور چاہ زم زم کو ان سے بھر دیا۔

غازی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ۱۰۸۳ھ میں اسحاق آفندی نے جو امرائے روم سے تھا، حج کرنے کا ارادہ کیا، وہ یہ چاہتا تھا کہ رات کے وقت کعبہ میں داخل ہو۔ چنانچہ عبدالواحد مجاور نے دروازہ کھولنا چاہا مگر تالا نہ کھلا تو لوہار کو بلایا اس کے ہاتھ کانپنے لگے تو شیخ نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

اس نے کہا۔ "آپ سنتے نہیں، دیکھیے اندر سے کوئی زور لگا رہا ہے۔"

شیخ نے دیکھا تو واقعی اندر سے بڑی سختی کے ساتھ رکاوٹ ہو رہی تھی، تو اس نے لوگوں سے کہا۔ "بھائیو! واپس جاؤ کیونکہ اس دروازے کا کھلنا اللہ کے اختیار میں ہے۔"

ملک معظم عبدالعزیز سعود پر ۱۳۵۳ھ میں طواف کرتے ہوئے ایک شخص نے خنجر سے حملہ کرنا چاہا، پولیس کا ایک آدمی اس کی طرف بڑھا اس نے کانسٹیبل کو مار گرایا تو دوسرا پولیس مین بڑھا اور وہ بھی مارا گیا۔ مجرم جلالۃ الملک کے قریب پہنچ چکا تھا کہ ولی عہد نے اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ دور جا کر گر پڑا شاہ کے محافظ نے پستول سے اس کا کام تمام کر دیا تو دوسرا شخص خنجر بکف حملہ آور ہوا۔ ولی عہد کے بازو تک اس کا خنجر پہنچا ہی تھا کہ جلالۃ الملک کے محافظ نے پستول کی گولی سے اسے ہلاک کر دیا۔ ولی عہد کے خنجر سے معمولی سی خراش آئی، پھر ایک تیسرا شخص خنجر بکف نکلا مگر جب اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں ساتھی مارے گئے ہیں تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ فوجیوں نے اس پر گولیاں چلا دیں اور وہ بھی باب ابراہیمؑ کے قریب گر پڑا۔

پھر جلالۃ الملک نے طواف کے پھیرے پورے کیے اور سیدھے منیٰ پہنچے کہیں ایسا نہ ہو کہ حاجیوں کی جانیں محفوظ نہ رہیں خصوصاً اہل یمن کی، کیونکہ یہ مجرم یمنی زیدی تھے۔ اگر جلالۃ الملک اس وقت حکمت و دانائی سے کام نہ لیتے تو ایک بڑا فتنہ کھڑا ہو جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ شاہ ابن سعود کی شخصیت بڑی عجیب ہے، کیونکہ آپ نے اپنی حسن تدبیر سے اتنی بڑی سلطنت قائم کی اور اتنا اچھا انتظام قائم کر رکھا ہے۔

وہ کتبے جو خانۂ کعبہ میں لٹکائے گئے ہم ان کا مختصر بیان کرتے ہیں:

ا۔ معلقات سبع ، یہ جاہلی دور کے سات بڑے شعراء کے قصیدے تھے۔

۲۔ ۷ ھ نبوی میں قریش نے ایک معاہدہ اندرون کعبہ لٹکایا جو بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے بائیکاٹ کے بارے میں تھا۔

۳۔ ہارون الرشید کی دو دستاویزیں لٹکائی گئیں جن میں سے ایک اپنے بیٹے امین کی ولی عہدی کے بارے میں تھی اور دوسری اپنے دوسرے بیٹے مامون الرشید کی ولی عہدی کے بارے میں تھی۔ یہ واقعہ ۱۸۶ھ کا ہے جبکہ ہارون الرشید حج کرنے کے لیے آیا تھا۔ جب امین الرشید کی خلافت قائم ہوئی تو یہ دونوں دستاویزیں بغداد سے منگائی گئیں اور انہیں جلا دیا گیا۔

۴۔ ۲۶۱ھ میں معتمد نے اپنے دونوں لڑکوں کی ولی عہدی کے بارے میں ایک اعلامیہ لٹکایا۔ ۵۔ القائم بامراللہ خلیفۂ عباسی کا استغاثہ بدرگاہ خداوندی میں جبکہ اسے ارسلان فساسیری نے نظر بند کر دیا تھا لٹکایا گیا۔ قائم بامراللہ ابن قادر باللہ ۴۶۷ھ میں مرا۔ اس کی وفات کے بعد یہ استغاثہ اتار دیا گیا۔

خزانۂ کعبہ

جب حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تو کعبہ کی داخلی جانب میں داہنے ہاتھ پر ایک گہرا گڑھا کنویں کی مانند بنایا۔ اس کی گہرائی تین گز تھی۔ اس میں سونا، چاندی، زیورات اور خوشبو وغیرہ ڈالی جاتی تھی۔

اسی گڑھے کو خزانۂ کعبہ کہتے ہیں۔ جب، غبغب اور اخسف بھی اسی کو کہتے ہیں، کعبہ کے مال کو ابرق کہتے تھے۔

جب قریش نے بعثت نبوی سے پانچ سال قبل اس کی تعمیر کی تو اس غار کو بحالہ باقی رکھا اور اس پر ہبل بت کھڑا کر دیا۔ یہ قریش کا سب سے بڑا بت تھا۔ عمرو بن لحی اسے (ہیت) سرزمین جزیرہ سے لایا تھا اور اس گڑھے پر اسے قائم کر دیا تھا۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ اس کی عبادت کرو۔ یہ واقعہ قریشی تعمیر سے قبل کا ہے۔ جب قریش نے تعمیر کی تو اس بت کو حسب دستور اس کے مقام پر رکھ دیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بھی مؤرخ ابن زبیرؓ کی تعمیر میں اس غار کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ نہ حجاج

کی تعمیر میں اس کا ذکر ہے کہ آیا انہوں نے اسے باقی رکھا یا بند کر دیا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ غار عبداللہؓ بن زبیرؓ کی تعمیر کے وقت بند کر دیا گیا۔ حجاج کی تعمیر میں بھی بند رہا اور اب تک ایسا ہی ہے کیونکہ کعبہ کی اندرونی زمین باہر کی زمین سے بلند ہے اور کعبہ کی چوکھٹ کے برابر بلند ہے، اندر حجاج کے دور کا پتھر کا فرش تھا۔ سب سے پہلے سنگ مرمر کا فرش ولید بن عبدالملک نے کرایا۔

جب یہ گڑھا بند کر دیا گیا تو یہ خزانہ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کے گھر منتقل کر دیا گیا۔ اس کے بعد کے ہدیے اسی کے گھر رکھے جانے لگے۔ یہ مسجد حرام کے قریب تھا۔ جسے آج کل باب السلام کہتے ہیں یہی باب بنی شیبہ تھا۔

کتب تاریخ سے ہم نے مندرجہ ذیل باتوں کا انکشاف کیا ہے:

ا۔ جب عبداللہؓ بن زبیرؓ نے تعمیر کعبہ کا ارادہ کیا تو خزانۂ کعبہ کو نکال کر شیبہ بن عثمان کے گھر میں رکھ دیا۔ ۲۔ جب تبت کا ایک راجہ اسلام لایا تو اس نے اپنا وہ بت جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا کعبہ کو بطور ہدیہ بھیج دیا۔ یہ بت خالص سونے کا تھا، جواہر و یاقوت کا تاج اس کے سر پر دھرا تھا اور وہ چاندی کے تخت پر بیٹھا تھا۔ جب یہ سب چیزیں مکہ پہنچیں تو وہاں تین دن تک عام نمائش کے لیے اسے رکھ دیا گیا۔ پھر متولی کعبہ کو دے دیا گیا۔ انہوں نے شیبہ بن عثمان کے گھر میں خزانۂ کعبہ میں ڈال دیا۔ کتاب کے آخر میں ہم اس قصے کو بیان کریں گے۔

۳۔ محمد بن جعفر بن محمد نے کعبہ کے مجاوروں سے پانچ ہزار دینا ادھار لیے تاکہ ابن مقنع کے فتنہ کا قلع قمع کریں، یہ قرض امیر المومنین مامون الرشید نے ادا کیا مجاوروں نے یہ دینار وصول کر کے خزانۂ کعبہ میں داخل کر دیئے۔ ۴۔ بنو عبدالدار بن قصی بن کلاب، دارالندوہ کے مالک تھے اور شیبہ بن عثمان کا گھر دارالندوہ کے برابر تھا۔ خزانۂ کعبہ اسی گھر میں تھا۔

الغرض خزانۂ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے کعبہ کے غار میں تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے اسے بند کر دیا اور خزانہ کو شیبہ بن عثمان کے گھر منتقل کر دیا۔ لہٰذا خزانۂ کعبہ کے تحفے وہیں محفوظ کیے جانے لگے۔

آج کل کعبہ کا نہ کوئی خزانہ ہے نہ مال۔ صرف وہ ہدیے جو اس کی چھت سے متعلق ہیں باقی ہیں، ایک طویل مدت سے ہم نے یہ بھی نہیں سنا کہ کسی نے خزانۂ کعبہ کو کوئی ہدیہ بھیجا

ہو۔ ہمارے خیال میں سب سے آخری ہدیہ ۱۰۹۴ھ میں آیا تھا یہ پانچ قندیل تھے جو چھت میں معلق کر دیئے گئے۔

کعبہ اور مسجد حرام

امیر الشعراء احمد مشوقی بک المتوفی ۱۳۵۱ھ میں اپنی کتاب اسواق الذہب میں خانہ کعبہ اور مسجد حرام کی توصیف میں رقم طراز ہیں:

عظیم القدر صحن، منزل مسافرین وغرباء وامراء، حرم الٰہی، بیت عتیق، قبلۂ عالم وکعبۂ مومنین، جس کی طرف تمام مساجد عالم دیکھ رہی ہیں اور دور دور سے لوگ یہاں حج کرنے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقدس گھر کی بنیاد مکہ شریف میں رکھی جو ایک وادئ غیر ذی زرع تھی، اللہ نے اسے ہمیشہ شرور وفتن سے محفوظ رکھا۔

اگر اللہ چاہتا تو اپنا گھر مصر میں دریائے نیل کے کنارے بنا دیتا۔ جہاں کا ہر قطعہ ایک باغ ہے اور اگر چاہتا تو بیت اللہ شام میں بنا دیتا جہاں جاری نہریں، دراز سائے، سرسبز ٹیلے، شاداب شاخیں اور پھلوں کے گچھے ہیں اور اگر وہ چاہتا تو خانۂ کعبہ کی بنیاد ایسے شہروں میں رکھتا جہاں بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں اور جہاں بڑے بڑے قلعے اور محلات ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نیام القریٰ کی طرف دیکھا تو اس میں خشوع وخضوع پایا جو ایمان کے شایان شان ہے اور سکون وخلوت کے لیے موزوں ہے لہٰذا حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ اس وادی میں واحدانیت کی تعمیر کریں۔

یہ وہ بنیاد ہے جو طاقت اور ضعف، بڑھاپے اور جوانی اور ابوت ونبوت کی جامع ہے کہ ابراہیمؑ واسماعیلؑ دونوں مل کر جد وجہد کر رہے تھے، دیکھو باطل کی کیسی کیسی مضبوط بنیادیں ٹوٹ گئیں مگر توحید کی اینٹوں نے زمانے کو فنا کر دیا اور وہ اسی طرح باقی ہیں۔

اس گھر کے پردے جلال خداوندی سے بنائے گئے تھے اس کی دیواریں حقانیت سے تعمیر ہوئی تھیں اس کے معمار انبیاء تھے اور اس گھر کا محافظ اللہ ہے۔

اس مقدس گھر کی روشنی تمام مکہ میں پھیل گئی اور مکہ ایک ایسی روشنی سے جگمگا اٹھا جو نور شمس وقمر سے بھی زیادہ تیز اور روشن تھی جہاں وہ جلالت ونظافت ہے جو آج تک کسی گھر کو میسر نہیں آ

سکی۔ بے عقل کہتے ہیں ''کاش خانۂ کعبہ سونے یا چاندی کا ہوتا یا ایسا عظیم الشان ہوتا جیسے یورپ کے گرجا گھر۔

''میں کہتا ہوں، ارے بے وقوفو! اگر کعبہ اس کی ابتدائی شان پر تحویل کر دیا جائے کہ نہ اس میں جھاڑ، فانوس ہوں نہ کہیں سونا چاندی لگا ہو تو بھی وہ اس سادگی کے ساتھ اور زیادہ معظم ومشرف اور روحانی سے بھرپور معلوم ہوگا۔''

قرآن کریم میں مقام ابراہیمؑ

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں سے رجوع کرنے کی جگہ اور جائے امن ٹھہرایا۔ مقام ابراہیمؑ کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔ ہم نے ابراہیمؑ واسماعیلؑ سے عہد کیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں، عبادت گزاروں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک کرو۔'' (سورۃ نمبر۲۔ آیت نمبر۱۲۴)

''جب ابراہیمؑ نے کہا، اے پروردگار! اس شہر کو امن کی جگہ بنا دے اور جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اسے پھلوں سے رزق دے۔'' اللہ نے کہا: ''جو کفر کرے گا میں اسے کم فائدہ پہنچاؤں گا پھر اسے آگ کا عذاب دوں گا اور وہ برا ٹھکانا ہے۔'' (سورۃ نمبر۲۔ آیت نمبر۱۲۴)

جب ابراہیمؑ واسماعیلؑ گھر کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے تو انہوں نے کہا ''اے پروردگار! ہم سے قبول فرما تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔'' (سورۃ نمبر۲۔ آیت نمبر۱۲۷)

''اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا تابع فرمان بنا دے اور ہم میں سے ایک امت اٹھا، ہمیں اپنی نشانیاں دکھا اور ہماری توبہ کو قبول کر، تو توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔'' (سورۃ نمبر۲۔ آیت نمبر۱۲۸)

''اے ہمارے پروردگار! ان میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاکیزہ کر، بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔'' (سورۃ نمبر۲۔ آیت نمبر۱۲۹)

سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے:

"مکہ میں جو پہلا گھر مقرر کیا گیا وہ برکت والا ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔" (سورۃ نمبر۳۔آیت نمبر۹۶)

"اس میں واضح نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیمؑ ہے جو اس میں داخل ہو گیا وہ بے خوف ہے۔لوگوں پر خانۂ کعبہ کا حج فرض ہے بشرطیکہ راہ کی طاقت رکھتے ہوں جو کوئی کفر کرے جان لو کہ اللہ جہان والوں سے بے پرواہ ہے۔" (سورۃ نمبر۳۔آیت نمبر۹۷)

اللہ تعالیٰ سورۂ ابراہیمؑ میں فرماتے ہیں:

"یاد کرو جب ابراہیمؑ نے کہا،اے پروردگار!اس شہر کو امن کی جگہ بنادے اور مجھے اور میرے فرزند کو بتوں کی پوجا سے بچا۔" (سورۃ نمبر۱۴۔آیت نمبر۳۵)

"اے پروردگار!ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا ہے،جو میری اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہے اور جو نافرمانی کرے گا تو بے شک بخشنے والا،رحم کرنے والا ہے۔" (سورۃ نمبر ۱۴۔آیت نمبر۳۶)

"اے رب!میں نے اپنی اولاد کو ایک بنجر زمین میں تیرے گھر کے پاس اتار دیا ہے،تا کہ وہ نماز پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں سے رزق دے تا کہ وہ شکر ادا کریں۔" (سورۃ نمبر۱۴۔آیت نمبر۳۷)

"اے پروردگار!تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں،اللہ پر کوئی بھی چیز زمین و آسمان کی پوشیدہ نہیں ہے۔" (سورۃ نمبر۱۴۔آیت نمبر۳۸)

"اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیلؑ و اسحٰقؑ بخشے،بے شک میرا پروردگار دعا سننے والا ہے۔" (سورۃ نمبر۱۴۔آیت نمبر۴۰)

"اے میرے پروردگار!مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا کر دے اے ہمارے پروردگار!دعا کو قبول فرما۔" (سورۃ نمبر۱۴۔آیت نمبر۴۱)

"اے رب!جس دن حساب ہو!مجھے اور میرے والدین اور سب ایمان والوں کو بخش دے۔" (سورۃ نمبر۲۲۔آیت نمبر۲۵)

سورۂ حج میں فرمایا ہے:

"بے شک جن لوگوں نے کفر کیا،اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکا جسے ہم نے لوگوں کے لیے بنایا ہے جہاں مقیم و مسافر سب برابر ہیں اور جو کوئی وہاں ظلم کی بناء پر الحاد کرے گا،ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔" (سورۃ نمبر۲۲۔آیت نمبر۲۶)

"یاد کرو جب ہم نے ابراہیمؑ کو خانۂ کعبہ میں ٹھکانا دیا اور کہا کہ کسی کو میرے ساتھ شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں،قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک کرنا۔" (سورۃ نمبر۲۲۔آیت نمبر۲۷)

"اور لوگوں سے کہہ کہ وہ حج کے لیے آئیں،لوگ تیرے پاس پیادہ پا اور دبلے اونٹوں پر ہر وسیع راہ سے آئیں گے۔" (سورۃ نمبر۲۲۔آیت نمبر۲۷)

"تا کہ وہ اپنے منافع کو دیکھیں اور اللہ کو خاص خاص دنوں میں یاد کریں کہ انہیں جانوروں سے رزق دیا،لہٰذا ان سے کھاؤ اور تنگ دست فقیر کو کھلاؤ۔" (سورۃ نمبر۲۲۔آیت نمبر۲۸)

"پھر چاہیے کہ وہ اپنے میل کو صاف کریں،اپنی نذروں کو پورا کریں اور پرانے گھر کا طواف کریں۔" (سورۃ نمبر۲۲۔آیت نمبر۲۹)

"جو کوئی اللہ کی ناموس کا لحاظ رکھے گا،وہ اس کے لیے پروردگار کے ہاں بہتر ہے،تمہارے لیے چوپائے حلال کیے گئے ہیں مگر جن کی حرمت تمہیں بتا دی گئی ہے،بتوں کی ناپاکیوں اور جھوٹی بات سے بچو۔" (سورۃ نمبر۲۲۔آیت نمبر۳۰)

"وہ اللہ کے مخلص ہوں کسی کو اس کے ساتھ شریک کرنے والے نہ ہوں۔جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے،وہ گویا آسمان سے گرا تو اسے پرندوں نے اچک لیا یا ہوا اسے کسی دور مقام پر لے گئی۔" (سورۃ نمبر۲۲۔آیت نمبر۳۱)

"جو اللہ کے ارکان کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دل کی پرہیزگاری سے ہے۔" (سورۃ نمبر ۲۲۔آیت نمبر۳۲)

"تمہارے لیے ان میں ایک خاص مدت کے لیے منافع ہیں،پھر ان کا پرانے گھر کی طرف جانا ہے۔" (سورۃ نمبر۲۲۔آیت نمبر۳۳)

جانب مکہ

حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سارہ کے پاس ایک قبطی مصری باندی ہاجرہ تھی جو مذکورہ ظالم بادشاہ نے بطور ہدیہ آپ کو دی تھی۔ آپ نے یہ باندی حضرت ابراہیمؑ کو بخش دی تو اس سے اسماعیل پیدا ہوئے، یہ آپؑ کے پہلے بچے تھے۔ سارہؑ کو بڑی غیرت آئی کیونکہ اس وقت تک ان کے کوئی بچہ پیدا نہ ہوا تھا، انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو قسم دلائی کہ ان دونوں کو یہاں سے نکال دیں، حکم الٰہی ہوا کہ مکہ کی طرف لے جاؤ، آپؑ ہاجرہ اور اسماعیل کو لے کر روانہ ہوگئے اور اس مقام پر پہنچے جہاں اب مکہ واقع ہے، یہاں نہ کوئی عمارت تھی، نہ پانی تھا اور نہ کوئی یہاں رہتا تھا۔ یہاں تو ببول وغیرہ کی جھاڑیاں تھیں، آپؑ نے دونوں کو بیت اللہ کے پاس بٹھا دیا اور ایک مشکیزہ کھجوروں کا اور ایک مشکیزہ پانی کا پاس رکھ دیا، پھر آپؑ شام کی طرف واپس چلے آئے۔

ہاجرہ پیچھے پیچھے دوڑیں اور کہنے لگیں۔ ''آپؑ کہاں جا رہے ہیں اور ہمیں یہاں کس پر چھوڑے جا رہے ہیں؟''

آپؑ نے اشارہ فرمایا ''اللہ پر۔''

انہوں نے دریافت کیا۔ ''کیا اللہ نے آپؑ کو اس بات کا حکم دیا ہے؟''

اشارہ فرمایا۔ ''ہاں''

تو وہ بولیں۔ ''وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا اور واپس لوٹ آئیں۔'' ابراہیمؑ آگے بڑھے، پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے:

''اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو ایک بنجر وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس چھوڑ دیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں، لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھل عطا فرما تاکہ وہ شکر ادا کریں۔''

حضرت اسماعیلؑ کی والدہ چاہ زم زم کے قریب ایک بڑے سے درخت کے نیچے بیٹھ گئیں، جب کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا تو انہیں اور ان کے بچے کو سخت پیاس لگی وہ دوڑیں کہ کہیں بچہ مر نہ جائے لہٰذا صفا و مروہ کے درمیان سات بار دوڑیں کہ شاید کوئی نظر آ جائے مگر کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ اس لئے حج میں صفا و مروہ کے درمیان سات بار دوڑنا واجب ٹھہرا۔

ایک دفعہ جب وہ لوٹیں تو اسماعیل کے پاؤں کے نیچے چشمہ جاری پایا تو وہ کہنے لگیں۔ ''زمیّ۔ زمیّ'' (ٹھہر جا۔ ٹھہر جا)

حدیث میں ہے ''اللہ اسماعیل کی ماں پر رحم کرے اگر وہ زم زم کو ایسے ہی چھوڑ دیتیں تو جاری چشمہ ہو جاتا۔''

ایک دفعہ جرہم کے کچھ لوگ ادھر سے گزرے انہوں نے ہاجرہؑ سے قیام کی اجازت چاہی، کہنے لگے:

''ہمیں اپنے پانی میں شریک کر لے ہم تجھے اپنے دودھ میں شریک کر لیں گے۔''

ہاجرہؑ نے اجازت دے دی، باقی لوگوں کو بھی انہوں نے بلا لیا۔ اسماعیلؑ نے ان لوگوں سے عربی سیکھی، وہ ان کے ساتھ شکار کے لیے جایا کرتے تھے لہٰذا لوگ آپ سے محبت کرنے لگے اور اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دے دی۔ شادی کے بعد ہاجرہؑ کا انتقال ہو گیا اور وہ حجر میں دفن کر دی گئیں (یہ واقعہ بنائے کعبہ سے پہلے کا ہے)

پھر ابراہیمؑ شام سے آئے کہ آل اولاد کی خبر گیری کریں۔ مکہ پہنچے تو حضرت اسماعیلؑ کی بیوی کو پایا، آپؑ نے ان سے اسماعیلؑ کے بارے میں دریافت کیا۔

وہ بولی۔ ''یہاں نہیں ہیں۔'' اس نے حضرت ابراہیمؑ کی کچھ خاطر مدارات بھی نہ کی اور کہنے لگی ''ہم سخت تکلیف میں ہیں۔''

آپؑ نے اس سے کہا۔ ''اسماعیلؑ آئے تو کہنا اس وضع قطع کا ایک بوڑھا آیا تھا سلام کہہ گیا ہے اور کہہ گیا ہے کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دے۔''

اسماعیلؑ آئے تو اس نے پیغام پہنچا دیا۔

وہ بولے۔ ''میرے گھر کی چوکھٹ تو ہی ہے جا اپنے گھر چلی جا۔''

آپؑ نے ایک اور عورت سے شادی کر لی۔ حضرت ابراہیمؑ پھر مکہ آئے، اسماعیلؑ موجود نہ تھے اور آپؑ کی دوسری بیوی موجود تھی۔ ابراہیمؑ نے اس سے دریافت کیا۔ ''اسماعیلؑ کہاں ہیں؟''

وہ بولیں۔ ''شکار کے لیے گئے ہیں آتے ہی ہوں گے آپ ٹھہریے۔''

مگر آپؑ نہ اترے۔ اس نے بہت خاطر کی، ابراہیمؑ نے کہا۔ ''اسماعیلؑ سے کہنا تیرے

گھر کی چوکھٹ اچھی ہے اسے باقی رکھنا۔"

اسماعیلؑ واپس آئے تو بیوی کے بتانے کے جواب میں کہا۔" وہ میرے باپ تھے اور تو میرے گھر کی چوکھٹ ہے، مجھے حکم دے گئے ہیں کہ تجھے باقی رکھوں۔"

سوانح حیات حضرت ابراہیمؑ

ہم آپؑ کی ولادت، وفات، ہجرت اور دیگر امور کو بطور تبرک اور عبرت کے ذکر کرتے ہیں تاکہ اہل عقل کے لیے سامان تفکر وتدبر ہو۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں۔" **ابراھیم علیه السلام تسارخ بن ناحور بن ساروغ بن راعوبن فالغ بن عاجز بن شالح بن ارفخشذ بن سام بن نوح** ہیں، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ کے باپ کا نام تارخ یا تارح تھا، ابن جریر نے لکھا ہے" صحیح یہ ہے کہ آپ کے باپ کا نام آذر تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دو نام تھے ایک اصلی نام ہوگا اور ایک لقب۔" ابن کثیر کہتا ہے" ابن جریر نے جو کچھ لکھا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، اور اللہ زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔"

حضرت ابراہیمؑ کی کنیت ابوالضیفان تھی، کہتے ہیں کہ آپ خطۂ دمشق کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے جس کا نام برزن تھا جو جبل قاسیون پر آباد تھا، صحیح یہ ہے کہ آپ کلدانیوں کی سرزمین بابل میں پیدا ہوئے اور برزہ کا نام اس لیے لیا جاتا ہے کہ آپ وہاں تشریف لے گئے تھے اور وہاں نماز پڑھی تھی کیونکہ آپ اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کی مدد کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

سارہؓ سے شادی کے بعد انہیں اور اپنے بھتیجے لوط بن ہازن بن آذر کو لے کر بابل سے روانہ ہوئے اور کنعان کی سرزمین پر پہنچے جو کہ بیت المقدس کے قریب ہے جسے بلاد تیمن بھی کہتے ہیں، وہاں آپ نے سرزمین شام میں حران میں قیام کیا، یہاں کے باشندے بتوں اور سبعہ سیاروں کو پوجتے تھے، سوائے ابراہیمؑ، لوطؑ اور سارہؓ کے اس سرزمین کے تمام باشندے کافر تھے۔ وہاں قحط پڑا تو آپ وہاں سے روانہ ہوکر مصر پہنچے۔ یہاں مصر کا ایک ظالم بادشاہ مقیم تھا۔ اسے اطلاع ملی کہ ایک شخص بڑی حسین بیوی والا آیا ہے۔ اس نے آپ کو بلا بھیجا اور سارہ کو مانگا۔

آپ نے فرمایا۔" وہ میری بہن ہے۔"

اس نے کہا۔" کوئی بات نہیں اسے ہمارے پاس بھیج دو، آپ نے سارہ کو اس کے پاس بھیج دیا اور ان سے کہا۔

" میری بات کو نہ جھٹلانا یہی کہنا کہ میں ابراہیمؑ کی بہن ہوں، دنیا میں ہم تم ہی مسلمان ہیں، لہٰذا بھائی بہن ہیں۔

جب آپ وہاں گئیں تو وضو کر کے نماز پڑھنے لگیں اور دعا کرنے لگیں،" اے اللہ! میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان رکھتی ہوں، پاک دامن ہوں، اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ کر۔"

لہٰذا وہ مرگی والے مریض کی طرح تڑپنے لگا تو بولا۔" میرے لیے دعا کر میں تجھے کچھ نہ کہوں گا۔"

انہوں نے دعا کی وہ اچھا ہوگیا تو وہ پھر آپ کی طرف بڑھا، پھر انہوں نے دعا کی، پھر اس کی وہی حالت ہوگئی۔ پھر اس نے دعا کی التجا کی، آپ نے دعا کی وہ اچھا ہوگیا پھر تیسری بار اس نے زیادہ گرفت کی تو آپ نے بددعا کی، پھر وہی حالت ہوگئی۔

اس نے معافی چاہی، خادم کو بلایا اور کہا۔" تم لوگوں نے میرے پاس شیطان کو بھیج دیا ہے، جاؤ اسے ابراہیمؑ کے سپرد کر آؤ اور ہاجرہ انعام میں دو۔"

آپ حضرت ابراہیمؑ کے پاس گئیں تو کہا۔" مجھے اللہ نے ظالم کے مکر سے بچا دیا اور ہاجرہ خدمت کے لیے دی۔"

ابراہیمؑ اس وقت اللہ سے دعا کر رہے تھے کہ ان کی بیوی کو فاجر جبار بادشاہ سے بچائے چنانچہ اللہ نے انہیں محفوظ رکھا اور حضرت ابراہیمؑ کو کشف عطا کیا کہ آپؑ وہ سب حالات دیکھ رہے تھے تاکہ آپؑ کا دل مطمئن رہے۔ (بحوالہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، کتاب الفضائل)

بعد ازاں ابراہیمؑ ارض مقدس کی طرف چلے آئے۔ جہاں آپؑ کو چوپائے غلام اور بہت سا مال ملا۔ ہاجرہ آپؑ کے ساتھ تھی۔ آپؑ کے بیوی سارہ بانجھ تھیں لہٰذا ان کے کوئی بچہ نہ تھا۔ انہوں نے ابراہیمؑ سے کہا۔" مجھے اللہ نے اولاد سے محروم رکھا ہے آپؑ میری اس باندی سے تعلق قائم کیجیے، شاید آپ کے کوئی اولاد ہو جائے۔" آپ نے ہاجرہ ان کو بخش دی، وہ حاملہ ہوئیں اور اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر چھیاسی سال تھی، یہ واقعہ حضرت اسحاق کی

پیدائش سے تیرہ سال پہلے کا ہے، جب اسماعیل پیدا ہوئے تو اللہ نے وحی نازل کی جس میں حضرت اسحاق کی پیدائش کی بشارت تھی، یہ سن کر آپ سجدے میں گر پڑے۔

جب اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو سارہ کو غیرت آئی لہٰذا ابراہیمؑ سے مطالبہ کیا کہ ہاجرہ کو میرے سامنے سے کہیں لے جایئے، چنانچہ آپؑ انہیں اور ان کے دودھ پیتے بچے اسماعیلؑ کو مکہ کی طرف لے گئے، اللہ کا یہی حکم تھا۔

حضرت ابراہیمؑ تین بڑی آزمائشوں میں گرفتار ہوئے:

۱۔اس ظالم کافر بادشاہ نے آپ کی بیوی سارہ کو غصب کرنا چاہا اور اللہ نے انہیں محفوظ رکھا، آپ پاک، صاف، کامران واپس آئیں، آپ کو سارہ سے بڑی محبت تھی کیونکہ وہ بہت دین دار قریبی رشتہ دار اور حسین وجمیل تھیں۔

۲۔اللہ نے آپ کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا۔آپؑ نے حکم خداوندی کے آگے سر جھکا دیا اور آپ کے بیٹے نے بھی، جب وہ ذبیحہ کی طرح لیٹ گئے اور انہوں نے چھری چلائی تو نہ چلی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک سپید عمدہ مینڈھا عطا کیا وہ جنت سے اتارا گیا تھا اور شبیر پہاڑ پر نازل کیا گیا تھا۔یہ پہاڑ مکہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے جو جانے والے کے داہنے ہاتھ پر آتا ہے۔آپؑ نے اسے منیٰ میں ذبح کر دیا۔اس عظیم آزمائش کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن حکیم میں ہے۔

۳۔آپؑ کو آگ میں جھونک دیا گیا کیونکہ بابل کے بت پرستوں سے آپ نے مناظرہ کیا تھا، آپ کا مناظرہ عقل و دانش پر مبنی تھا، آپؑ فتح یاب ہوئے تو وہ قائل ہو گئے اور کہنے لگے ''ہم ظالم ہیں'' مگر پھر بدل گئے اور کہنے لگے ''ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان کی عبادت کرتے دیکھا ہے۔'' پھر انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ آپ کو آگ میں جھونک دیا جائے۔آگ آپؑ پر ٹھنڈی ہو گئی اور آپؑ کے لیے سلامتی جان بن گئی کہ اس نے ذرا بھی زک نہ پہنچایا، آپؑ آگ میں بڑے آرام سے رہے۔یہ واقعہ بھی قرآن میں تفصیل کے ساتھ آتا ہے۔

اسی طرح آپؑ سے بہت سی عجیب عجیب باتیں صادر ہوئیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔آپؑ نے نمرود کے ساتھ مناظرہ کیا۔یہ واقعہ کلام پاک میں آتا ہے فرماتے ہیں: ''کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنے پروردگار کے بارے میں ابراہیمؑ سے دلیل بازی کی تھی اس بناء پر کہ اللہ نے اسے بادشاہ بنا دیا تھا۔جب ابراہیمؑ نے کہا۔''میرا پروردگار وہ ہے جو مارتا اور جلاتا ہے (آخر آیت تک)

۲۔اللہ تعالیٰ سے آپؑ نے مطالبہ کیا کہ مجھے دکھا کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے، فرمایا، کیا تو ایمان نہیں لایا؟

عرض کی ''کیوں نہیں'' مگر صرف اطمینان قلب کے لیے دیکھنا چاہتا ہوں اللہ نے فرمایا۔''چار پرندے لے لے۔'' (آخر آیت تک)

۳۔سب سے پہلے آپؑ نے مکہ کو آباد کیا، اپنی اولاد کو وہاں بسایا اور کعبہ کی تعمیر کی، اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی صراحت سے ذکر کیا ہے۔

۴۔''جب ہم نے ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ کے پاس ٹھکانا دیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک کرنا اور لوگوں کو حج کی دعوت دینا وہ آئیں گے پیادہ پا اور دبلی اونٹنیوں پر جو آئیں گی ہر وسیع راہ سے۔'' (آخر آیت تک)

آپؑ کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔بعض مؤرخین نے ایک سو پچھتر سال عمر بتائی ہے۔بعض نے نوے اور بعض نے دو سو سال۔اسماعیلؑ و اسحاقؑ نے آپؑ کو دفن کیا اور حضرت سارہ کے پاس دفن ہوئے۔سارہ کی وفات ''حبرون'' گاؤں میں ہوئی تھی جو آج کل الخلیل کے نام سے مشہور ہے۔کہتے ہیں ان کی عمر ایک سو ستائیس سال کی ہوئی۔ابراہیمؑ کو آپ کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔آپؑ نے بنوحیث کے ایک شخص سے جس کا نام عقرون بن صخر تھا چار سو مثقال میں ایک زمین خریدی اور وہاں انہیں دفن کر دیا، اس زمین کا نام مغارہ تھا۔

آپ کی قبر آپؑ کی بیوی سارہ کی قبر، آپؑ کے بیٹے اسحاقؑ کی اور آپؑ کے پوتے یعقوبؑ کی قبر اس مربع میں ہے جو سلیمانؑ بن داؤدؑ نے بنایا تھا اور جو بالاتفاق حبرون میں واقع ہے۔رہی یہ بات کہ ان قبروں میں فلاں قبر آپؑ کی ہے سو اس کے بارے میں یقینی اطلاع کوئی نہیں ہے، بہر حال اس مقام کا احترام کرنا ضروری ہے۔وہاں جوتوں سے نہیں چلنا چاہیے۔ہو

سکتا ہے آپ کی یا آپ کی اولاد میں سے کسی اور نبی کی قبر وہاں ہو۔(بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

کہتے ہیں کہ یوسفؑ بن یعقوبؑ بھی وہاں دفن ہیں۔ بہت سے محققین علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ان کی قبریں اس احاطہ میں ہیں جو حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ نے مسجد خلیل کے درمیان بنایا تھا۔ رہے اسماعیلؑ ان کی قبر حجر میں ہے اس کا بیان آگے آئے گا۔

ابراہیمؑ ہمارے نبی ﷺ کے مشابہ تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپؑ نے سب سے پہلے میزبانی کی، سب سے پہلے بڑھاپا دیکھا، سب سے پہلے اپنی مونچھیں کتروائیں۔ سب سے پہلے ختنہ کیں، سب سے پہلے موئے زیر ناف تراشے اور سب سے پہلے پاجامہ پہنا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے۔ ''اسلام کے تیس حصہ ہیں، اس دین کو سب سے پہلے ابراہیمؑ نے قائم کیا۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''یاد کرو ابراہیمؑ کو جس نے وفا کی اور آپ کے لیے اللہ نے آگ سے برائت لکھ دی۔''

حضرت ابن عباسؓ سے اللہ کے اس قول کے بارے میں روایت ہے (واذ ابتلی ابراہیم ربہ بکلمات، جب اللہ نے ابراہیمؑ کو چند کلمات سے آزمایا) کہ اللہ نے آپؑ کو پاکیزگی کے بارے میں آزمایا، پانچ باتیں سر کے بارے میں ہیں اور پانچ جسم کے بارے میں، سر کے بارے میں یہ ہیں۔(۱) مونچھوں کا کتروانا۔(۲) غرارہ کرنا۔(۳) ناک میں پانی دینا۔(۴) مسواک کرنا۔(۵) مانگ نکالنا۔

جسم کے بارے میں یہ ہیں۔(۱) ناخنوں کا کتروانا۔(۲) موئے زیر ناف کا مونڈنا۔(۳) ختنہ کرانا۔(۴) بغلوں کے بال صاف کرنا۔(۵) پاخانہ اور پیشاب کے مقام کو پانی سے دھونا۔(تاریخ طبری)

ابراہیمؑ اکثر پیغمبروں کے دادا ہیں۔ ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔ ''جو نبی بھی آپؑ کے بعد بھیجا گیا وہ آپؑ کی اولاد سے تھا اور جو کتاب بھی کسی نبی پر آسمان سے اتری تو آپؑ کی کسی نہ کسی اولاد پر اتری، یہ آپ کے لیے اللہ کی طرف سے خلعت و کرامت ہے۔''

بعض علماء کہتے ہیں ''جو انبیاء ابراہیمؑ کی نسل سے نہیں ہیں، وہ صرف آٹھ ہیں۔ شیخ حبیب اللہ الشنقیطی نے جو قصیدہ آپ کی تعریف میں لکھا ہے، اس میں ان لوگوں کے نام دیئے ہیں وہ یہ ہیں:

آدم، شیث، ادریس، نوح، ہود، یونس، لوط اور صالح علیہم السلام۔

عمود النسب کے مصنف نے بھی ان ہی ناموں کا ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ یونسؑ آپ کی اولاد سے تھے۔ واللہ اعلم۔

پروفیسر محمد حسنی عبدالحمید اپنی کتاب ابراہیم الخلیل ابوالانبیاء میں لکھتے ہیں۔

(دیکھو بیان صحف ابراہیم ص ۱۵۲۔۱۵۳)

ابراہیمؑ کے صحیفے کہاوتوں پر مشتمل تھے۔

ثعلبی نے ابو ادریس خولانی سے روایت کی ہے وہ حضرت ابوذر الغفاری سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ''کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں اتاریں؟''

فرمایا۔ ''ایک سو چار۔ آدمؑ پر دس صحیفے، ابراہیمؑ پر دس، شیثؑ پر پچاس، ادریسؑ پر تیس اور اتاریں اللہ نے توریت، انجیل، زبور اور قرآن مجید۔''

ابوذرؓ کہتے ہیں۔ ''میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ، ابراہیمؑ کے صحیفے کیسے تھے؟''

فرمایا۔ ''کہاوتیں تھیں۔''

راویوں نے ان کہاوتوں میں سے صرف دو ذکر کی ہیں دو سے زیادہ نہیں ملتیں میرے خیال میں دنیا کے کسی بھی مصنف نے ان تمام کہاوتوں کو کہیں ذکر نہیں کیا۔ وہ دو کہاوتیں یہ ہیں:

۱۔ ''اے مغرور بادشاہ! میں نے تجھے اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تو بعض کو بعض کے ساتھ جمع کرے، میں نے تو تجھے اس لیے بھیجا تھا کہ تو مظلوم کی پکار کو سنے کیونکہ میں مظلوم کی پکار کو لوٹاتا نہیں اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔''

۲۔ ''ایک عاقل پر، اگر اس کی عقل بالکل صحیح ہے، لازم ہے کہ وہ ایک گھڑی اپنے پروردگار سے مناجات کرے اور اس کی صنعت میں غور و فکر کرے، ایک گھڑی اپنے نفس سے اگلے اور پچھلے کاموں میں محاسبہ کرے اور ایک گھڑی اپنی ضروریات کے پورا کرنے میں صرف کرے مگر حلال سے نہ کہ حرام سے، اپنے کھانے پینے وغیرہ میں حرام سے بچے۔ عاقل کو چاہیے کہ وہ اپنے زمانے پر نظر رکھے، اپنی حالت کی طرف متوجہ رہے اور اپنی زبان کی حفاظت کرے جسے اس بات کا یقین ہوگیا کہ اس کی گفتگو اس کے عمل میں داخل ہے تو وہ بیہودہ باتوں

میں نہیں پڑے گا۔"

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے،فرمایا،میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔"اے ابوذر! مسجد کے لیے بھی سلام ہے۔"

تو میں نے عرض کیا"یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ پر بھی اللہ نے کوئی ایسی چیز اتاری ہے جو ابراہیمؑ کے صحیفوں میں سے ہو اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں سے ہو؟"

آپ ﷺ نے فرمایا۔"ابوذر! پڑھ:"

قد افلح من تزکیٰ وذکراسم ربہٖ فصلیٰ بل توثرون الحیٰوۃ الدنیا وَالأخرۃ خیر وابقیٰ طٰ ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابرٰھیم وموسیٰo

(پ۳۰۔س اعلیٰ)

ترجمہ: فلاح پا گیا جس نے پاکی اختیار کی، اپنے پروردگار کو یاد کیا اور نماز پڑھی بلکہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔بے شک یہ بات صحیفوں میں ہے، یعنی ابراہیم وموسیٰ علیہا السلام کے صحیفوں میں۔

میں نے عرض کیا۔"یارسول اللہ ﷺ موسیٰؑ کے صحیفے کیسے تھے؟ فرمایا۔"سب عبرتوں پر مشتمل تھے۔"

"مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس نے موت کا یقین کرلیا ہے کہ کیسے خوش ہوتا ہے؟ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو جہنم پر ایمان رکھتا ہے کہ کیسے ہنستا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا اور اس کے انقلابات کو دیکھتا ہے کہ کیسے مطمئن بیٹھا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے کہ کیسے کھڑا ہو جاتا ہے (کام کے لیے) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو حساب کتاب پر یقین رکھتا ہے اور پھر عمل نہیں کرتا۔"

بہرحال اس میں شک نہیں کہ ابراہیمؑ کے صحیفے ایک تاریخی دولت ہیں جس پر مؤرخین اطلاع نہیں پا سکے اور اگر وہ کہیں ان سب سے واقف ہو جاتے تو قدیم اسلامی تاریخوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں جو دشواریاں پیدا ہو رہی ہیں وہ نہ ہوتیں۔

پروفیسر محمد حسنی عبدالحمید لکھتے ہیں:

"الخلیل کا نام پہلے زمانے میں حبرون تھا تقریباً اس امر پر اتفاق ہے کہ آپ الخلیل کے

حرم کے نیچے آرام فرما رہے ہیں۔"

حرم کا نام مغارہ تھا۔یہیں اسحاقؑ ،یعقوبؑ اور سارہ سوتے ہیں۔کعب الاحبار سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔"سب سے پہلے جو حبرون میں مرا اور دفن ہوا وہ سارہ تھیں،صورت یہ ہوئی کہ جب سارہ کا انتقال ہو گیا تو ابراہیمؑ قبر کے لیے زمین کی تلاش میں نکلے۔آپ یہ چاہتے تھے کہ آپ کی قبر حبریٰ کے پاس ہو۔لہٰذا آپ عفرون کے پاس گئے۔یہ شخص زمین کا مالک تھا اور حبریٰ میں رہتا تھا۔

اس سے حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔"مجھے کچھ زمین بیچ دے کہ میں وہاں اپنے خاندان والوں کو دفن کر سکوں۔"

عفرون بولا۔"آپ جہاں چاہیں دفن کر دیجئے میری طرف سے آپ کو اجازت ہے۔"

ابراہیمؑ بولے۔"مگر میں مفت نہیں لوں گا۔"

وہ بولا۔"اے نیک بوڑھے! جہاں چاہے دفن کر لے۔"

مگر آپؑ نہ مانے اور مغارہ کا اس سے مطالبہ کیا۔

اس نے کہا۔"اچھا میں وہ زمین چار ہزار درہم میں بیچتا ہوں، ہر درہم پانچ درہم کے برابر ہو اور ہر ایک پر کسی بادشاہ کی مہر ہو۔" اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ اتنا روپیہ لا نہ سکیں گے۔آپؑ چلے آئے۔جبریلؑ آئے اور کہا۔

"یہ روپیہ دے دو۔"

آپؑ نے مالک کو دے دیا۔وہ حیران ہو گیا اور حضرت ابراہیمؑ نے سارہ کو وہاں دفن کر دیا تو سب سے پہلے آپ ہی وہاں دفن ہوئیں۔کہا گیا ہے کہ آپؑ کی عمر ۱۱۷ سال ہوئی اور بعض نے ۱۲۷ سال لکھے ہیں۔پھر جب حضرت ابراہیمؑ وفات پا گئے تو آپ کے سامنے مغربی جانب دفن کر دیئے گئے۔پھر جب رفقہ زوجہ اسحاقؑ کی وفات ہوئی تو وہ بھی سارہ کے سامنے محراب کی سمت دفن ہوئیں۔پھر حضرت اسحاقؑ کا انتقال ہوا تو وہ اپنی بیوی کی قبر کے سامنے جانب غرب دفن ہوئے۔پھر حضرت یعقوبؑ نے وفات پائی اور مغارہ کے دروازے کے پاس دفن ہوئے۔یہ قبر حضرت ابراہیمؑ کی قبر کے سامنے جانب شمال ہے،پھر لائق زوجہ یعقوب کی وفات ہوئی تو وہ ان کے سامنے جانب شرق مدفون ہوئیں۔پھر حضرت یعقوب کی اولاد نے

مشورہ کیا کہ ہم کیوں نہ مغارہ کا دروازہ کھلا رکھیں اور جو بھی ہم میں سے مرے یہیں دفن ہو۔ لہٰذا انہوں نے مغارہ کے اردگرد ایک چاردیواری بنادی، قبروں پر نشانات بنادیئے اور ہر قبر پر صاحب قبر کا نام لکھ دیا، پھر یہ لوگ مغارہ سے چلے آئے اور دروازے بند کر آئے حتیٰ کہ رومیوں کا قبضہ ہوگیا اور انہوں نے وہاں کنیسہ تعمیر کرایا مگر مسلمانوں نے اسے باقی نہ چھوڑا۔

الملک المویداسماعیل والی حماۃ نے اپنی تاریخ میں ۵۱۳ھ کے واقعات کے بارے میں لکھا ہے کہ ”اس سال حضرت ابراہیم اور اسحاق و یعقوب (علیہم السلام) کی قبریں بیت المقدس کے قریب ظاہر ہوئیں ہیں بہت سے لوگوں نے انہیں دیکھا ہے کہ ان کے جسم ابھی تک پرانے نہیں ہوئے اور ان کے جسد کے پاس غار کے اندر سونے چاندی کے قندیل دھرے ہیں۔“

اسی کتاب میں سور سلیمانی کے بیان میں صفحہ ۱۷۳ پر مرقوم ہے:

”جب سلیمانؑ بیت المقدس کی تکمیل کر چکے اور مسجد اقصیٰ میں ہیکل تعمیر کر چکے تو اللہ نے انہیں حکم دیا کہ آپ وہاں جائیں جہاں ابراہیم خلیل اللہ سوتے ہیں۔ آپؑ کی قبر کے اردگرد ایک چاردیواری بنادیں، حضرت سلیمانؑ اپنے لشکر کے ساتھ کنعان کی سرزمین کی طرف گئے، آپؑ نے بہت تلاش کی مگر قبر نہ ملی۔ لہٰذا واپس بیت المقدس چلے آئے۔ وحی نازل ہوئی کہ جہاں نور کا ستون آسمان سے اترتا نظر آئے اس کی سیدھ میں آپؑ کی قبر ہے۔ آپؑ پھر اسی طرف گئے وہاں پر پہنچ کر الخلیل کے قریب شمالی جانب آپؑ کو ایسا محسوس ہوا کہ نور اتر رہا ہے لہٰذا آپؑ نے لشکر کو حکم دیا کہ وہاں ایک چاردیواری بنادیں یہ مقام یونسؑ کی قبر کے پاس تھا۔ پھر وحی نازل ہوئی کہ یہ وہ مقام نہیں ہے کہ آپؑ نور آسمان کی بالکل سیدھ پر اصل چاردیواری کو بنائیں، سلیمانؑ جستجو کرتے رہے حتیٰ کہ حبرون کے ایک ٹیلے پر آپ نے اس نور کو دیکھا اور اس کے اردگرد جن وانس سے ایک بڑی بھاری فصیل بنوادی، ان پتھروں کی ضخامت دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے کہ کیسے اٹھائے اور لگائے گئے۔ اس چاردیواری کے اندر کی عمارت مسجد شمار کی گئی۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”آدمؑ کا سر صخرہ کے پاس اور پاؤں مسجد ابراہیمؑ کے پاس ہیں اور مسجد خلیل کا حکم وہی

ہے جو عام اسلامی مساجد کا ہے کہ وہاں جماعت کر سکتے ہیں اعتکاف کر سکتے ہیں اور حائضہ و ناپاک اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔“ (آخر تک)

یہ گھر بڑا آباد اور بہت برکت والا ہے کہ وہاں سادات انبیاء سوتے ہیں۔ قاضی القضاۃ ابوالیمن قاضی حنبلی نے کہا ہے ”یہ مقام کریم جو کہ سلیمانی فصیل کے اندر ہے اس کی لمبائی محراب سے لے کر صدر مشہد یعقوب تک اسی گز ہے اور عرض جانب شرق فصیل سے لے کر قبر یوسفؑ تک ساڑھے تین گز ہے۔ چاردیواری کی بلندی ہر سمت سے ساڑھے تین گز ہے جس میں پندرہ پتھر لگے ہیں۔

زمین سے اس فصیل کی بلندی چھبیس گز ہے۔ سلیمانی تعمیر کے اوپر جو رومی تعمیر ہے اس کے علاوہ طبل خانہ کے پاس ایک پتھر ہے جس کی لمبائی گیارہ گز ہے اور سلیمانی تعمیر کی ہر صف کا عرض سوا گز ہے۔ اس چاردیواری میں دو غار ہیں ان میں سے ایک جانب مشرق ہے جو جانب قبلہ سے متصل ہے اور دوسرا غار جانب غرب ہے جو جانب شمالی سے ملتی ہے اور تعمیر نہایت عمدہ ہے۔

جانب شمالی سے مسجد کی تعمیر چہاردیواری سے بالکل ملی ہوئی ہے، یہ تعمیر رومیوں کے دور کی ہے، اس کے تین طبقے ہیں۔ درمیانی طبقہ جانب مشرق وغرب سے دونوں طبقوں سے بلند ہے۔

چھت چار مضبوط دیواروں پر قائم ہے، اس کی تعمیر کے بالائی حصہ میں محراب اور منبر ہے۔ منبر اچھی عمدہ لکڑی کا بنا ہوا ہے اور جمال وفن کا نمونہ ہے۔

یہ منبر بدر جمالی مدیر دولت فاطمیہ کے حکم سے مستنصر باللہ ابوتمیم معد فاطمی خلیفہ مصر کے دور میں رکھا گیا۔ ۴۸۴ھ میں یہ منبر بنا۔ خط کوفی میں اس کی تاریخ لکھی ہے، سلطان صلاح الدین کے حکم سے یہ منبر مسجد میں رکھا گیا۔ منبر کے سامنے مؤذن کا مقام ہے جو سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم ہے اور آرٹ کا بہترین نمونہ ہے۔

دیواروں پر چاروں طرف سے گول مرمر لگے ہوئے ہیں جو کہ ملک الناصر محمد بن قلادوں ۷۳۲ھ کے عہد میں لگائے گئے۔ حسب ذیل ترتیب کے مطابق مسجد کے نیچے انبیاء کی قبریں ہیں:

اس ستون کے پاس جو کہ منبر کے سامنے واقع ہے حضرت اسحاقؑ کی قبر ہے اور اس کے سامنے ان کی بیوی رفقہ یا ریقہ کی قبر ہے جو کہ مشرقی ستون کی جانب میں ہے یہ گویا ایک مستقل عمارت ہے۔

اس تعمیر کے تین دروازے ہیں جو کہ صحن مسجد میں کھلتے ہیں۔ان میں سے ایک یعنی درمیانی، حضرت خلیل اللہ کی درگاہ کی جانب کھلتا ہے۔جس کی دیواروں پر مربع مرمر لگا ہوا ہے اور جس کے غربی جانب ایک حجرہ میں ابراہیمؑ کی قبر مبارک ہے،اس کے مشرقی حصے میں آپؑ کی بیوی سارہ کی قبر ہے۔

اس صحن کے آخر میں شمالی حصہ میں حضرت یعقوبؑ کی قبر ہے اور اس کے سامنے مشرقی جانب آپؑ کی بیوی لائقہ کی قبر ہے۔

چہاد دیواری کے اندر حضرت یوسفؑ کا مزار بھی ہے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپؑ غار سے باہر مدفون ہیں مگر ان کی یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔

چہار دیواری کے اندر جو کچھ تعمیر ہے اس میں ہر جگہ خوب صورت سنگ سلیمانی کا فرش ہے۔اس چہار دیواری کے جانب مشرق ایک خوبصورت مسجد ہے جسے ابوسعید سنجرابی ولی ناظر حرمین و نائب سلطنت نے بنایا تھا، یہ مسجد جادلیہ کے نام سے مشہور ہے۔اور عجائب روزگار سے ہے۔بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ ایک یہودی کا مقبرہ تھا، جادلی نے اسے گرا کر مسجد میں تبدیل کر دیا چنانچہ اس کی ایک دیوار پر لکھا ہے کہ سنجر نے اپنے حلال مال سے اس مسجد کی تعمیر کی اور حرمین کے مال سے کوئی پیسہ اس پر نہیں لگایا۔

زائرین الخلیل کے لیے مسجد جادلیہ کے سامنے ایک لنگر خانہ ہے جہاں حلیم پکتا ہے اس لنگر خانہ کے دروازے پر طبل خانہ ہے، جب دستر خوان پھیلایا جاتا ہے، طبل بجایا جاتا ہے، لنگر کی طرف اہل شہر اور الخلیل کے مہمان آتے ہیں۔یہاں کھانا تین وقت تقسیم کیا جاتا ہے پہلی بار صبح میں، دوسری بار ظہر کے بعد، تیسری بار عصر کے بعد۔

اس لنگر وطبل کی اصلیت یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے کھانے کے وقت طبل بجواتے تھے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کھانا تیار ہے اور دور دور کے مسافر مطلع ہو جائیں۔

یہ تمام بیان ہم نے کتاب ''ابوالانبیاء'' سے بغیر کسی اضافہ کے لیا ہے۔

حدود حرم

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے جس نے حدود حرم کے پتھر گاڑے وہ حضرت ابراہیمؑ تھے۔یہ حد بندی آپ نے جبریلؑ کی ہدایت کے مطابق کی۔

جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے تمیم بن اسد الخزاعی کو بھیجا کہ وہ پرانے پتھروں کی جگہ نئے پتھر لگا دیں۔ابن عتبہ نے بیان کیا ہے کہ ابراہیمؑ نے جبریل کی زیر نگرانی پتھر لگائے۔یہ پتھر اسی طرح لگے رہے حتیٰ کہ قصی بن کلاب نے بدلے۔پھر رسول اللہ ﷺ نے تبدیل کرائے پھر حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ان کی تجدید ہوئی۔انہوں نے چار قریشی بھیجے جنہوں نے ان کی تجدید کی۔پھر حضرت عثمانؓ نے تجدید کرائی پھر حضرت معاویہؓ نے مکہ کے گورنر کو لکھا کہ ان کی جگہ نئے پتھر نصب کرا دیئے جائیں، پھر جب عبدالملک بن مروان حج کے لیے آیا تو اس نے تجدید کرائی، پھر مہدی باللہ نے حج سے لوٹتے ہوئے تجدید کرائی پھر مقتدر باللہ العباسی نے ۳۲۵ھ میں نئے پتھر لگوائے پھر راضی باللہ نے تنعیم کی جانب والے پتھر تبدیل کرائے، پھر الملک المظفر صاحب یمن نے ۶۸۳ھ اور سلطان احمد الاول بن العثمانی نے ۱۰۲۳ھ میں تبدیل کرائے۔

تاریخ ازرقی میں درج ہے کہ جب جبریل علیہ السلام حجر اسود کو لائے تھے تو وہ موتی کی طرح چمکتا تھا اور حرم اس سے منور ہو جاتا تھا، جب حضرت ابراہیمؑ کو جبریلؑ نے حدود حرم دکھائے تو آپ وہاں نشان کے طور پر پتھر اور مٹی ڈالتے گئے۔حضرت اسماعیلؑ کی بکریاں کبھی حرم کے حدود سے باہر نہ جاتی تھیں اگر حدود تک پہنچ جاتیں تو واپس آ جاتیں۔

فضائل حرم

حرم مکہ کے بہت سے فضائل ہیں جو کسی دوسرے شہر کو حاصل نہیں، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔جو لوگ وہاں آتے ہیں ان سے مطالبہ ہوتا ہے کہ احرام باندھ کر آئیں۔

۲۔کافر حرم میں نہ داخل ہو سکتا ہے نہ دفن کیا جا سکتا ہے۔

۳۔حرم میں شکار کھیلنا حرام ہے خواہ حرم کا باشندہ ہو یا باہر کا، محرم یا غیر محرم۔

۴۔حرم کے درخت کا کاٹنا بھی منع ہے اور اس کے کاٹنے پر جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

۵۔اس کی مٹی یا پتھر کا حرم سے باہر لے جانا منع ہے۔

۶۔قربانیوں یا جرمانوں کے طور پر قربانی وہیں ادا ہو سکتی ہے اس سے باہر نہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فضائل ہیں کہ اگر ہم ان کے بیان کے درپے ہوں گے تو بیان طویل ہو جائے گا۔علامہ ابن ظہیرۃ القرشی نے الجامع الطیف میں تمام فضائل کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

حرم میں نماز کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔"میری اس مسجد کی نماز دوسری مسجدوں کی نمازوں سے ہزار درجہ بہتر ہے سوائے حرم کے۔" (بخاری و مسلم)

احمد، بزار اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔"میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دوسری مسجدوں سے ہزار درجہ بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے کہ مسجد حرام کی نماز میری مسجد کی نماز سے ایک لاکھ درجہ زیادہ ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ مسجد حرام کی نماز دوسری مسجدوں کی نماز سے ایک لاکھ درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے اور میری مسجد کی نماز ہزار درجہ بہتر ہے اور بیت المقدس کی مسجد کی نماز پانچ سو درجہ بہتر ہے۔ان تینوں مسجدوں کی نماز کی فضیلت اس لیے زیادہ ہے کہ تمام سرزمینوں میں سب سے افضل ہے پھر مدینہ اور پھر بیت المقدس کا مرتبہ ہے۔تمام مقامات میں بہترین مقام مسجدیں ہیں کیونکہ وہاں اللہ کی یاد ہوتی ہے اور تمام مسجدوں میں مذکورہ بالا تین مسجدیں افضل ہیں کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کی بنائی ہوئی ہیں۔

(۱)"مسجد حرام" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنائی۔

(۲)"مسجد نبویؐ" مدینہ کی مسجد رسول اللہ ﷺ نے بنائی۔

(۳) مسجد اقصیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنائی۔

فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد حرام میں انسان کا منہ یقیناً قبلہ کی طرف ہوتا ہے

تاریخ کعبہ و مدینہ

اور مسجد نبویؐ میں بھی یہ بات یقینی ہے مگر دوسری مساجد میں یہ بات یقینی نہیں کیونکہ عین کعبہ کی طرف منہ کا ہونا دوسرے شہروں میں ظنی بات ہے یقینی نہیں، عین کعبہ کی طرف منہ کرنا تو بڑا ہی دشوار ہے حتیٰ کہ خود مکہ میں جبل ابی قبیس کے پیچھے بھی یہ بات بڑی دشوار ہے کہ انسان کا منہ عین قبلہ کی طرف ہو۔

مسجد حرام کیا ہے؟

مسجد حرام سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ نفس کعبہ مراد ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے:

فَوَلِّ وجھک شطر المسجد الحرام. (اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر)

بعض نے کہا ہے کہ کعبہ اور اس کے اردگرد کی جگہ مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سبحان الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ.

(پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گئی)

بعض نے کہا ہے کہ پورا مکہ مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لتد خلن المسجد الحرام. (تم لوگ مکہ میں داخل ہو گئے)

بعض علماء کا خیال ہے کہ پورا حرم کا علاقہ مراد ہے جہاں تک شکار کھیلنا منع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

انما المشر کون نجس" فلا یقر بوا المسجد الحرام.

(مشرکین ناپاک ہیں مسجد حرام کے پاس نہ جائیں)

نیز فرمایا:

ذالک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام.

(یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو مسجد حرام (مکہ) میں نہیں رہتے)

نیز فرمایا:

الا الذین عاھدتم عند المسجد الحرام.

(مگر وہ لوگ جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا)

یہ معاہدہ حدیبیہ کے مقام پر ہوا تھا اور حدیبیہ بھی حرم میں داخل ہے۔

(دیکھو الجامع الطیف مصنفہ علامہ ابن ظہیرۃ القرشی)

ہمارے خیال میں رسول اللہ ﷺ نے جو نماز کی فضیلت کے بارے میں فرمایا ہے وہاں تو مسجد حرام سے نفس مسجد ہی مراد ہے جو کعبہ کے اردگرد ہے خواہ اس کی مسافت کم ہو جائے یا زیادہ، خواہ اس قدر ہو جتنی کہ دور رسول اللہ ﷺ میں تھی یا اس قدر جتنی کہ اب ہے یا اس سے بھی زیادہ ہو جائے۔

مسجد حرام کی حدود

صدر اسلام میں مسجد حرام کے حدود مشرقی جانب چاہ زم زم اور باب بنی شیبہ تک تھے اور بقیہ تین اطراف سے ان سبز ستونوں تک تھے جن میں چراغ لٹکائے جاتے یا بلب لگے ہوئے ہیں یعنی مسجد حرام صرف وہاں تک تھی جہاں تک سنگ مرمر کا فرش ہے جسے آج کل ہم صحن کعبہ کہتے ہیں پیچھے اس کی پیمائش گزر چکی ہے۔

مسجد حرام کی عہد رسالت و عہد ابی بکر میں یہ حدود تھیں بعد ازاں خلفاء و امراء نے اضافے کیے۔ مسجد حرام کے اردگرد کوئی دیوار نہ تھی بلکہ اس کے چاروں طرف گھر تھے جنہوں نے ایک دیوار کی سی شکل پیدا کر لی تھی۔ لوگ ان گھروں کے درمیانی دروازوں سے آتے جاتے تھے۔ جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں گھروں کو گرا کر مسجد حرام میں شامل کر دیا اور ان مالکوں کو ان کی قیمت دے دی پھر اس کے اردگرد ایک چاردیواری بنا دی جو قدم آدم سے کم نہ تھی اسی طرح حضرت عثمانؓ نے کیا۔ پھر ابن زبیرؓ وغیرہ نے بھی ایسا کیا۔ عنقریب ہم اس کا تفصیلی طور پر بیان کریں گے۔

ہمارے دور میں مسجد حرام بہت وسیع ہے بلکہ دنیا کی تمام مسجدوں سے وسیع تر ہے اس کی زمین اردگرد کی زمین سے تین گز نیچی ہے لہٰذا اس کے دروازوں پر سیڑھیاں ہیں جن سے لوگ اترتے اور چڑھتے ہیں، کعبۂ معظمہ مسجد کے صحن میں واقع ہے۔

بہت سے مؤرخین نے مسجد حرام کی پیمائش کا ذکر کیا ہے چنانچہ شیخ حسین باسلامہ التوفی

۱۳۵٦ھ نے مؤرخین کے تمام اقوال درج کیے ہیں اور خود بھی پیمائش کی۔ ان تمام پیمائشوں کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب تاریخی عمارت مسجد حرام میں کیا ہے۔ جو حسب ذیل ہے:

جانب شمالی کا وہ ضلع جہاں باب الزادیہ واقع ہے، ۱٦٦ میٹر ہے، جنوبی ضلع کی لمبائی جہاں باب الصفا واقع ہے، ۱٦۴ گز ہے۔ مشرقی جانب جدھر باب السلام واقع ہے، ۱۰۸ میٹر ہے اور مغربی ضلع کا طول جہاں باب ابراہیم ہے ۱۰۹ میٹر ہے۔ لہٰذا پوری داخلی زمین ۱۷۹۰۲ مربع میٹر ہوئی۔ یہ مساحت مسجد کو دو مثلث قائم الزاویہ میں تقسیم کر کے نکالی گئی ہے۔

میں نے آخری شب محرم ۱۳٦۷ھ میں مسجد حرام کی پیمائش کی تو کھلے ہوئے صحن کی پیمائش کو مذکورہ بیان کے مطابق پایا اس پیمائش میں چھت وار تعمیر اور اردگرد کے "قبے" شامل نہیں ہیں نہ باب الزیادہ اور باب ابراہیم کا صحن شامل ہے۔

اضافے

مسجد حرام بڑی تنگ اور چھوٹی تھی جو جانب شرق چاہ زم زم تک تھی اور اسی کے مطابق باقی اطراف میں بھی تھی۔ موجودہ وسعت مندرجہ ذیل آٹھ اضافوں کی وجہ سے ہوئی ہے۔

ان تمام اضافوں کا مختصر بیان یہ ہے:

۱۔ حضرت عمرؓ نے ۱۷ ہجری میں مسجد حرام میں اضافہ کیا۔

۲۔ حضرت عثمانؓ نے ۲٦ ہجری میں توسیع کی۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ٦۵ ہجری میں اضافہ کیا۔

۴۔ ولید بن عبدالملک نے ۹۱ ہجری میں توسیع کی۔

۵۔ ابوجعفر المعصور نے ۱۳۷ ہجری میں اضافہ کیا۔

٦۔ مہدی عباسی نے ۱۳۷ ہجری میں توسیع کی۔ اس کی توسیع مذکورہ بالا تمام اضافوں کے مساوی تھی۔ ۱٦۴ ہجری میں بھی اس نے اضافہ کرایا۔ اسی نے مسجد حرام کو مربع کیا کہ کعبہ اس کے وسط میں رہے اور اس پر زر کثیر صرف کیا۔ شیخ باسلامہ نے ان اخراجات کا اندازہ (۴۵۷۸۵۰) لاکھ دینار ظہبی لگایا ہے۔ اس رقم میں (۲۲۸۹۳۷۵) لاکھ دینار ظہبی ان مکانات کی قیمت کا ہے جو مسجد حرام میں شامل کیے گئے۔ یہ اندازہ کم از کم ہے۔

۷۔معتمد باللہ العباسی نے ۲۸۱ ہجری میں اضافہ کیا،اس نے دارالندوہ کو بھی مسجد میں شامل کر دیا،دارالندوہ باب الزیادہ کے سامنے واقع تھا۔اس نے دارالندوہ کی جاہ باب الزیادہ،باب القطبی مینارہ اور سائبان بنوائے،اس کی بنائی ہوئی عمارت تین سال رہی،صرف باب القطبی ہی ایک ایسا دروازہ ہے جس کی تجدید ۹۸۴ھ کی تعمیرات میں نہیں کی گئی۔یہ دروازہ اسی طرح اب تک باقی ہے اور اس قدر مضبوط ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی بنایا گیا ہے،حالانکہ اس کی تعمیر کو گیارہ سو سال گزر چکے ہیں۔

دیکھو ابتدائے اسلام کی تعمیریں کیسی مضبوط ہوتی تھیں حالانکہ پرانے زمانے میں ایسے آلات میسر نہ تھے جو ہمیں میسر ہیں مگر دراصل ان لوگوں میں خلوص اور دیانتداری بہت زیادہ تھی جس کی یہ برکت ہے۔

۸۔مقتدر باللہ العباسی نے ۳۰۶ھ میں باب ابراہیم کے صحن اور اس کے سائبان میں اضافہ کیا۔یہ دروازہ مسجد حرام کے دروازوں میں سب سے بڑا ہے۔

علامہ ابن ظہیرہ نے اپنی کتاب الجامع الطیف میں لکھا ہے:

"باب ابراہیمؑ بہت پست تھا جب کبھی سیلاب مسجد حرام میں داخل ہوتے تو اسی کی طرف سے نکلتے مگر آج کل ایسا نہیں ہے اب سیلاب کا پانی اس کے نیچے کی نالی سے نکلتا ہے کیونکہ جب اس دروازے کو بلند کیا گیا تو اس کے نیچے سیلاب کا پانی نکلنے کے لیے پتھر کی جالیاں بنادی گئیں۔یہ ترمیم ۹۱۵ھ یا ۹۱۶ھ میں اشرف غوری کے زمانۂ حکومت میں ہوئی۔امیر خائر بیگ المعروف بہ عمار نے یہ ترمیم کرائی۔

خلاصہ یہ کہ مقتدر عباسی کے بعد مسجد حرام میں آج تک کوئی اضافہ نہ ہوا۔اس بات کو ہزار سال گزر چکے ہیں۔اس کے بعد جو کچھ ہوا ہے وہ سب اصلاح و مرمت ہے۔

مکہ دورِ جاہلیت میں

جب حضرت ابراہیمؑ مکہ میں آئے اور کعبہ بنایا تو مسجد حرام کے اردگرد کوئی چاردیواری نہ تھی،نہ یہاں کسی کا کوئی گھر تھا البتہ جرہم وغیرہ کے کچھ قبیلے مکہ کی گھاٹیوں کے اندر رہتے تھے۔وہ لوگ کعبہ کے احترام کی وجہ سے وہاں مکان نہ بناتے تھے۔جب قصی بن کلاب متولی

ہوا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کعبہ کے اردگرد مکان بناؤ کیونکہ اگر تم بیت اللہ کے پاس رہے تو لوگ تم سے ڈریں گے اور تمہارے قتل و قتال سے بچیں گے۔سب سے پہلے اس نے دارالندوہ بنایا پھر بقیہ اطراف کو مختلف قبائل قریش میں تقسیم کر دیا۔لہٰذا تمام قریشیوں نے کعبہ کے اردگرد مکان بنوا لئے اور سب نے اپنے دروازے حرم کی جانب رکھے۔طواف کرنے والوں کے لیے بقدر مطاف جگہ چھوڑ دی اور ہر دو گھروں کے درمیان ایک راستہ بنایا جو مطاف کی طرف کھلتا تھا۔ان لوگوں کے گھر کعبہ سے کم بلند تھے کیونکہ وہ کعبہ سے اونچا مکانوں کے بلند کرنے کو بے ادبی تصور کرتے تھے۔شیبہ بن عثمان جب کبھی کسی گھر کو خانۂ کعبہ سے بلند دیکھتا تو اسے گرا دیتا۔کعبہ کے تمام مجاوروں کا سلسلۂ نسب اسی شیبہ تک پہنچتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب جب مکہ آئے تو آپ نے کعبہ کے گرد ایک بلند عمارت دیکھی،حکم دیا کہ اسے گرا دیا جائے اور فرمایا تم میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ خانۂ کعبہ سے اپنے گھر کو زیادہ بلند کرے۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کو پہاڑی سلسلہ سے گھیر دیا ہے جو شرقی،غربی اور جنوبی جانب سے سلسلہ وار احاطہ کیے ہوئے ہے۔یہ پہاڑی سلسلہ مکہ کے لیے مانند شہر پناہ کے ہے۔کوئی بھی شمالی،جنوبی اور غربی دروازوں کے علاوہ کسی طرف سے داخل نہیں ہوسکتا۔

شمالی دروازہ معلیٰ کی سمت ہے۔یہ طائف،نجد اور اس کے ملحقہ علاقوں سے آنے والوں کا راستہ ہے،غربی دروازہ جرول کی سمت ہے۔جدھر سے اہل جدہ و مدینہ اور سمندری مسافر داخل ہوتے ہیں،جنوبی جانب مسفلہ کی سمت ہے جدھر سے اہل یمن آتے ہیں۔

انہی تینوں دروازوں سے ہمیشہ سے مکہ والوں کا رزق نازل ہوتا ہے جیسا کہ اس پتھر کی تحریر سے ظاہر ہے جو اہل قریش نے بنائے کعبہ کے وقت پایا تھا۔جن پر کندہ تھا "مکہ اللہ کا محترم شہر ہے اس کا رزق تین راہوں سے آتا ہے۔"

مکہ کی شہر پناہ

غازی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ کتاب الاعلام میں درج ہے کہ مکہ زمانہ قدیم میں شہر پناہ کے اندر تھا۔چنانچہ معلاۃ کی جانب میں ایک بڑی چوڑی دیوار تھی جو عبداللہؓ بن عمرؓ کے

پہاڑ کی طرف سے سامنے والے پہاڑ کی طرف جاتی تھی اس دیوار میں لکڑی کا دروازہ تھا جس پر لوہا چڑھا ہوا تھا۔ ہندوستان کے ایک راجہ نے یہ دروازہ شاہ مکہ کو ہدیتاً بھیجا تھا۔ اس دیوار میں سیلاب نے چھوٹے چھوٹے سوراخ کر دیے تھے۔

شبیکہ کی جانب بھی ایک دیوار تھی جو آمنے سامنے والے پہاڑوں کے درمیان تھی اور اس سے مکہ کے باہر کی طرف سڑک جاتی تھی اس دیوار میں دو دروازے تھے جس سے اونٹ وغیرہ آتے جاتے تھے پھر یہ رفتہ رفتہ گر گئے اور اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں۔ صرف دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک راہ آنے کی اور ایک جانے کی باقی رہ گئی ہے۔

ایک شہر پناہ مسفلہ کی جانب تھی جس کے آثار تک بھی ہم نے نہیں پائے۔

تقی فاسی نے ذکر کیا ہے کہ مکہ کے بالائی حصہ میں ایک اور شہر پناہ تھی یہ اس شہر پناہ کے علاوہ تھی جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا۔ یہ شہر پناہ مسجد رایہ کے پاس تھی اور جبل قرارہ کی جانب تھی جو سوق اللیل کے مقابل تھی۔ پہاڑ میں کچھ ایسی علامات پائی جاتی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں مگر شہر پناہ کا پتہ نہیں۔ تقی فاسی کہتا ہے پتہ نہیں کہ یہ شہر پناہیں کب تعمیر ہوئیں اور کس نے تعمیر کیں البتہ اتنا معلوم ہے کہ ابوعزیز قتادہ بن ادریس حسنی جو کہ اشراف مکہ سے تھا اس نے ان شہر پناہوں کو درست کیا اور اسی کے دور میں باب الشبیکہ کی دیوار بنی۔ یہ تعمیر الملک المظفر شاہ اربل کی طرف سے ۶۰۷ھ میں ہوئی۔

افادۃ الانام کا مصنف کہتا ہے کہ منتقیٰ میں لکھا ہے وہ شہر پناہ جو معلیٰ کی جانب ہے اس کا دروازہ ۷۸۶ھ میں ہندوستان کے راجہ نے بنوایا پھر ایک زمانہ میں اس دروازے کو آگ لگ گئی اور یہ گر پڑا، معلاۃ کی جانب کی دیوار کے اور حصے بھی گر گئے، صورت یہ ہوئی کہ سید رمیثہ بن محمد بن عجلان کے لشکر نے اس کے چچا سید حسن کے لشکر کو روکنا چاہا کیونکہ وہ رمضان ۷۸۹ھ میں اس کی جگہ گورنر مقرر ہوا تھا۔ سید حسن کے لشکر نے چند مقامات سے دیوار کو توڑ دیا اور اسی دن دروازے کو آگ لگا دی۔ پھر اس کے حکم سے دیوار کی مرمت کرا دی گئی اور نیا دروازہ لگوا دیا گیا۔ یہ دروازہ سید حسن کے گھر کا تھا۔

مکہ چونکہ پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اس لیے دیکھنے والوں کو اس کی آبادی تھوڑی معلوم ہوتی ہے حالانکہ مکہ کی آبادی بہت بڑی ہے لیکن دروں کے اندر ہے یہی وجہ ہے کہ لاکھوں حاجی

ہر سال ان کے گھروں میں سما جاتا ہے۔

دور جاہلیت میں طواف

جاہلی دور میں لوگ سات بار طواف کیا کرتے تھے اور طواف کرتے وقت کعبہ کو اپنی داہنی جانب رکھتے تھے اور حجر اسود کو آغاز و اختتام پر چومتے تھے، جوتے بھی اندر نہیں لے جاتے تھے اور ننگے پاؤں طواف کیا کرتے تھے۔

ارزقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت درج کی ہے کہ بنو عامر وغیرہ خانہ کعبہ کا طواف ننگے کیا کرتے تھے۔ مرد، دن میں اور عورتیں رات میں۔ جب کوئی شخص کعبہ کے دروازے پر آتا تو کہتا کوئی ہے جو غریب کو کپڑا دے، اگر کوئی احمسی اپنا کپڑا دے دیتا تو لے لیتا ورنہ اپنے کپڑے مسجد حرام کے دروازہ پر اتار کر رکھ دیتا اور سات چکر لگاتا وہ لوگ کہا کرتے تھے ہم ایسے کپڑوں میں طواف نہیں کریں گے جن میں ہم نے گناہ کیے ہیں پھر وہ آتا اور اپنے کپڑے پہن کر چل دیتا، البتہ احمسی لوگ کپڑے پہن کر ہی طواف کرتے تھے۔

حجر میں بیٹھنا

زمانہ جاہلیت میں حجر اور مطاف میں لوگ بیٹھا کرتے اور آپس میں باتیں کیا کرتے اور دارالندوہ میں صرف خصوصی اجلاس ہوا کرتا اس میں عام لوگ شریک نہیں ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے فرمایا۔

”میرے والد ماجد نے بیان کیا کہ عبدالمطلب بڑے لمبے قد والے اور حسین چہرہ والے تھے جو بھی انہیں دیکھ لیتا ان سے محبت کرتا، حجر میں ان کے بیٹھنے کی ایک خاص جگہ تھی اس فرش پر ان کے سوا کوئی نہ بیٹھتا تھا۔ باقی لوگ اس کے اردگرد بیٹھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ چھوٹے سے بچے تھے، وہ آئے اور مسند پر بیٹھ گئے لوگوں نے آپ کو کھینچا تو آپ رونے لگے، عبدالمطلب نابینا ہو گئے تھے انہوں نے پوچھا۔“

”کیا بات ہے میرا پوتا کیوں روتا ہے؟“

لوگوں نے کہا۔ ”وہ آپ کی مسند پر بیٹھنا چاہتا تھا ہم نے اسے روک دیا“

عبدالمطلب نے کہا۔"میرے پوتے کو کچھ نہ کہو کیونکہ مجھے توقع ہے کہ میرا پوتا اتنا بڑا مرتبہ حاصل کرے گا جو کسی عرب کو آج تک نصیب نہیں ہوا ہوگا۔"

عبدالمطلب کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ آپ ﷺ ان کے جنازے کے پیچھے پیچھے روتے جاتے تھے، عبدالمطلب حجون میں دفن ہوئے۔

احترام مکہ

فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"مکہ کا احترام اللہ نے قائم کیا ہے، لوگوں نے قائم نہیں کیا، لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس سرزمین میں کسی کا خون بہائے یا کوئی درخت کاٹے، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو اس کے خلاف کیا تو کہہ دینا، کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تھوڑی سی دیر کے لیے اجازت دے دی تھی۔ پھر اس کا احترام اسی طرف لوٹ آیا، تمہارے لیے ایسا کرنا جائز نہیں، سنو حاضرین، غیر حاضروں کو پہنچا دیں۔"

قریش بیت اللہ اور حرم کا احترام کیا کرتے تھے۔ لوگ خانہ کعبہ کے پاس قسم کھانے سے بچتے تھے کہیں ان کے جان و مال پر ادبار نہ پڑے۔

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ بنو اسرائیل کی ایک قوم مکہ آئی جب مقام ذی طویٰ میں پہنچی تو احتراماً انہوں نے اپنے جوتے نکال لیے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حواریوں نے حج کیا تو وہ حرم کی تعظیم میں ننگے پاؤں چلے۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب نے فرمایا:"اے لوگو! مکہ میں غلہ کی ذخیرہ اندوزی نہ کرو کیونکہ مکہ میں ذخیرہ اندوزی کرنا کفر ہے۔" آپ ہی کا قول ہے کہ "اگر میں حرم میں اپنے باپ خطاب کے قاتل کو بھی پاتا تو جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جاتا میں اسے کچھ بھی نہ کہتا۔"

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے کجاوے پر پرند ٹوٹ پڑتے تو آپ اسے کچھ بھی نہ کہتے البتہ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اڑانے کی اجازت دیتے تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاصؓ کے دو خیمے تھے، ایک حل میں تھا اور ایک حرم میں، جب کسی پر ناراض ہوتے تو حل میں ناراض ہوتے اور جب نماز ادا کرتے تو حرم میں ادا

کرتے، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا"ہم سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ حرم میں کلا واللہ اور بلیٰ واللہ کہنا زندقہ ہے۔ (ہرگز نہیں قسم بخدا۔ ہاں قسم بخدا)"

حرم کے کبوتر

حرم میں دو قسم کے کبوتر ہیں، کچھ پالتو اور کچھ غیر پالتو۔ پالتو کبوتروں کی بہت سی قسمیں اور بہت سی شکلیں ہیں جیسا کہ دوسرے شہروں میں ہیں۔ دوسری قسم حرم کے کبوتر ہیں جن کے لیے خاص طور پر ہم نے یہ فصل مقرر کی ہے ان کی خاص شکل اور خاص ہیئت ہے جو کبھی نہیں بدلتی اور خاص رنگ ہے۔

سر سے گردن تک یہ کبوتر بہت نیلے اور چمک دار ہوتے ہیں ان کے بازو اور دم سیاہ ہوتی ہے اور باقی جسم نیلا مائل بہ سپیدی ہوتا ہے ان کے دونوں بڑے پروں میں دم کے قریب سیاہ خط ہوتے ہیں جو انہیں دوسرے کبوتروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ ان کبوتروں کو مکہ کے کبوتر اور بیت اللہ کے کبوتر بھی کہتے ہیں۔ یہ قسم پورے حجاز میں اور بالخصوص مکہ میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ حجاز سے باہر یہ قسم کم ہے۔ مصر میں اسے جنگلی کبوتر کہتے ہیں اور موصل میں بھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں اس قسم کے کبوتر بکثرت ہیں جن میں سے بعض پروردہ اور بعض جنگلی ہوتے ہیں جنہیں شکار کیا جاتا ہے۔

بعض مؤرخین نے ان کبوتروں کے ابتدائے وجود سے بحث کی ہے مگر ہمارے خیال میں جو کچھ بھی کیا گیا ہے سب ظن تخمین پر موقوف ہے کیونکہ کسی حیوان کے ابتدائے وجود کے بارے میں تو بڑی مستند بات درکار ہوتی ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو۔ ہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دور جاہلیت میں کبوتر تھے۔ رہی یہ بات کہ حرم کے کبوتر کہاں سے آئے اور کب آئے اور آیا یہ اسی جوڑے کی نسل سے ہیں جس نے غار ثور پر اپنا گھونسلا بنالیا تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ ہجرت کے وقت اس کے اندر جا کر چھپے تھے یا کوئی اور قسم ہے۔ ان باتوں کا اللہ کے سوا کسے علم ہوسکتا ہے۔

جب اسلام نے ان کبوتروں کا مارنا حرام قرار دے دیا تو ان کی کثرت ہوگئی وہ لوگوں سے ڈرتے نہیں بلکہ ان کے قریب آکر بیٹھتے ہیں بلکہ بسا اوقات انسان کے سر اور مونڈھے پر آ

کر بیٹھ جاتے ہیں جبکہ اس کے ہاتھوں میں غلہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے کجاوے، کھانے اور کپڑوں پر کبوتر آ کر بیٹھ جاتے تو آپؓ انہیں کچھ نہ کہتے۔ ایک شخص نے حضرت عطاء سے پوچھا: ''کیا مرغی کا انڈا حرم کی کبوتری کے نیچے سے نکلوا سکتے ہیں؟''

آپؒ نے فرمایا: ''میرے خیال میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔''

ایک قریشی لڑکے نے حرم کا کبوتر مار دیا تو حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے فرمایا: ''ایک بکری بطور فدیہ دے۔''

ہم نے مکہ کے کبوتروں میں کچھ خاص باتیں دیکھی ہیں۔

۱۔ حرم کا کبوتر غیر کبوتروں کے ساتھ میل نہیں کھاتا خواہ اسے کتنے ہی دنوں کیوں نہ قفس میں بند رکھا جائے مگر یہ ایک طویل عرصہ تک وہ قید رہے۔

۲۔ حرم کا کبوتر دوسرے کبوتروں کے ساتھ دانہ چگنے میں شریک ہو جاتا ہے مگر پروردہ کبوتر حرم کے کبوتروں کے کھانے دانے میں شرکت نہیں کرتے۔

۳۔ حرم کے کبوتر کھانے کے بڑے لالچی ہیں۔ اگر کھاتے کو اڑا دیا جائے تو تھوڑی دیر بعد فوراً لوٹتا ہے۔

۴۔ حرم کے کبوتر، پالتو کبوتروں سے زیادہ قوی، زیادہ پرواز کرنے والے، تیز نظر اور زیادہ ہشاش بشاش ہوتے ہیں۔ دانے کے لیے دوسرے کبوتروں سے خوب لڑتے ہیں۔

۵۔ جب کوئی حرم میں دانہ ڈالتا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ ہزاروں کبوتر ایک دم ٹوٹ پڑتے ہیں مگر ان میں کوئی بھی غیر جنس کا کبوتر نہیں ہوتا۔

۶۔ اگر کوئی شخص کسی خاص وقت پر دانہ ڈالنے لگے تو آپ دیکھیں گے کہ حرم کے کبوتر وہاں ٹھیک وقت پر آموجود ہوتے ہیں۔

۷۔ حرم کا کبوتر اپنا گھونسلہ ویرانے یا جنگل میں نہیں رکھتا۔ ہمیشہ آبادی گھروں، دروازوں اور چھتوں میں رکھتا ہے۔

۸۔ حرم کے کبوتروں کی خاص ہیئت اور خاص قسم کی طبیعت ہے جس میں کبھی کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

ان اوصاف میں حرم کا کبوتر امتیازی نشان رکھتا ہے لیکن دوسری صفات میں وہ عام کبوتروں کے ساتھ اشتراک فطرت رکھتا ہے مثلاً یہ کہ ایک ہی مادہ لیتا ہے اپنی مادہ سے محبت رکھتا ہے اور اس کے بارے غیرت مند ہوتا ہے۔

کعبہ پر کبوتروں کا نزول

عموماً لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حرم کا کبوتر خانۂ کعبہ پر نہیں گرتا اور اگر کبھی اس پر بیٹھتا ہے تو کسی بیماری سے شفا حاصل کرنے کے لیے بیٹھتا ہے۔

یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ حرم کے کبوتر خانۂ کعبہ پر بیٹھتے ہیں اگرچہ بہت ہی شاذ و نادر، ہاں دوسری قسم کے کبوتر خانۂ کعبہ پر نہیں بیٹھتے بلکہ باوجود مسجد حرام کی وسعت کے وہاں آتے بھی نہیں، اس کے تین سبب ہیں:

۱۔ کبوتر بلند مقام پر بیٹھنا چاہتا ہے اور کعبہ آس پاس کے مکانات کی نسبت سے بہت کم اونچا ہے۔

۲۔ تمام پرندازقسم کبوتر وغیرہ کسی پتھر کے فرش پر بیٹھنا پسند نہیں کرتے الا یہ کہ وہاں دانے پڑے ہوں، کبوتر تو مکانات سے نکلی ہوئی لکڑیوں، پتھروں، کنگروں اور رسیوں پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں جسے وہ اپنے پنجوں میں داب سکے۔

کعبہ میں کوئی چیز باہر کو نکلی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس پر حریر کا غلاف پڑا رہتا ہے پھر یہ کہ اس کی چھت چھوٹی سی ہے اور چکنے پتھر کا فرش ہے جو دھوپ میں تپتا ہے نہ اس پر دانے پڑے ہوتے ہیں البتہ کبھی کعبہ کے پرنالے پر بیٹھ جاتے ہیں کیونکہ وہ باہر کو نکلا ہوا ہے۔

۳۔ کبوتر سوراخوں، دروازوں، کھڑکیوں اور دیواروں کی درزوں پر بیٹھتا ہے اور کعبہ میں ایسی کوئی چیز نہیں۔

لوگوں کا یہ کہنا کہ کبوتر جب بیمار ہو جاتا ہے تو شفا حاصل کرنے کے لیے کعبہ پر بیٹھتا ہے یہ غلط ہے اور اس کی چند وجوہ ہیں:

۱۔ کوئی حیوان عقل نہیں رکھتا لہٰذا ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ طلب شفا کے لیے بیٹھتے ہیں نیز وہ غیر مکلف بھی ہیں مگر ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کبوتر کعبہ پر احتراماً نہیں چڑھتے پھر یہ کہ ہم

نے یہ بات کیسے جانی جبکہ نہ وہ ہماری بات سمجھتے ہیں نہ ہم ان کی۔

۲۔اگر کبوتر کا طلب شفا کے لیے کعبہ پر گرنا درست ہے تو ہمیں بتاؤ کہ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ کعبہ ایک مقدس مقام ہے اور وہ کیسے کعبہ پر اس کے غلاف پر اور مسجد حرام پر بیٹ کر جاتے ہیں۔

۳۔اگر حیوانات احترام کعبہ سے آشنا ہوتے تو بلیاں کیوں حرم سے شکار لے جایا کرتیں اور کعبہ کے اندر بیٹھ کر کیوں کبوتر کھاتیں اور کعبہ کی زمین کو خون اور پروں سے کیوں ملوث کرتیں۔اس قسم کے بہت سے واقعات ۱۰۳۹ھ میں ہوئے جبکہ سلطان مراد نے کعبہ کی تعمیر کرنی چاہی تھی اور ابھی لکڑی وغیرہ کا کوئی پردہ قائم نہیں ہوا تھا۔غازی نے اپنی کتاب افادۃ الانام میں شیخ محمد علی بن علان الصدیقی الشافعی کے رسالے سے اس قسم کے قصے نقل کیے ہیں۔

امام ازرقی نے ذکر کیا ہے کہ ''ابن زبیرؓ کے دور میں جب کعبہ میں آگ لگی اور کبوتر کعبہ سے اڑتے تو اس کے پتھر جھڑ جاتے۔''

ان باتوں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ عوام کا یہ عقیدہ بے بنیاد ہے کہ کبوتر شفا حاصل کرنے کے لیے کعبہ پر بیٹھتے ہیں۔

مقام ابراہیمؑ

کعبہ و مسجد حرام کا ہم تفصیلی ذکر کر چکے ہیں۔اب ہم مقام ابراہیمؑ کا ذکر کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ۔

ترجمہ:''جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرجع اور امن کی جگہ بنایا۔بناؤ مقام ابراہیمؑ کو نماز کی جگہ۔''

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے یہاں مِنْ تبعیضیہ (جو بعض کے معنی دیتا ہے) بعض نے اسے زائد کہا ہے جیسا کہ اخفش کا مذہب ہے۔بعض نے کہا ہے کہ یہ مَنْ فی (میں کے) معنی میں ہے مگر یہ تمام اقوال بعید ہیں،قریب ترین بات یہ ہے کہ یہ عند (نزدیک) کے معنی میں ہے اور مقام میم کے فتح اور میم کے پیش دونوں میں ہے۔

مقام سے آیت میں کیا مراد ہے؟اس کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ پوری مسجد ابراہیم ہے،بعض نے کہا ہے کہ پورا حرم مقام ابراہیمؑ ہے،بعض نے کہا ہے کہ منیٰ و مزدلفہ اور عرفہ بھی مقام ابراہیمؑ میں داخل ہے،بعض کے نزدیک مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جو حضرت اسماعیلؑ کی بیوی نے حضرت ابراہیمؑ کا سر دھلاتے وقت ان کے قدموں کے نیچے دھرا تھا۔بعض نے کہا ہے مقام ابراہیمؑ وہ پتھر ہے جس پر آپؑ نے بنائے کعبہ کے وقت کھڑے ہو کر تعمیر کی تھی،یہ پتھر خود بخود حسب ضرورت اونچا ہوتا جاتا تھا۔

اس کے بارے میں صاحب نظم عمود النسب کہتا ہے:

وکل طال البناء ارتفعا　　بہ المقام فی الھوا ورفعا

جس قدر تعمیر بلند ہوتی یہ پتھر اسی قدر بلند ہوتا جاتا۔

بہر حال یہ آخری قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ آیت سے محسوس ہوتا ہے کہ کسی خاص مقام کا تذکرہ کیا جا رہا ہے اور اس کے پاس نماز ادا کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے۔ویسے اگر ہم اس کے لغوی معنی پر غور کریں تو ہر اس مقام کو مقام ابراہیم کہہ سکتے ہیں جہاں کہیں بھی آپؑ کھڑے ہوئے مگر مندرجہ ذیل آیتوں پر غور کرنے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ مقام ابراہیم سے کوئی مخصوص مقام مراد ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ فِیْہِ اٰیٰتٌ'' بَیِّنٰتٌ'' مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ۔

ترجمہ:''پہلا گھر جو مکہ میں قائم کیا گیا وہ مبارک ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت والا ہے اس میں واضح نشانیاں ہیں اور وہاں مقام ابراہیم بھی ہے۔''

نیز یہ آیت بھی ملاحظہ ہو۔

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلےٰ۔

ترجمہ:''بنا لو مقام ابراہیم کو جائے نماز۔''

اس امر کی تائید حضرت جابرؓ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے،جب نبی علیہ السلام نے طواف کیا تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا۔

''کیا یہ ہمارے باپ کا مقام ہے؟''

آپؐ نے فرمایا۔ ''ہاں''۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ ''کیا ہم اسے جائے نماز نہ بنالیں؟''

تو یہ آیت نازل ہوئی:

واتخذوا من مقام ابراهیم مصلیٰ۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مقام کے پاس سے گزرے، حضرت عمرؓ آپ کے ساتھ تھے، انہوں نے دریافت کیا۔ ''یارسول اللہ ﷺ کیا یہ ہمارے باپ ابراہیمؑ کا مقام نہیں ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''ہاں۔''

حضرت عمرؓ نے دریافت کیا۔ ''کیا ہم اسے مصلیٰ نہ بنالیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''مجھے اس کے بارے میں حکم نہیں دیا گیا ہے۔'' مگر سورج غروب نہ ہوا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

بخاری میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا: ''میں نے پروردگار کے ساتھ تین باتوں میں موافقت کی یا پروردگار نے میرے ساتھ تین باتوں میں موافقت کی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ کیا ہم مقام ابراہیمؑ کو مصلیٰ نہ بنالیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔''

واتخذ وا من مقام ابراهیم مصلےٰ۔ (الحدیث)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رکن کو چوما۔ پھر آپؐ نے تین بار رمل کیا اور چار بار سادہ طور سے چلے پھر مقام ابراہیم پر آئے اور یہ آیت پڑھی۔

واتخذ وا من مقام ابراهیم مصلےٰ اور وہاں دو رکعت پڑھیں۔

ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ ٹکڑا ایک بڑی حدیث کا ہے جسے مسلم نے اپنی صحیح میں حاتم بن اسماعیل سے روایت کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی جائے، اس کا سامنا ضروری نہیں ہے کیونکہ مقام ابراہیم ہاتھ بھر کا چھوٹا سا پتھر ہے اس پر ایک شخص بھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔

حدیث میں ہے کہ رکن اور مقام جنت کے یاقوت ہیں، اللہ نے ان کے نور کو کم کر دیا

ہے ورنہ یہ بڑے منور ہوتے۔ یہ روایت ترمذی، احمد، حاکم اور ابن حبان نے کی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے معجزات سے یہ بات ہے کہ اس پتھر پر آپؑ کے قدم کے نشان پڑ گئے جو آج تک باقی ہیں اگرچہ لوگوں کے چھونے کی وجہ سے اس کی اصلی ہیئت میں بہت کچھ تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ اہل عرب جاہلیت کے دور میں بھی اس بات کا ذکر کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابوطالب نے اپنے لامیہ قصیدہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

وموطی وابراهیم فی الصخر رطبة   علیٰ قدمیه حافیاً غیر ناعل

(ابراہیم کے نقش قدم پتھر میں پڑ گئے، حالانکہ آپ ننگے پاؤں تھے)

لہٰذا مقام ابراہیم یہی پتھر ہے اور حجر اسود بھی ہمیشہ سے محترم رہا ہے گو ہمارے اور ابراہیمؑ کے درمیان چار ہزار سال کا فاصلہ ہو گیا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اہل مکہ اور اہل عرب اگرچہ پتھروں کو پوجتے تھے مگر کبھی کسی نے حجر اسود یا مقام ابراہیم کو نہیں پوجا اگرچہ ان دونوں کا وہ احترام کرتے چلے آئے ہیں۔

شاید اس میں اللہ کی یہ حکمت ہو کہ ان کی جاہلیت میں عبادت ہوئی اور اسلام ان کے احترام کو باقی رکھتا تو کافر کہتے کہ دیکھو اسلام بھی شرک سے پاک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پتھروں کو ابراہیمؑ کے دور سے آج تک محفوظ کر دیا ہے۔ جس طرح کہ بیت اللہ کو اس کے پوجے جانے سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔

توصیف مقام

امام ازرقی المتوفی ۲۴۰ھ اپنی کتاب اخبار مکہ کی دوسری جلد کے صفحہ ۲۹ پر رقم طراز ہیں۔ ''میں کہتا ہوں کہ مقام ابراہیم کل ایک ہاتھ کا ہے اور مربع ہے، بالائی حصہ چودہ انگل چوڑا اور چودہ انگل لمبا ہے اور نیچے سے بھی اسی قدر ہے، اس کے نیچے اوپر کے دو طوق ہیں، دونوں طوقوں کا درمیانی حصہ بقدر مقام کھلا ہوا ہے۔ سونے کا طوق امیر المومنین متوکل علی اللہ نے چڑھوایا۔ اس سے پیشتر مقام کا طول نو انگل اور عرض دس انگل تھا۔ قدم مبارک پتھر کے اندر دھنسے ہوئے ہیں اور ترچھے ہیں، دونوں قدموں کے درمیان دو انگل کا فاصلہ ہے، بیچ کا حصہ لوگوں کے چھونے کی وجہ سے گھس گیا ہے۔ یہ پتھر ٹال کی مربع لکڑی میں دھرا ہے جس کے

اردگرد رنگ چڑھا ہوا ہے، اس پر ایک ٹال کا صندوق ہے جس کے نیچے دو زنجیریں لگی ہوئی ہیں اور جن میں دو تالے ڈال دیئے جاتے ہیں۔''

ابن جبیر الاندلسی لکھتا ہے:''وہ ۵۷۸ھ میں حج کرنے آیا تھا۔ یہ مقام جو قبہ کے اندر ہے مقام ابراہیم ہے، یہ پتھر چاندی سے ڈھکا ہوا ہے اس کی بلندی تین بالشت اور وسعت دو بالشت ہے، اوپر کا حصہ نیچے کے حصے سے زیادہ وسیع ہے۔ دونوں قدم اور انگلیوں کے نشانات بالکل واضح ہیں۔ اس مقام کے لیے ایک لوہے کا قبہ بنایا گیا ہے جو زمزم کے قبے کے پاس رکھا ہوا ہے، جب حج کا زمانہ آتا ہے اور لوگوں کی کثرت ہو جاتی ہے تو لکڑی کا قبہ اٹھا لیا جاتا ہے اور لوہے کا قبہ رکھ دیا جاتا ہے۔''

تقی الفاسی شفاء الغرام میں، قاضی عزالدین بن جماعہ سے روایت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔''جس زمانے میں میں مکہ میں رہتا تھا یعنی ۷۵۳ھ میں تو میں نے مقام ابراہیم کا زمین سے بلندی کا اندازہ لگایا تو وہ ۷/۸ ذراع تھی (ذراع برابر آدھ گز ہوتا ہے) مقام کا اوپر والا حصہ مربع ہے اور ۳/۴ ذراع ہے اس کے اردگرد چاندی چڑھی ہے۔''

شیخ حسین عبداللہ باسلامۃ اپنی کتاب تاریخ مسجد حرام کے صفحہ ۱۵۱ پر لکھتے ہیں:

''مقام ابراہیم ایک قسم کا نرم پتھر ہے جیسے پانی کے پتھر ہوتے ہیں۔ یہ سخت قسم کا پتھر نہیں ہے، یہ پتھر مربع ہے۔ طول، عرض اور بلندی میں پچاس سینٹی میٹر کے بیچ میں حضرت ابراہیمؑ کے دونوں قدموں کے نشان ہیں جو بیضوی مستطیل صورت میں کھدے ہوئے ہیں۔ چونکہ لوگوں نے انہیں کثرت سے چھوا اور زمزم کا پانی بھر بھر کر پیا، لہٰذا اب یہ ایک گڑھے کی صورت میں ہو گئے ہیں، میں نے اپنی آنکھوں سے ۱۳۳۲ھ میں شیخ محمد صالح شیبی کے ساتھ اس مقام کی زیارت کی تو اسے چاندی کے فریم میں دیکھا۔ اس کا رنگ سپیدی اور زردی کے درمیان ہے اور قدموں کے نشان ہیں۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری میں امام جوزی سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابراہیمؑ کے قدموں کے اثرات بہت ہلکے ہیں اور اب تک موجود ہیں اور اہل مکہ ان کے شناسا رہے ہیں۔'' چنانچہ ابو طالب کہتے ہیں:

وموطئ ابراھیم فی الصخر رطبۃ — علی قدمیہ حافیاً غیر ناعل

پتھر میں ابراہیم کے قدم کے نشان ہیں جبکہ آپ ننگے پاؤں بغیر جوتے کے تھے۔''

ابن وہب کے مؤطا میں یونس بن شہاب بن انس سے روایت ہے کہ''میں نے مقام ابراہیم کو دیکھا اس پر آپؑ کی انگلیوں اور تلووں کے نشانات تھے مگر لوگوں کے چھونے سے مٹے مٹے ہو گئے ہیں۔''

طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''آیت **واتخذ وامن مقام ابراھیم مصلی**'' میں لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ''وہ اس کے پاس نماز پڑھیں اس کے چھونے کا حکم نہیں دیا گیا جن لوگوں نے آپؑ کی ایڑی اور انگلیوں کے نشانات دیکھے ہیں انہوں نے بیان کیا ہے کہ لوگوں کے چھونے سے نشانات مٹ گئے ہیں۔''

ہم نے تمام مؤرخین کے اقوال بغیر کسی اضافۂ و تشریح کے درج کر دیئے ہیں۔

یہ پتھر ایک اور سپید سنگ مرمر کے پتھر کے اندر نصب ہے جو ہر طرف سے ایک میٹر لمبا چوڑا ہے اور زمین سے چھتیس سینٹی میٹر بلند ہے۔ اس پتھر کے اردگرد لکڑی کا صندوق ہے جو حرم کی صورت میں ہے اور قد آدم بلند ہے۔ اس میں سوائے ایک چھوٹے سے دروازے جس سے مقام دکھائی دیتا ہے کوئی روشندان نہیں، اس صندوق پر ہر طرف چاندی چڑھی ہے اور اس کے مشرقی جانب یہ عبارت لکھی ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط انّ اوّل بیت وضع للنّاس للذی ببکۃ مبارکاً وھدی اللّعالمین فیہ آیات بینات مقام ابراھیم و من دخلہ کان آمنا وللہ علی النّاس حجّ البیت من استطاع الیہ سبیلا.

ترجمہ:''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے اور اسی سے ہدایت ملتی ہے۔ بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا مکہ میں ہے جو مبارک ہے اور لوگوں کے لیے باعث ہدایت ہے، اس میں واضح نشانیاں ہیں، وہاں مقام ابراہیم ہے جو اس میں داخل ہو گا مامون ہو گا اور لوگوں پر اللہ کے لیے حج کرنا ضروری ہے بشرطیکہ وہ راستہ کی قدرت رکھتے ہوں۔

کتبہ الحافظ اسمٰعیل الرھدی ادنوری خوجہ کتبہ عام الف ومأتین وثمان وعشرین.

حافظ اسماعیل زہدی اور نوری خوجہ نے ۱۲۲۸ھ میں لکھا۔

باہر سے صندوق پر چاندی چڑھی ہے اور اس پر یہ عبارت لکھی ہے:

"صاحب خیرات وحسنات سلطان بروبحر فاتح حرمین غازی سلطان محمود خان ابن عبدالحمید خان دام ملکہ ۱۲۲۸ھ۔"

اس عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس صندوق پر چاندی مذکورہ بالا بادشاہ نے چڑھائی، اندر سے یہ صندوق معمولی ہے نہ اس پر کچھ لکھا ہے نہ نقش ونگار ہیں۔

یہ صندوق چاروں طرف سے زمین تک حریر کے غلاف سے ڈھکا ہوا ہے جس پر کچھ قرآنی آیات لکھی ہیں۔ یہ آیتیں ۱۳۴۸ھ میں میں نے لکھی تھیں اور مکہ کے دارالکسوہ میں یہ غلاف بنایا گیا تھا۔ جب سے اب تک یہ غلاف بحالہ باقی ہے۔ اس کا رنگ وغیرہ نہیں بدلا۔ پھر اس صندوق کے اردگرد چاروں طرف لوہے کا جنگلہ ہے جس پر سبز رنگ پھرا ہوا ہے۔

مقام ابراہیم کا رنگ زردی اور سرخی کے درمیان ہے مگر سپید رنگ سے زیادہ قریب ہے اور کمزور سے کمزور آدمی بھی اسے اٹھا سکتا ہے۔

اس پتھر کی بلندی بیس سینٹی میٹر ہے اور بالائی تین ضلعوں کا طول چھتیس سینٹی میٹر اور چوتھے ضلع کا طول اڑتیس سینٹی میٹر ہے۔ گویا کل بلندی ایک سو چھیالیس سینٹی میٹر ہے۔ نیچے کا حصہ اوپر کے حصہ سے زیادہ وسیع ہے اس کا پورا محیط ایک سو چھیالیس سینٹی میٹر ہے۔

اس متبرک پتھر میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قدم کوئی اس پتھر کی نصف بلندی تک دھنس گئے تھے کیونکہ ایک قدم کی گہرائی دس سینٹی میٹر ہے اور دوسرے کی نو سینٹی میٹر ہے۔ انگلیوں کے نشانات لوگوں کے چھونے اور امتداد زمانہ سے مٹ گئے ہیں۔ البتہ ایڑیوں کے نشانات بہت غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتے ہیں۔

دونوں قدموں کا طول ستائیس سینٹی میٹر ہے اور عرض چودہ سینٹی میٹر ہے دونوں ضلعوں کے درمیان ایک سینٹی میٹر کا فاصلہ ہے۔ یہ فاصلہ بھی لوگوں کے چھونے کی وجہ سے بہت باریک پڑ گیا ہے۔ اسی طرح دونوں قدموں کا طول اور عرض لوگوں کے چھونے کی وجہ سے بڑھ گیا ہے۔ گو قدم شریف پر چار ہزار سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر پھر بھی نشانات قدم باقی ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک اسی طرح باقی رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فیہ آیات بینات مقام ابراھیم.

(اس میں واضح نشانیاں ہیں، مقام ابراہیمؑ ہے۔)

مقام کا پورا پتھر خالص چاندی سے مڑھا ہوا ہے لہٰذا پتھر کی اصلیت صرف قدموں کے نشان اور ان کے اطراف سے ظاہر ہوتی ہے۔ دونوں قدموں کا باطنی حصہ برابر نہیں ہے بلکہ دونوں کے اندر کچھ ابھار ہیں۔ دونوں قدموں کے اردگرد چاندی کے اوپر خط ثلث میں نہایت واضح طور پر آیت الکرسی لکھی ہے اور خط ثلث میں چاروں طرف یہ آیتیں بھی لکھی ہیں:

ان ابراھیم کان امۃ قانتاً للہ حنیفاً ولم یک من المشرکین شاکراً لانعمہ اجتباہ وھداہ الیٰ صراطٍ مستقیم. و آتیناہ فی الدنیا حسنۃ وانہ فی الآخرۃ لمن الصالحین ط

ترجمہ: "ابراہیم اللہ کا مخلص خشوع وخضوع والا بندہ تھا۔ وہ مشرکین سے نہ تھا۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار تھا۔ اس نے اسے چنا اور سیدھی راہ کی ہدایت کی۔ ہم نے اسے دنیا میں نیکی دی اور وہ آخرت میں نیک بندوں سے ہے۔"

پھر اس کے بعد یہ عبارت لکھی ہے:

"سطح قدم شریف کی تجدید صرف اللہ کی رضامندی اور اس کے دوست کی محبت کی خاطر بحکم مولانا سلطان مصطفیٰ خان بن سلطان محمد خان دام عزہ ونصرہ ۱۱۱۳ھ میں ہوئی۔"

چاندی پر کچھ نقش ونگار بھی ہیں مگر چاندی کا وہ حصہ جو قدموں کے نیچے ہے اس پر نہ نقش ہیں نہ کچھ لکھت ہے۔

چونکہ پورا مقام ابراہیم چاندی سے مڑھا ہوا ہے اور بڑی مضبوطی کے ساتھ گڑا ہوا ہے کہ اسے ہلایا بھی نہیں جا سکتا اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس میں کس مقام پر ٹوٹ پھوٹ یا جوڑ وغیرہ ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے سلاطین اسلام کو اس مقدس یادگار کی حفاظت کی توفیق دی اور یہ مقدس یادگار عرب کے سپرد کی جس پر عرب جتنا بھی چاہے فخر کر سکتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کو دیکھ کر اندازہ لگا ہے وہ یہ ہے کہ آپؑ کا قد آج کل کے میانہ قد انسان کا سا تھا۔ نہ آپؑ زیادہ لمبے تھے نہ چھوٹے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت محمد

ﷺ کے مشابہ تھے۔ بخاری کے باب ''ابتدائے پیدائش'' میں جو آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ وابراہیمؑ کی توصیف کی ہے:

فرماتے ہیں۔ ''میں نے ابراہیمؑ کو دیکھا، میں آپؑ کی اولاد میں آپؑ سے سب سے زیادہ مشابہ ہوں۔''

دوسری حدیث میں ہے:

''ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا ہو تو مجھے دیکھ لو۔''

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ ''ہمارے نبی ﷺ کے قدم مبارک ابراہیم خلیل اللہ کے قدم کے مشابہ ہیں۔ اسی کی طرف صاحب عمودالنسب نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

وکلما طال البناء ارتفعا	جتنی تعمیر بلند ہوتی گئی
بہ المقام فی الھویٰ ورفعا	مقام بھی بلند ہوتا گیا حتیٰ کہ
بہ القواعد وفیہ القدم	بنیادیں بلند ہوگئیں اور وہاں قدم ہے
تشبھا للھاشمی قدم	جو بنی ہاشم کے قدم کے مشابہ ہے

مقام کا مقام

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مقام ابراہیمؑ کا اصلی مقام کون سا ہے۔ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے دور میں مقام بیت اللہ کے پاس دھرا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے یہاں سے ہٹا دیا۔ محب طبری نے حضرت امام مالک سے اپنی کتاب ''مدونہ'' میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''مقام ابراہیم، زمانۂ ابراہیم میں اسی جگہ دھرا تھا جہاں اب ہے، جاہلی دور میں لوگوں نے اسے خانۂ کعبہ سے ملا کر رکھ دیا کہ کہیں سیلاب میں بہہ نہ جائے۔ رسول اللہ ﷺ اور عہد ابی بکر میں وہ یہیں رکھا تھا۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے اسے اس کے اصلی مقام پر پہنچا دیا۔

امام ازرقی نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی ہے کہ آج کل جس جگہ مقام دھرا ہے وہی جاہلیت میں اس کا مقام تھا۔ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے دور میں بھی وہ اسی جگہ رہا حتیٰ کہ

خلافت عمرؓ میں سیلاب اسے بہا کر لے گیا اور کعبہ کے سامنے لا ڈالا، حضرت عمرؓ نے اسے صحابہ کے سامنے اس کے اصلی مقام پر رکھ دیا۔

بخاری اپنی کتاب مناع الکرم میں لکھتا ہے۔ ''امام نووی سے روایت ہے کہ مقام ابراہیم جس جگہ آج کل ہے اسی جگہ دور جاہلیت میں تھا، رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی اور اس کے بعد بھی اسی جگہ رہا، کبھی یہاں سے نہیں ہٹا البتہ حضرت عمرؓ کے دور میں سیلاب آیا تھا تو یہاں سے ہٹ گیا تھا۔ آپ نے اسے اس کی اصلی جگہ پر رکھ دیا اور وہ اب تک اپنی اسی اصلی جگہ پر ہے جہاں کہ تھا۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے۔ ''مقام ابراہیم حضرت ابراہیمؑ کے عہد سے حضرت عمرؓ کے دور تک خانۂ کعبہ کے متصل تھا حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے اسے اس مقام پر رکھ دیا جہاں کہ آج کل ہے۔ ابن ابی حاتم سے روایت ہے کہ مقام ابراہیم خانۂ کعبہ کے پاس تھا، حضرت عمرؓ نے اسے ہٹا دیا، سیلاب آیا تو بہا لے گیا۔ آپؓ نے پھر اسی جگہ رکھ دیا۔ سفیان کہتے ہیں۔ ''مجھے معلوم نہیں کہ وہ بیت اللہ کے بالکل متصل دھر تھا یا اس سے علیحدہ تھا۔''

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اس فعل پر کسی نے اعتراض نہیں کیا لہٰذا اس پر گویا اجماع ہو گیا، حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا کہ کعبہ کے متصل مقام کے دھرے رہنے سے طواف کرنے والوں کو تکلیف ہوگی، لہٰذا آپ نے اسے وہاں سے ہٹوا دیا۔ آپ ہی نے تو اسے مصلیٰ بنانے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

حافظ عمادالدین ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"واذ جعلنا البيت مثابةً للناس و امنا"

''مقام ابراہیم خانۂ کعبہ کے بالکل متصل تھا اور آج کل وہ حجر کے قریب رکھا ہے، حضرت ابراہیمؑ جب تعمیر سے فارغ ہو گئے تو آپؑ نے اسے یہاں چھوڑ دیا تھا یا دیوار کعبہ سے ملا کر رکھ دیا تھا۔ امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب نے اسے ہٹا دیا جن کے اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور جن کی مرضی کے مطابق اس سلسلہ میں وحی کا نزول ہوا تھا۔

ابن کثیر اپنی تفسیر میں "ان اللہ یا مرکم ان تؤدو االامانات" کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ ''جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور عثمان بن ابی الفتح سے کعبہ کی کنجی لی اور کعبہ کا

دروازہ کھولا تو بتوں کے ساتھ مقام ابراہیمؑ کو بھی باہر رکھ دیا اور دیوار کعبہ کے برابر رکھ دیا اور فرمایا: اے لوگو! یہ قبلہ ہے۔"

یہ پوری روایت تفصیل کے ساتھ دوسری جلد کے ۴۹۲ صفحہ پر ہے۔ ہم نے مختصراً درج کی ہے۔

عمری نے مسالک الابصار میں لکھا ہے:

"مقام ابراہیم۔ خلوق (غار کعبہ) کے پاس تھا، رسول اللہ ﷺ نے طواف سے فارغ ہوکر یہاں نماز پڑھی تھی اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی تھی

واتخذوا من مقام ابراهيم مصلىٰ.

پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے اس مقام پر رکھ دیا جہاں وہ آج کل ہے یعنی کعبہ سے بیس ہاتھ کے فاصلہ پر۔

ابن سراقہ نے روایت کی ہے کہ "باب کعبہ اور مصلائے ابراہیم کے درمیان نو ہاتھ کا فاصلہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے طواف سے فارغ ہونے کے بعد یہاں نماز پڑھی اور آیت "**واتخذ وا من مقام ابراهيم مصلىٰ**" نازل ہوئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر اسے رکھ دیا جہاں وہ اب ہے یعنی بیس ہاتھ کے فاصلہ پر تاکہ طواف کرنے والوں کو دشواری نہ ہو۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں سیلاب اس پتھر کو مکہ کے زیریں علاقہ کی طرف لے گیا تو حضرت عمرؓ اسے اٹھالائے اور اسی مقام پر رکھ دیا جہاں رسول اللہ ﷺ نے رکھا تھا۔ (تاریخ عمارت مسجد حرام)

مقام کے بارے میں صحیح قول

ہم نے مذکورہ بالا اقوال بغیر کسی حاشیہ وشرح کے نقل کر دیئے اب ہم اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

حدود حرم کے گزشتہ بیان کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان امور پر غور کیجئے کہ بیت اللہ کی جگہ پہلے ایک بلند ٹیلہ تھا جہاں ریت اور کنکریاں تھیں اور حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کو گٹے چونے سے نہیں بنایا تھا نہ اس پر چھت ڈالی تھی اور یہ کہ دور جاہلیت میں لوگ کعبہ کے سائے میں بیٹھا

کرتے تھے اور یہ کہ مسجد حرام چھوٹی سی تھی اور اس کے اردگرد کوئی چار دیواری نہ تھی حتیٰ کے حضرت عمرؓ نے ایک چھوٹی سی دیوار بنائی اور اس میں توسیع کی۔

ان باتوں پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صحیح بات وہ ہے جو بیہقی نے اپنی سنن میں ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کے زمانے میں مقام، کعبہ کے پاس دھرا تھا حضرت عمرؓ نے اسے یہاں سے اٹھوا دیا۔ اسی طرح ابن حجر العسقلانی کہتا ہے کہ مقام، دور ابراہیمی میں خانۂ کعبہ کے متصل تھا حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے اسے یہاں سے ہٹوا دیا۔ یہی بات ابن کثیر نے بیان کی ہے کہ مقام، خانۂ کعبہ کے پاس تھا حضرت عمرؓ نے اسے ہٹا دیا۔

ابن کثیر کا بیان بہت واضح ہے بالخصوص ابن مرویہ کا یہ قول کہ مقام ابراہیم کعبہ کے اندر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نکال کر دیوار کعبہ کے پاس رکھ دیا۔

ہم ان ہی چاروں اقوال کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ یہ بات قرین عقل ہے کہ ابراہیمؑ نے تعمیر کے بعد یہ پتھر دیوار کے قریب ہی ڈال دیا ہوگا نہ یہ کہ اسے دور پھینک دیا ہوگا پھر یہ کہ یہ پتھر جنت کے یاقوتوں میں سے تھا اور خاتم النبیین کی امت کا اسے قبلہ بننا تھا۔

اس کی تائید تاریخ ازرقی کی جلد دوم کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ ابراہیمؑ نے مقام پر کھڑے ہو کر اعلان کیا "اے لوگو! اس گھر کی طرف حج کے لیے آؤ" جب آپ اس اعلان سے فارغ ہو گئے تو مقام کے بارے میں حکم دیا کہ اسے نماز کے لیے قبلہ بنایا جائے، ان کے بعد حضرت اسماعیلؑ بھی اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

اس بات پر غور کرنے سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے مقام کعبہ کے پاس ہی رکھوایا ہوگا۔ کئی گز دور اسے نہ پھینکا ہوگا۔ جاہلی دور میں بھی سیلاب کے خوف سے اسے کعبہ کی دیوار سے ملا کر رکھ دیا گیا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں سے نکال کر خانۂ کعبہ کی دیوار سے ملا کر رکھ دیا۔ اب بخاری کی روایت پر غور کرنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت نے اسے کیوں کعبہ سے دور رکھا اور اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ انہوں نے اس پتھر کو قابل احترام نہیں سمجھا بلکہ اپنے گھروں کے دروازے کے پاس پھینک دیا۔ وہ ایسا کیسے کر سکتے تھے جبکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ پتھر حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے۔

اسلام نے اس پتھر کے احترام کو اور زیادہ کر دیا۔ اگرچہ حجر اسود زیادہ محترم ہے کیونکہ وہ

یمین اللہ ہے اور جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، قیامت کے دن وہ سنے گا اور دیکھے گا اور جنہوں نے اسے چوما ہے ان کی گواہی دے گا، پیچھے زمانہ گزر چکا ہے کہ حجر اسود بھی جنت کا یاقوت ہے۔

حجر اسود اور مقام سب سے پرانے دینی مقدس پتھر ہیں۔ ان پر ہزاروں سال گزر چکے ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک وہ اسی طرح محترم رہیں گے۔

ازرقی نے حضرت عائشہؓ کی روایت درج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"حجر اسود کو اکثر بوسہ دیا کرو کیونکہ وہ زمانہ آنے والا ہے کہ تم لوگ ایک شب طواف کرتے ہوئے ہوگے اور وہ غائب ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ جنت کی کوئی بھی چیز زمین پر نہیں چھوڑے گا حتیٰ کہ اسے قیامت کے آنے سے پہلے اٹھا لے گا۔"

ازرقی نے عبداللہ بن عمروؓ بن العاصؓ کی روایت درج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت سے قبل اللہ تعالیٰ قرآن کو لوگوں کے سینوں سے اٹھا لے گا اور حجر اسود کو بھی اٹھا لے گا۔"

مقام ابراہیم کا موجودہ مقام

مقام ابراہیم کو موجودہ مقام پر رکھنے والے حضرت عمرؓ بن الخطاب ہیں۔

ان کی خلافت کے زمانہ میں وہ سیلاب آیا تھا جو ام نہشل کے سیلاب کے نام سے مشہور ہے، یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے، سیلاب مسجد حرام میں داخل ہو گیا اور مقام کو بہا کر لے گیا جب پانی خشک ہو گیا تو لوگوں نے اسے مکہ کے زیریں علاقہ میں پایا۔ لوگ اسے اٹھا کر لائے اور کعبہ کے سامنے لگا دیا اور اس کے پردوں سے اسے باندھ دیا۔ اس وقت حضرت عمرؓ مدینہ میں تھے۔

آپؓ کو پتہ چلا تو گھبرا گئے اور فوراً وہاں سے روانہ ہوئے اسی سال رمضان کے مہینہ میں عمرہ کی حالت میں آپؓ مکہ میں داخل ہوئے، جب مسجد حرام میں داخل ہوئے تو حجر میں کھڑے ہو کر آپؓ نے فرمایا:

"میں خدا کی قسم دیتا ہوں اس شخص کو جسے اس مقام کا کچھ علم ہو کہ وہ مجھے اس کا اصلی مقام بتائے۔"

یہ سن کر مطلب بن وداعۃ اسہمی آگے بڑھے اور عرض کی۔ "امیر المومنین! مجھے اس کا پورا

علم ہے۔ مجھے یہ خطرہ لاحق ہوا تھا کہ اس مقام کے ساتھ کوئی ایسا ہی واقعہ پیش آئے گا لہٰذا میں نے اس کے مقام کی صحیح پیمائش کر لی تھی اور وہ پیمائش میرے گھر میں دھری ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میرے پاس بیٹھ جاؤ اور وہ ناپ اپنے گھر سے منگاؤ۔"

چنانچہ وہ رسی منگوائی گئی۔ آپؓ نے اسے دراز کیا تو موجودہ مقام تک پہنچی پھر لوگوں سے مشورہ کیا اور دریافت کیا تو انہوں نے کہا "ہاں یہی اس کا صحیح مقام ہے۔"

جب آپؓ کو اس کا پورا پورا یقین ہو گیا تو اسے موجودہ مقام پر رکھ دیا۔

(دیکھو تاریخ ازرقی۔ ہم نے یہ بیان مختصراً لیا ہے)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ام نہشل کے سیلاب سے پہلے مقام ابراہیم اسی مقام پر تھا اور حضرت عمرؓ نے اسے اس کے اصلی مقام پر دھرا ہے۔ یہ بات ابن ابی ملیکہ العمری اور ابن سراقہ کے قول کے مطابق ہے جنہیں ہم پہلے درج کر چکے ہیں۔ اگر بالفرض محال سیلاب سے قبل یہ مقام، موجودہ مقام پر نہ تھا تب بھی چونکہ حضرت عمرؓ نے بمشورۂ صحابہ اسے یہاں رکھا ہے لہٰذا ہمیں ان کا اتباع کرنا چاہیے اور ان کے طریقۂ کار کو درست سمجھنا چاہیے۔

اگر حضرت عمرؓ نے طواف کرنے والوں کی سہولت کی بناء پر مقام کو یہاں تک ہٹایا جیسا کہ ابن حجر عسقلانی کہتا ہے تب بھی ہم کہیں گے کہ حضرت عمرؓ نے اس کے صحیح مقام ہی پر اسے دھرا ہے اور یہ آپؓ کی کرامت ہے کہ اسے اس کے صحیح مقام پر رکھ دیا۔ اگر آج یہ مقام خانۂ کعبہ کے پاس ہوتا تو بتایئے لوگ کیسے طواف کرتے اور کیسے نماز پڑھتے۔

اگر حضرت عمرؓ ہمارے دور میں زندہ ہوتے اور حاجیوں کی اس قدر کثرت دیکھتے تو ضرور اس مقام کو یہاں سے بھی دور رکھا دیتے۔ واللہ اعلم۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے فضائل کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس شخص کے فضائل کا کون احاطہ کر سکتا ہے جس کی رائے کے مطابق قرآن نازل ہوتا ہو حتیٰ کہ اس مقام کے بارے میں بھی آپ ہی کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی۔ آپ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی یہی حدیث بہت کافی ہے کہ فرمایا۔ "ہر قوم میں مجدد ہوتے ہیں میری امت میں عمرؓ مجدد ہیں۔" ایک اور ارشاد ہے "اللہ نے حق کو عمرؓ کی زبان اور اس کے دل پر جاری کر دیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کو جزائے خیر دے۔

اضافہ عمرؓ

جب حضرت عمرؓ مقام کے معاملہ سے فارغ ہوگئے تو آپ نے دیکھا کہ کثرت حجاج کی وجہ سے مسجد حرام تنگ ہوگئی ہے۔ لہٰذا آپ نے آس پاس کے گھر خرید کر مسجد میں شامل کر دیئے اوراس کے اردگرد ایک دیوار قد آدم سے کم بنادی اور آنے جانے کے لیے دروازے بنا دیئے مگر چھت نہ ڈالی، چھت حضرت عبداللہ بن زبیر نے ڈالی جبکہ آپ نے اس میں اضافہ کرایا، پتا نہیں پوری چھت ڈلوائی تھی یا تھوڑی؟

پھر عبدالملک بن مروان نے اس کی دیواریں بلند کرائیں اور خوبصورت عمارت بنوائی مگر کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا۔ (مزید تفصیلات کے لیے تاریخ کی کتابیں دیکھیے)

حضرت عمرؓ سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مسجد حرام میں اضافہ کیا، سب سے پہلے آپ ہی نے مسجد کی چاردیواری بنوائی اور سب سے پہلے سیلاب کی رکاوٹ کے لیے آپ ہی نے بند بندھوایا۔

سب سے پہلے مقام ابراہیم کو اس کے اصلی مقام پر رکھنے کے بعد آپ نے اس کے پیچھے نماز پڑھی، امام سیوطیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے سب سے پہلے مسجد حرام کی زمین پر کنکریاں ڈلوائیں، مگر سب سے پہلے مسجد نبوی میں کنکریاں ڈلوائی گئی تھیں۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ”ایک رات سخت بارش ہوئی، ہم صبح کی نماز کے لیے نکلے، لہٰذا لوگ اپنی اپنی چادروں میں کنکریاں اٹھا کر لائے اور اپنی اپنی جگہ پر بچھا کر نماز پڑھنے لگے۔“ رسول اللہ ﷺ نے جو یہ دیکھا تو فرمایا۔

”واہ کیا اچھا فرش ہے۔“ پھر حضرت عمرؓ بن الخطاب نے اپنے دور خلافت میں وادیٔ عقیق سے سنگریزے منگوا کر مسجد نبوی میں فرش کرایا۔

کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے توسیع کراتے وقت سب سے پہلے مسجد میں سائبان بنوائے۔ تاریخ المسجد الحرام کا مصنف، ابن فہد کی کتاب اتحاف الوریٰ سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ”۸۳۰ھ میں لوگوں نے مسجد حرام کو بیل سے جتوایا پھر اس میں کنکریاں ڈالیں۔“

بخاری، علامہ مرشدی سے روایت کرتا ہے کہ مسجد حرام کے چاروں راستے مع اس فرش

کے جو مقام حنفی کے پیچھے ہے اور جو اس کے دونوں جانب منبر کے سامنے ہے یہ سب کے سب فرش نئے بنائے گئے ہیں جبکہ مطاف میں سنگ مرمر کا فرش کیا گیا، یہ واقعہ ۱۰۰۳ھ کا ہے۔

لوگ مطاف میں سے جو پتھر وغیرہ اکھاڑتے تھے۔ انہیں ان مقامات پر ڈالتے جاتے تھے۔

تحصیل المرام میں مذکور ہے کہ لوگوں نے راستے بنائے اور باب الصفا والی راہ میں اضافہ کیا، باب علی کی راہ بنائی گئی، حرم کے بعض ستونوں کو درست کیا گیا، باب الزیادہ کے پاس چبوترہ بنایا اور اس کے اوپر فرش بنایا۔ یہ سب کام سلطان عبدالمجید خان کے حکم سے ۱۲۵۷ھ میں ہوئے۔

ایک لطیفہ:

ایک شخص نے عمر بن القیس سے دریافت کیا کہ ”حرم میں سجدہ کی حالت میں جو سنگریزے پیشانی، موزوں اور کپڑوں کو لگ جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟“ آپ نے فرمایا کہ ”انہیں جھاڑ دینا چاہیے۔“ وہ شخص بولا۔ ”سنا ہے کہ جب تک وہ سنگریزے حرم میں نہ لوٹائے جائیں چیختے رہتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا۔ ”تو انہیں چیخنے دے حتیٰ کہ چیختے چیختے ان کا حلق پھٹ جائے۔“ وہ شخص بولا۔ ”سبحان اللہ! سنگریزوں کے بھی کہیں حلق ہوتا ہے۔“ آپ نے فرمایا۔ ”تو پھر کیسے چیختے ہیں؟“

سد عمرؓ

حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مسجد حرام اور اس کے اردگرد کے علاقے میں سیلاب آتا رہتا ہے لہٰذا کسی طرح پانی کی راہ کو روکنا چاہیے تو آپ نے مدعا کی جانب یعنی مکہ کے بالائی حصے میں ایک بند باندھا اور اسے بڑے بڑے پتھروں اور مٹی اور سنگریزوں سے بنایا، اس کے بعد جیسا کہ ابوالولید نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ پانی اس پر نہ چڑھ سکا۔

۲۰۲ھ میں سیلاب ابن حنظلہ آیا اور اس سد کے کچھ پتھر ہٹ گئے تو بڑی بڑی چٹانیں نظر آئیں، دیکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ ہم نے اتنی بڑی بڑی چٹانیں نہیں دیکھیں۔ یہ سیلاب مامون الرشید کے دور میں آیا جبکہ مکہ کا گورنر یزید بن حنظلہ المخزومی تھا۔ لہٰذا اسے سیلاب ابن حنظلہ کہنے لگے۔ اس سیلاب کا پانی کعبہ کے چاروں طرف آگیا تھا اور رکن سے گز بھر کے فاصلہ تک پہنچ گیا تھا۔

حجر اسود کا فریم

سب سے پہلے حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے حجر اسود پر چاندی چڑھوائی وجہ یہ تھی کہ خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی جس سے رکن اسود بھی جل گیا تھا اور پھٹ کر تین ٹکڑے ہو گیا تھا لہٰذا آپ نے اسے چاندی سے بندھوا دیا۔

ابوعون نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا حجر اسود پھٹ گیا ہے اور جلنے کی وجہ سے سیاہ پڑ گیا ہے مگر اس کے داخلی حصہ کو دیکھو تو اب تک چاندی کی طرح چمکتا ہے۔

ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ جن لوگوں نے حجر اسود کو پورا دیکھا تھا میں نے ان سے سنا ہے کہ ان میں سے بعض لوگوں نے تو یہ کہا کہ جو حصہ حجر اسود کا دیوار کعبہ کے اندر ہے وہ سرخ ہے اور بعض نے کہا کہ سپید ہے۔

۱۲۶۸ھ میں سلطان عبدالمجید خاں نے سب سے پہلے حجر اسود کو سونے میں مڑھوایا۔ پھر ۱۲۸۱ھ میں سلطان عبدالعزیز خاں نے اسے چاندی سے مڑھوایا، پھر ۱۳۳۱ھ میں اس کی چاندی موجودہ چاندی سے بدلی گئی۔ یہ واقعہ سلطان محمد ارشاد خاں کے دور کا ہے پھر ۱۳۶۶ھ میں اس فریم کی اصلاح کی گئی۔

حجر اسود کی موجودہ شکل میں جگہ جگہ ٹوٹ پھوٹ کے نشانات ہیں، وجہ یہ کہ کئی بار بعض مجرموں نے اس پر حملے کئے جیسا کہ تاریخ میں مذکور ہے۔ آج سے ۷۱ سال پیشتر کی تصویر میں حجر اسود میں پندرہ جوڑ ملتے ہیں لیکن موجودہ دور میں صرف اس کے بعض ٹکڑے کھول دیئے گئے ہیں مکمل حجر اسود تو خانۂ کعبہ کی دیوار کے اندر ہے۔ کیونکہ دور حاضر میں بھی ایک مجرم نے حجر اسود پر حملہ کیا تھا اور اس سے کچھ ریزے اڑے تھے جنہیں موم وغیرہ سے جوڑ کر اندر بل لگا دیا گیا۔

مقام ابراہیم کا فریم

سب سے پہلے مقام ابراہیم کو امیر المومنین محمد المہدی العباسی نے سونے سے مڑھوایا، یہ واقعہ ۱۶۱ھ کا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوا تھا کہ مقام ابراہیم پر عرصۂ دراز گزرنے کی وجہ سے اس کے پھٹ جانے کا ڈر ہے تو اس نے ہزار دینار بھیجے جنہیں پگھلا کر مقام ابراہیم پر چڑھا دیا

گیا۔ پھر ۱۷۹ھ میں ہارون الرشید نے دیکھا سونے کا فریم ڈھیلا پڑ گیا ہے تو اس نے اس کی اصلاح کا حکم دیا۔ مقام ابراہیم میں ہیرے کے ذریعے سوراخ کیا گیا اور اس میں سونا پگھلا دیا گیا پھر امیر المومنین جعفر المتوکل نے اس سونے پر اچھا عمدہ سونا چڑھوایا اور خوب مضبوط کرا دیا۔ یہ واقعہ ۲۳۶ھ کا ہے۔

بیت اللہ کے خادموں نے مکہ کے گورنر علی بن الحسن العباسی سے ذکر کیا کہ مقام ابراہیم کے تلف ہو جانے کا خطرہ ہے تو اس نے دو فریم بنوائے ایک سونے کا اور ایک چاندی کا۔ یہ واقعہ محرم ۲۵۶ھ کا ہے، اس نے مقام کو دفتر امارات میں منگوایا اور گندھک کے ذریعہ ایسی جڑی بوٹیاں پگھلائی گئیں جن سے پتھر جڑ گیا ورنہ اس سے قبل اس کے سات ٹکڑے تھے اور امیر المومنین المعتمد العباسی کے غلام بشر نے اسے مضبوطی سے باندھا پھر اس پر دونوں طوق چڑھائے گئے اور اپنے مقام پر رکھ دیا گیا۔

یہ واقعہ پیر کے دن ۸ ربیع الاول ۲۵۶ھ میں ہوا۔ فاسی نے بیان کیا ہے کہ یہ فاکھی کے بیان کا خلاصہ ہے۔

اتحاف فضلاء الزمن کے مصنف نے ذکر کیا ہے کہ ابراہیم بیگ نے مقام ابراہیم کی اصلاح وتجدید کی اور اس کے سونے اور چاندی کی تجدید کی اور سونے اور چاندی کے درمیان رانگا (سلور کی طرح کی ایک دھات) پگھلا کر ڈلوایا۔ یہ واقعہ ۱۱۱۲ھ کا ہے۔

مقام کا حجرہ

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے لے کر خلافت راشدہ کے دور تک خانۂ کعبہ میں سیلاب آتے رہے اور مقام ابراہیم کو لوگ از راہ تبرک چھوتے اور چومتے رہے لہٰذا ضروری تھا کہ یہ پتھر کمزور پڑ جاتا اور ٹوٹ جاتا۔ اسلام نے اس کی فضیلت پر مہر تصدیق ثبت کر دی تو لوگوں کا اژدہام اور زیادہ ہو گیا اس لیے ضروری ہوا کہ اس کی حفاظت کے لیے ایک حجرہ بنا دیا جائے تا کہ عام لوگوں کے ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکیں۔

اس سے پیشتر مقام کریم ایک کرسی پر دھرا تھا جس پر ٹین چڑھا ہوا تھا ۲۴۱ھ میں امیر المومنین محمد المستنصر باللہ نے ٹین کو چاندی سے بدلوا دیا۔ ازرقی نے اخبار مکہ میں

اسی طرح بیان کیا ہے۔

صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ صندوق کس نے بنوایا خیال یہ ہے کہ ۸۱۰ھ میں تابوت بنایا گیا۔ البتہ حجرہ اس سے پیشتر بھی موجود تھا۔ چنانچہ ابن جبیر اندلسی اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے۔ ابن جبیر نے ۵۷۸ھ میں حج کیا تھا۔ ”مقام ابراہیم کا ایک قبہ ہے جو لوہے کا بنا ہوا ہے اور زمزم کے پاس دھرا ہے جب حج کے دن آتے ہیں اور اژدہام ہو جاتا ہے تو لکڑی کا قبہ اٹھا لیا جاتا ہے اور لوہے کا قبہ رکھ دیا جاتا ہے۔

مقام کے ایک ستون پر لکھا ہے کہ اس کی تجدید ۸۵۸ھ میں ہوئی، ابن فہد نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ۸۲۷ھ میں ابن ہلال نے لوہے کا پنجرہ بنوایا پھر ۹۰۰ھ میں مقام کی چھت اور رقبہ کی تجدید ہوئی۔ یہ تجدید محمد بن عبداللہ الرومی نے ملک اشرف قانصوہ الغوری کے حکم سے کی، پھر اس کی تجدید سلیمان بن سلطان سلیم خاں نے کرائی جیسا کہ کعبہ کے سامنے والے دروازے پر لکھا ہے۔ سنگ مرمر کا جو منبر حرم میں ہے وہ اسی بادشاہ کا ہدیہ دیا ہوا ہے، پھر ۱۰۰۱ھ میں اس کی تجدید ہوئی، پھر ۱۰۴۹ھ میں سلطان مراد بن احمد نے تجدید کرائی پھر آغا محمد نے سلطان بن ابراہیم کے حکم سے قبہ کے نقش و نگار پر ۱۰۷۲ھ میں زر کثیر صرف کیا، پھر محمد بیگ نے ۱۰۹۹ھ میں تجدید کرائی، پھر ابراہیم بیگ نے سارے مقام ابراہیم کی تجدید کی، سنگ مرمر کا فرش لگوایا، قبہ کو بدلوایا، سونے کے پانی کے نقش و نگار کرائے اور مقام کو چاندی سے مضبوط بندھوایا اور قدم شریف پر سونا پھری چاندی چڑھوائی۔ یہ واقعہ ۱۱۱۲ھ کا ہے، پھر محمد آفندی معمار نے صندوق مقام کو بدلا اور نئی لکڑی لگا کر اس کے سابقہ خول کو صاف کر کے لگا دیا۔ یہ واقعہ ۱۱۳۳ھ کا ہے، پھر سلطان عبدالعزیز عثمانی نے مقام کا قبہ ڈیڑھ گز بلند کرایا اور مسجد حرام کی ترمیم کرائی۔ یہ واقعہ ۱۲۷۹ھ کا ہے۔ ہمیں پتا نہیں کہ اس کے بعد کسی نے کوئی ترمیم و تعمیر کی یا نہیں۔

تاریخ ازرقی مطبوعہ مطبع ماجدیہ کی دوسری جلد کے حاشیہ پر لکھا ہے:

”۱۲۲۵ھ میں سعود عزیز نے ساتواں حج کیا، ابن بشر کہتا ہے کہ سعود نے قبہ کھلوایا اور قدم شریف نکلوایا۔ بہت سے اہل مکہ نے اس کی زیارت کی۔ یہ مربع شکل کا سفید پتھر ہے جس کی لمبائی ایک ہاتھ ہے اس پر زرد رنگ کی دھات چڑھی ہے۔ معلوم نہیں یہ سونا ہے یا پیتل، بہر حال یہ فریم پتھر کے چاروں طرف ہے اور اس پر یہ آیتیں کندہ ہیں:

ان ابراھیم کان امة قانتا للہ حنیفا ولم یک من المشرکین شاکراً لانعمہ اجتبٰہ وھداہ الی صراطٍ مستقیم وآتینٰہ فی الدنیا حسنة وانہ فی الاخرة لمن الصلحین. ثما وحینا الیک ان اتبع ملة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین.

دونوں قدم شریف پر مٹی چڑھی ہوئی تھی لہٰذا میں ان کے چاروں طرف کے حصوں کو نہ دیکھ سکا۔ قدم شریف اور پگھلائی ہوئی دھات کے درمیان چار انگل کا فاصلہ ہے۔“

ہمارے دور یعنی چودھویں صدی ہجری میں مقام لکڑی کے تابوت میں ہے۔ اس پر حریر کا غلاف پڑا ہے۔ جس پر قرآنی آیات لکھی ہیں۔ تابوت کے اردگرد پیتل کا جنگلہ ہے جو چار مضبوط ستونوں پر کھڑا ہوا ہے اور چھت پر چھوٹا سا قبہ ہے۔

موجودہ قبہ معلوم نہیں کس کا بنایا ہوا ہے آیا ابراہیم بیگ کا بنایا ہوا ہے جس نے ۱۲۱۲ھ میں تعمیرات کی تھیں یا عبدالعزیز سلطانی کی یہ تعمیر ہے جس نے قبہ کو بلند کرایا تھا، یا اس کے بعد کی تعمیر ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سعود عبدالعزیز نے ۱۲۲۵ھ میں حجرہ کو گروایا نہیں تھا البتہ قبہ کھلوایا تھا، نہ اس نے لوہے کا پنجرہ تڑوایا، صرف قبہ کی چھت بدلوائی تھی اور مقام کا پردہ اور لکڑی کا صندوق اٹھا دیا تھا۔

مقام کا غلاف

مقام پر غلاف چڑھانے کی ابتدا دولت عثمانیہ میں ہوئی۔ ان کے سلاطین کی عادت تھی کہ وہ مقام پر اسی قسم کا غلاف چڑھواتے تھے جیسا کہ کعبہ پر چڑھواتے تھے۔ یہ غلاف سیاہ رنگ کا ہوتا اور چاندی کے سونے چڑھے تار سے منقش ہوتا تھا۔ یہ غلاف لکڑی کے صندوق پر چڑھوایا جاتا جو لوہے کے کٹہرے میں ہے۔ یہ غلاف، غلاف کعبہ کے ساتھ ہر سال دولت عثمانیہ کے زمانے میں مصر سے آیا کرتا تھا۔ کبھی مقام ابراہیم کا غلاف پانچ سال میں آتا تھا۔ پھر کئی سال سے آج تک غلاف نہیں آیا۔ موجودہ غلاف سترہ سال کا ہے۔

مقام پر غلاف چڑھانے سے مقام کی زیارت نہیں ہو سکتی، صحابہ و تابعین نے بھی کبھی ایسا

نہیں کیا۔ یہ بدعت دولت عثمانیہ نے کی، اگر یہاں کوئی قبر یا کوئی راز کی بات ہوتی یا ایسی جگہ ہوتی جہاں دھوپ یا چاندنی کا گزر رہتا اور کسی نقصان کے پہنچنے کا اندیشہ ہوتا تو غلاف ڈالنا کچھ موزوں بھی ہوتا۔

جب کہ یہاں وہ پتھر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"واتخذوا من مقام ابراهيم مصلىٰ اور فرمایا: فیه آیات بینات مقام ابراهیم" تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کو کھلا رکھا جائے تاکہ مسلمان اس کی زیارت کر سکیں، پردے سے چھپانا تو خواہ مخواہ کے وساوس ڈالنا ہے۔

کیا ہی اچھا ہو اگر پردہ اور لکڑی کا صندوق اٹھا دیا جائے اور آئینہ کا صندوق بنا کر رکھ دیا جائے کہ نہ سیلاب اثر کر سکے نہ گرد وغبار پہنچ سکے اور نہ لوگوں کے ہاتھ پہنچ سکیں۔

اس حجرہ میں چاروں طرف شیشہ کے کواڑ ہونے چاہئیں اور رات میں اس کے اندر بجلی کی روشنی ہونی چاہیے تاکہ ہر ایک اچھی طرح دیکھ سکے۔

منبر

منبر مقام ابراہیمؑ کے پاس دھرا ہے اس کے اور مقام کے درمیان چار میٹر کا فاصلہ ہے، اس کی چودہ سیڑھیاں ہیں، لمبائی پانچسو اسی سینٹی میٹر ہے اور عرض ۱۸۶ سینٹی میٹر ہے۔ بلندی کا معلوم نہیں۔ یہ منبر مسجد حرام کے لیے ۹۶۶ھ میں سلطان سلیمان بن سلیم خاں نے بھیجا تھا۔

افادۃ الانام کی پہلی جلد صفحہ ۳۲۹ پر مرقوم ہے کہ تحصیل المرام اور تاریخ سید مصطفیٰ میں مرقوم ہے کہ "۹۶۵ھ میں سلطان سلیمان بن سلیم خاں نے مسجد حرام کا منبر بنوایا، جب لوگ منبر کے رکھنے کے لیے بنیاد کھودنے لگے تو دو مرد مجاہد آلات حرب سے لیس نکلے جن کے لاشے بالکل صحیح سالم تھے۔ لوگوں کا ان دونوں کے بارے میں اختلاف ہوا مگر اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے ایک تو حضرت عبداللہؓ بن عثمانؓ ہیں کیونکہ وہ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کے ساتھ شہید ہوئے اور مسجد حرام میں دفن کر دیئے گئے تھے کہیں حجاج کے آدمی آپؓ کی قبر نہ اکھاڑیں اور دوسرے عبداللہؓ بن صفوان ہیں۔

یہ منبر نہایت سپید سنگ مرمر کا ہے جو ہاتھی دانت کا سا بنا ہوا لگتا ہے اور جو فن وآرٹ کا بہترین نمونہ ہے اور ترکی صنعت کی کاری گری ہے پھر اس پر کتنے عمدہ نقش ونگار ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس منبر پر چار سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ پھر بھی وہ اپنی لطافت ونفاست پر حسب سابق ہے نہ بارش سے متاثر ہوا نہ دھوپ اور ہواؤں سے۔

مکہ میں سب سے پہلے منبر پر حضرت معاویہؓ نے خطبہ دیا، آپؓ اپنی خلافت کے دور میں شام سے حج کرنے کے لیے آئے تو منبر پر خطبہ دیا مگر آپؓ کے منبر کی صرف تین سیڑھیاں تھیں، ان کا منبر مکہ میں باقی رہا حتیٰ کہ ہارون الرشید اپنی خلافت کے زمانے میں حج کرنے کے لیے آیا تو اس کے گورنر مصر نے ایک بڑا بھاری منبر سات سیڑھیوں والا بھیجا مکہ کا یہی منبر ہو گیا۔ خلفاء اور گورنر حضرت معاویہؓ کے منبر سے پہلے جمعہ کا خطبہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر دیا کرتے تھے۔

مقام کا تحفظ

چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے لہٰذا ہم پر اس کی حفاظت واجب ہو جاتی ہے جس طرح ہم حجر اسود کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمیں حضرت عمرؓ کی پیروی کرنی چاہیے کہ آپؓ مدینہ میں تھے آپؓ کو معلوم ہوا کہ سیلاب مقام ابراہیم کو بہا کر لے گیا تو آپ فوراً وہاں سے روانہ ہوئے مکہ تشریف لائے اور مقام کا اہتمام کیا۔

اسی طرح جب حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کرائی تو حجر اسود کو حریر میں لپیٹ کر مقفل صندوق میں رکھ کر دار الندوہ میں رکھ دیا اور پھر بحفاظت کعبہ کی دیوار میں لگوا دیا۔

یہ سب کچھ انتظام آپ نے حجر اسود کی حفاظت کے لیے کیا، مقام بھی اسی طرح ہمارے لیے محترم ہے، دور جاہلیت میں بھی لوگوں نے مقام کو خانۂ کعبہ کے اندر رکھا تھا اور اسلامی دور میں بھی کبھی کبھی حفاظت کی غرض سے کعبہ کے اندر رکھا گیا جیسا کہ فاسی نے شفاء الغرام میں لکھا ہے۔

صدر اسلام میں اگرچہ مقام زمین پر دھرا تھا مگر وہ زمانہ دین وایمان کا تھا آج کل اسے اسی طرح نہیں چھوڑا جا سکتا کتنی دفعہ فتنہ پردازوں نے حجر اسود پر حملے کئے حتیٰ کہ اسے توڑ

ڈالا۔اس گمراہی کے دور میں جب کہ فتنہ وفساد عام ہوگیا ہے مقام ابراہیم کس طرح کھلے مقام پر چھوڑا جاسکتا ہے۔ضروری ہے کہ اس کی پوری حفاظت کی جائے۔

فوائد تحفظ

حجرہ میں مقام ابراہیم کے رکھنے کے کئی فائدے ہیں:

ا۔تلف وتغیر سے محفوظ رہے گا اور لوگوں کے چھونے ،بارش ،گردوغبار اور ہواؤں کے چلنے سے خراب نہیں ہوگا۔اگر یہ مقام کریم زمانہ جاہلیت ہی سے کسی چیز کے اندر محفوظ رہتا تو نہ ٹوٹتا اور اصلاح ومرمت طلب بھی نہ ہوتا۔

۲۔چوری یا بے عقیدہ لوگوں کی توڑ پھوڑ سے محفوظ رہے گا جیسا کہ حجر اسود کے سلسلہ میں کئی بار ایسا ہو چکا ہے۔

سب سے پہلے مشہور حادثہ قرامطہ کا ہے جن کا ۳۱۷ھ میں مکہ پر قبضہ ہوگیا تھا اور انہوں نے یوم ترویہ یعنی ۸ ذی الحجہ میں حاجیوں کا قتل عام کرادیا تھا اور چاہ زم زم میں ان کی لاشوں کو پھنکوادیا گیا تھا۔پھر انہوں نے مقام ابراہیم کے لے جانے کی بھی ٹھانی تھی مگر وہ کامیاب نہ ہوسکے تھے کیونکہ کعبہ کے مجاوروں نے اسے مکہ کی کسی گھاٹی میں چھپادیا تھا،اس پر انہیں غصہ آگیا اور وہ حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے شہر ہجر (بحرین) لے گئے۔پھر ۳۳۹ھ میں انہوں نے حجر اسود کو مکہ بھیج دیا۔یہ واقعہ مطیع اللہ الفضل بن المقتدر کے دور کا ہے۔

علامہ ابن ظہیرۃ القرشی الجامع اللطیف میں لکھتے ہیں:

”روایت ہے کہ ایک یہودی یا نصرانی مکہ میں رہتا تھا اس کا نام جریج تھا وہ مسلمان ہوگیا ایک رات مقام ابراہیم غائب ہوگیا،تلاش کیا گیا تو اس کے پاس سے ملا۔وہ یہ چاہتا تھا کہ اسے ملک روم کے پاس بھیج دے،یہ مقام کریم اس سے چھین لیا گیا اور اسے قتل کردیا گیا۔“

۳۔لوگ بدعت سے محفوظ رہیں گے کیونکہ مقام کو بوسہ دینا ،چھونا وغیرہ بدعت ہے،اسلام نے اس کا حکم نہیں دیا البتہ صرف نماز پڑھنے کے لیے کہا ہے ہاں رکن اسود اور رکن یمانی کا چھونا اور چومنا مسنون ہے۔

ازرقی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ”عبیدؓ بن عمیرؓ نے ابن عمرؓ سے کہا،میں دیکھتا ہوں کہ

آپؐ ان دونوں رکنوں کو بہت زیادہ بوسہ دیتے ہیں۔“

انہوں نے فرمایا۔”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ان کے چومنے سے گناہ مٹتے ہیں۔“

ابن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں روایت کی ہے کہ”رسول اللہ ﷺ رکن اسود اور رکن یمانی کو ہر طواف میں چومتے تھے اور دوسرے دو رکنوں کو نہیں چومتے تھے۔“

عکرمہؓ سے روایت ہے کہ جب عمرؓ بن الخطاب کے پاس پہنچتے تو فرماتے:

”میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے،نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان،میرا پروردگار تو ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں،اگر میں رسول اللہ ﷺ کو چھوتے اور چومتے نہ دیکھتا تو ہرگز تجھے نہ چومتا اور نہ بوسہ دیتا۔“

ان دونوں رکنوں کے چھونے اور چومنے میں یہ شرط ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ازرقی نے اپنی تاریخ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:”اے عمرؓ!تم قوی آدمی ہو،کمزوروں کو تکلیف دیتے ہو،جب دیکھو کہ رش نہیں ہے تب رکنوں کو بوسہ دو ورنہ تکبیر کہو اور گذر جاؤ۔“

ازرقی نے حضرت عطاء کی روایت بھی درج کی ہے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔”جب رکنوں کے پاس اژدہام دیکھو تو نہ کسی کو تکلیف دو،نہ خود تکلیف اٹھاؤ۔“مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے دین کا پورا پورا اتباع کریں اور سلف صالحین کے مسلک کے مطابق چلیں اور کسی کو خلاف کرتے دیکھیں تو اسے نرمی سے سمجھادیں۔

حجر اسماعیلؑ اور ان کی قبر

حجر اسماعیلؑ اس دیوار کو کہتے ہیں جو قد آدم سے کم پرنالہ کی جانب نصف دائرے کی شکل میں ہے یہ مقام کعبہ کے اندر شمار ہوتا ہے۔حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ:

میں چاہتی تھی کہ خانۂ کعبہ کے اندر جاکر نماز پڑھوں تو رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حجر کی طرف لے گئے اور فرمایا!”یہاں نماز پڑھ لے،یہ بھی خانۂ کعبہ کا حصہ تھا مگر تیری قوم نے جب کعبہ بنایا تو اسے کعبہ سے خارج کردیا۔“

اسے حطیم بھی کہتے ہیں یہاں حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کی قبر ہے جیسا کہ اکثر علماء نے اس امر کا ذکر کیا ہے۔

یہاں حضرت اسماعیلؑ کی کنواری لڑکیاں بھی دفن ہیں جیسا کہ ازرقی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ ازرقی لکھتا ہے کہ زہری نے ابن زبیرؓ سے منبر پر کہتے سنا۔ ”یہ جو ابھرے ہوئے مقامات ہیں۔ یہ اسماعیلؑ کی بیٹیوں کی قبریں ہیں یعنی رکن شامی کی جانب۔“

ازرقی لکھتا ہے کہ ”مکہ میں نوح، ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام کا انتقال ہوا۔ ان کی قبریں زم زم اور حجر کے درمیان ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے ہودؑ اور صالحؑ تو حج ہی نہیں کر سکے کیونکہ ان کی قوم نے ادھر کا رخ نہ کرنے دیا۔“

حدیث میں آیا ہے ”جب کسی نبی کی امت ہلاک ہو جاتی تو وہ مکہ آجاتا اور یہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مصروف عبادت ہو جاتا حتیٰ کہ یہیں وفات پا جاتا۔“

ازرقی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ”مبارک بن حسان الانماطی نے بیان کیا ہے کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کو حجر میں دیکھا تو یہ کہتے سنا کہ حضرت اسماعیلؑ نے اللہ تعالیٰ سے مکہ کی گرمی کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تیرے لیے حجر میں قیامت تک کے لیے ٹھنڈی نسیم جاری کر دوں گا۔“ حضرت اسماعیلؑ کا اسی جگہ انتقال ہوا۔

خالد نے بیان کیا ہے کہ میزاب کعبہ سے لے کر حجر کے مغربی دروازے تک کے کسی مقام میں آپ کی قبر ہے۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اسماعیلؑ یا ان کے کنبہ کا کوئی فرد حجر میں دفن ہوا؟ میری اپنی ذاتی رائے یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ اور ان کی بیٹیوں کی قبریں حجر میں ہیں۔ آخر اس بات سے کیا امر مانع ہے کہ اللہ کا نبی ایک مقدس ترین مقام میں دفن کیا گیا ہو جبکہ یہ لوگ سب سے پہلے مکہ کو آباد کرنے والے تھے اور انہوں نے ہی بیت اللہ بنایا تھا خصوصاً جبکہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ بنائے کعبہ سے قبل مری تھیں اور حضرت ابراہیمؑ نے حجر کو گھر کے پاس بنایا تھا جس کی چھت پیلو کی تھی اور اس میں بکریاں بند ہوتی تھیں۔ حجر حضرت اسماعیلؑ کی بکریوں کے لیے باڑہ تھا جیسا کہ ازرقی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔

گو ہمیں مطاف کے پاس کسی کا دفن ہونا عجیب سا معلوم ہوتا ہے بلکہ مسجد حرام میں بھی

تاریخ کعبہ و مدینہ

کسی کا دفن کیا جانا عجیب معلوم ہوتا ہے کیونکہ آج کل یہاں رات دن طواف کرنے والے نماز پڑھنے والے اور حج کرنے والے آتے رہتے ہیں، ہماری شریعت بھی مسجد کو قبرستان بنانے کی مخالف ہے اور مسجد میں دفن کرنے کے بھی خلاف ہے۔

حضرت اسماعیلؑ سے پہلے مکہ میں کوئی آباد نہ تھا۔ قبیلہ جرہم جب ہی وہاں آکر آباد ہوا جب انہوں نے آپ کو اپنی والدہ کے ساتھ دیکھا تو اسماعیل ذبیح اللہ، ابن خلیل اللہ کے پاس کیوں نہ دفن کیے گئے ہوں گے مگر اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہے۔

ایک نکتہ:

علماء جو یہ کہتے ہیں کہ کیا حجر میں حضرت اسماعیلؑ کی قبر ہے؟ ان کا یہ سوال دراصل اس حجر کے بارے میں ہے جسے اہل قریش نے کعبہ سے خارج کر دیا تھا اس طرح حجر وسیع ہو گیا، حالانکہ اس سے پیشتر تنگ تھا اور اس کی ایک جانب کعبہ سے خارج ہو گئی حالانکہ کعبہ میں داخل تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔

دراصل لوگوں نے حضرت اسماعیلؑ کو کعبہ کے اندر دفن کیا تھا۔ بنائے قریش کے وقت کعبہ کا کچھ حصہ خارج کر دیا گیا اور اسی میں آپ کی قبر تھی۔ اسی لیے علماء یہ سوال قائم کرتے ہیں کہ حجر کے اندر آپ کی قبر ہے یا کعبہ میں ہے؟

سبز پتھر

وہ سبز پتھر جو حجر میں کعبہ کے پرنالے کے نیچے دھرا ہے اس کے متعلق اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ پتھر حضرت اسماعیلؑ کی قبر کی نشانی کے طور پر رکھا گیا ہے، مگر یہ خیال درست نہیں کیونکہ یہ پتھر اس مقصد کے لیے نہیں رکھا گیا تھا اس کا سبب ہم عنقریب بیان کریں گے اگرچہ ہم یہ مانتے ہیں کہ آپ کی قبر حجر میں ہے۔ یہ پتھر ایک پتھر نہیں ہے بلکہ دراصل دو پتھر ہیں جو ایک ہی جیسے ہیں اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

ایک ٹکڑا بیضوی شکل کا ہے جس کا سرا کعبہ کے متصل ہے اور دوسرا سرا کٹا ہوا ہے اس کا چھوٹا قطر پینتالیس سینٹی میٹر ہے اور بڑا قطر چونسٹھ سینٹی میٹر ہے۔ یہ پتھر دو حصوں میں منقسم ہے۔

دوسرا ٹکڑا نصف دائرہ کی صورت میں ہے اس کا قطر اناسی سینٹی میٹر ہے، یہ پتھر چار حصوں

میں منقسم ہے اور کچھ تھوڑا سا پست ہے۔اس پتھر میں کچھ نشیب ہو جانا یا اس میں پھٹن پیدا ہو جانا کوئی باعث تعجب نہیں، ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ اس پر چودہ سو سال سے زیادہ گزر چکے ہیں کہ لوگ اس پر نماز پڑھتے ہیں۔

اس پتھر کی اصلیت یہ ہے کہ عبداللہؓ بن عبیداللہؓ بن عباسؓ بن محمد الہاشمی نے حکم دیا کہ اس کے لیے حجر کے مقام سے ایک تختی اکھاڑ کر، نماز پڑھنے کے لیے بھیج دی جائے، لہٰذا حج کے زمانے میں یہاں سے ایک تختی کاٹ کر بھیج دی گئی تو احمد بن ظریف، مولیٰ عباس بن محمد الہاشمی نے مصر سے حجر اسماعیل کے لیے اس تختی کے عوض دو پتھر بھیجے۔

یہ واقعہ ۲۴۱ھ کا ہے۔جو پتھر بیضوی شکل کا تھا اسے حجر کی دیوار پر، میزاب کے قریب حجر کی دیوار کے بیچوں بیچ رکھ دیا گیا اور دوسرا پتھر میزاب کے نیچے دیوار کعبہ کے پاس رکھ دیا گیا۔پھر ۲۸۳ھ میں بیضوی پتھر دوسرے پتھر کے برابر رکھ دیا گیا جو میزاب کے نیچے دھرا تھا۔(ازرقی)

الجامع اللطیف میں علامہ ابن ظہیرۃ القرشی لکھتے ہیں کہ محب طبری سے حجر کے سبز پتھر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ سبز پتھر حضرت اسماعیلؑ کی قبر کی نشانی ہے اگر اس کے سرے سے رکن غربی کی طرف چھ بالشت ناپی جائیں تو چھٹی بالشت کے منتہیٰ پر حضرت اسماعیلؑ کا سر ہوگا۔اس پتھر کے حجر میں رکھنے کا فنی سبب یہ ہے کہ انسان کی عادت ہے کہ وہ اچھے اچھے پتھر اور قیمتی جواہرات جمع کیا کرتا ہے جیسے الماس، لولو، مرجان، عقیق، یاقوت، زمرد وغیرہ خصوصاً امراء اور بادشاہ اس کے بڑے شوقین ہوتے ہیں۔پرانے زمانے کے بادشاہ اچھے اچھے پتھر مقامات مقدسہ کے لیے ہدیتاً بھیج دیتے تھے۔

لہٰذا احمد بن ظریف نے مصر سے دو پتھر بھیج دیئے تا کہ ان میں سے ایک کعبہ کے پرنالہ کے نیچے رکھ دیا جائے اور دوسرا حجر اسماعیلؑ کی دیوار پر رکھ دیا جائے۔پھر دوسرا پتھر، میزاب والے پتھر کے برابر رکھ دیا گیا اور وہ دونوں اب تک اسی طرح رکھے ہیں کہ دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں جڑے ہوئے ہیں۔

ان دونوں مذکورہ بالا وجوہات کے علاوہ ان پتھروں کے میزاب کے نیچے رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ مقام، حجر میں سب سے افضل ہے۔ازرقی نے عطاء بن ابی رباح سے ذکر کیا ہے

کہ ”جو کوئی میزاب کعبہ کے نیچے کھڑے ہو کر دعا کرے گا اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اس کی دعا قبول ہو گی وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔“

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ”فرمایا نماز پڑھو نیک بندوں کے مصلیٰ میں اور پیو نیک لوگوں کی شراب، ان سے پوچھا گیا نیک لوگوں کا مصلیٰ کون سا ہے؟ فرمایا میزاب کے نیچے اور پوچھا گیا نیک بندوں کی شراب کیا ہے؟ فرمایا، آب زم زم مگر نبی علیہ السلام سے روایت ہے کہ ”جو کوئی میزاب کے نیچے دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔“

حجر میں مرمر کا فرش

حجر میں فرش نہیں تھا۔سب سے پہلے ابو جعفر المنصور نے ۱۴۰ھ میں فرش لگوایا۔جب وہ حج کرنے کے لیے آیا تو طواف کرنے کے بعد زیاد بن عبیداللہ الحارثی گورنر مکہ کو بلایا اور اس سے کہا، حجر کے پتھر ابھرے ہوئے ہیں، صبح ہونے سے پہلے پہلے حجر میں سنگ مرمر کا فرش ہونا چاہیے۔زیاد نے مزدور بلائے اور چراغ کی روشنی میں انہوں نے کام کیا۔

محمد المھدی نے ۱۶۴-۱۶۱ھ میں مسجد حرام میں اضافہ کرایا اور حجر کے پتھروں کی تجدید کا حکم دیا۔مزدوروں نے سنگ مرمر سے اس فرش کی تکمیل کی۔یہ مرمر سپید، سبز اور سرخ رنگ کا تھا۔مہدی نے اس سلسلہ میں بہت روپیہ صرف کیا۔بہت سے امراء سلاطین نے مسجد حرام میں تعمیرات کیں جن کی تفصیل میں ہم پڑنا نہیں چاہتے۔سلطان مراد الرابع سب سے پہلا شخص ہے جس نے حجر اسماعیلؑ کی تجدید کی۔یہ واقعہ ۱۰۴۰ھ کا ہے۔پھر سلطان عبدالحمید خاں نے ۱۲۶۰ھ میں تجدید و تعمیر کی۔پھر سلطان عبدالعزیز خاں عثمانی نے ۱۲۸۳ھ میں حجر کی مقام حنفی کی جانب سے تجدید کی۔

حجر کی دیوار کا غلاف

زمانہ قدیم سے آج تک کبھی حجر کی دیوار پر غلاف نہیں ڈالا گیا البتہ صرف ۸۵۲ھ میں دو غلاف جقمق جرکسی کی جانب سے حجر کی دیوار کے لیے آئے، لوگوں نے ایک غلاف دیوار کی داخلی جانب اور ایک بیرونی جانب لٹکا دیا۔یہ دونوں غلاف، غلاف کعبہ کی طرح سیاہ حریر کے تھے۔اس

کے بعد کبھی حجر پر غلاف نہیں چڑھایا گیا۔ یہ غلاف سب سے پہلا اور سب سے آخری غلاف تھا۔ کعبہ کی طرز کا غلاف، حجر اسماعیلؑ پر چڑھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لیے کہ حجر بھی کعبہ ہی کا ایک حصہ ہے۔ اسی لیے طواف اس کے باہر کی طرف سے کیا جاتا ہے تاکہ یہ دیوار طواف میں آ جائے۔ بہر حال کسی عالم نے غلاف چڑھانے کو معیوب نہیں سمجھا اگرچہ دستور اس کے خلاف رہا بلکہ فنون جمیلہ سے شغف رکھنے والوں نے ان پردوں کو خصوصیت سے پسند کیا ہے۔

غار کعبہ

بہت سے علماء نے اس گڑھے کا حال لکھا ہے جو کعبہ کے دروازے کی داھنی جانب واقع ہے جس کی لمبائی ۲۰۶ سینٹی میٹر، عرض ۱۱۲ سینٹی میٹر اور گہرائی ۲۷ سینٹی میٹر ہے۔ ہم ذیل میں تمام اقوال کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے یہ تغار تھا جہاں اسماعیلؑ نے تعمیر کعبہ کے لیے گارا بنایا تھا مگر ہمارے خیال میں دو وجہ سے یہ قول غلط ہے:

۱۔ ابراہیم واسماعیل علیہ السلام نے کعبہ کو نہ گارے سے تعمیر کیا نہ گٹے چونے سے، نہ چھت ڈالی تھی، نہ ان کے پاس اتنا روپیہ تھا۔ انہوں نے تو صرف پتھروں کا گھ جوڑ کر دیا تھا۔ چنانچہ ابن عباس سے اسی قسم کی روایت ہے۔

۲۔ یہ چھوٹا سا غار اتنی بڑی تعمیر کے لیے تغار نہیں بن سکتا۔ اگر وہ تغار بناتے بھی تو کعبہ کے چاروں طرف بناتے تاکہ انہیں خواہ مخواہ مشقت نہ اٹھانی پڑتی۔ بہر حال یہ قول غلط ہے۔

ابن جبیر نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ اس گڑھے میں کعبہ کا دھوون گرتا ہے۔ مگر ابن جبیر کا یہ قول غلط ہے، آپ دیکھتے ہی ہیں کہ ہمارے اس دور میں بھی کعبہ دھویا جاتا ہے اور اس گڑھے میں دھوون جمع نہیں کیا جاتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن جبیر نے کسی ناواقف سے اس کے بارے میں پوچھا ہوگا یا یہ کہ اس دن کعبہ دھویا جارہا ہوگا اور پانی اس میں جمع ہوگیا ہوگا تو وہ یہ سمجھا کہ یہ گڑھا اسی کام کے لیے ہے۔ اگر یہ گڑھا اس مطلب کے لیے ہوتا تو کعبہ کی چوکھٹ کے پاس ہوتا۔

سب سے پہلے کعبہ کو رسول اللہ ﷺ نے غسل دیا۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے

دن رسول اللہ ﷺ نے بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں، مسلمان نماز کے لیے آئے وہ صرف تہ بند باندھے ہوئے تھے، سب چاہ زم زم پر جمع ہوگئے۔ ڈول لیے اور رجزیں پڑھنے لگے۔ سب نے مل کر کعبہ کو اندر سے دھویا اور ہر مشرکانہ نشان کو مٹا کر صاف کر دیا۔ اسی دن سے کعبہ کے دھونے کا رواج پڑ گیا۔

کعبہ سال میں دو بار آب زم زم اور گلاب سے دھویا جاتا ہے پھر اس پر خوشبو لگائی جاتی ہے اور عود، عنبر اور لوبان وغیرہ کی دھونی دی جاتی ہے۔ عموماً کعبہ کو غسل گورنروں اور اعیان سلطنت کے سامنے ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ۱۳۶۷ھ میں مجھے بھی یہ سعادت نصیب ہوئی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ غار کا نصف حصہ دراصل مقام ابراہیم کا مقام ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے سے پہلے وہ یہاں دھرا رہتا تھا۔ سیلاب ام نہشل میں آپ نے مقام کو اسی جگہ دھرا جہاں وہ اب رکھا ہے۔ میرے خیال میں یہ قول زیادہ صحیح ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ غار جبریلؑ کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ ازرقی اور دیگر علماء نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جبریلؑ نے باب کعبہ کے قریب دو بار میری امامت کی۔'' یہ قول حقیقت کے قریب معلوم ہوتا ہے اور اوپر والے قول کے مطابق ہے کیونکہ مقام ابراہیم غار کی جگہ تھا، ابراہیمؑ و جبریلؑ دونوں کا یہی مصلیٰ تھا۔ جبریلؑ کے یہاں نماز پڑھنے میں اس جانب اشارہ تھا کہ آپ کو اور آپ کی امت کو یہاں نماز پڑھنے کا حکم ہوگا۔

کیا حجر اسود بدلا گیا؟

تاریخ میں مشہور ہے کہ ابو طاہر القرامطی ۷ ذی الحجہ ۳۱۷ھ میں مکہ پہنچا۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے وہاں بڑے بڑے کام کئے۔ ابو طاہر نے جعفر بن ابی حلاج معمار کو حکم دیا کہ حجر اسود کو اکھاڑ لائے۔ لہٰذا اس نے ۱۰ ذی الحجہ ۳۱۷ھ میں حجر اسود کو اکھاڑ دیا۔ ابو طاہر اس پتھر کو اپنے شہر ہجر میں لے گیا۔ حجر اسود کی جگہ خالی رہ گئی اور لوگ تبرک کے طور پر اس خالی جگہ پر ہاتھ رکھ دیا کرتے۔ پھر سبز بن الحسن القرامطی ۳۳۹ھ میں مکہ شریف حجر اسود کو لے آیا اور خود اپنے ہاتھوں سے اسے اس کے مقام پر رکھ دیا اور کہا ہم اسے اللہ کی تقدیر کی وجہ سے لے گئے اور اسی کی مشیت کی وجہ سے لوٹا لائے۔ یہ واقعہ ۱۰ ذی الحجہ ۳۳۹ھ کا ہے۔

بعض بے عقل یہ خیال کرتے ہیں کہ قرامطہ نے حجر اسود کو بدل دیا۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اس کے دو سبب ہیں ایک تاریخی اور دوسرے مذہبی۔

تاریخی دلیل یہ ہے کہ تقی فاسی نے شفاء العرم میں اس قصہ کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ”جب اس نے کعبہ میں حجر اسود کو لگا دیا تو لوگوں نے اسے پہچانا، بوسہ دیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ یہ مسبّحی کے کلام کا خلاصہ ہے۔“

مصنف کا یہ قول کہ لوگوں نے اسے پہچانا اور چوما اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ حجر اسود قرامطہ کے پاس چار دن کم بائیس سال رہا۔ اس مدت میں کوئی سارے اہل مکہ تو مر نہیں گئے ہوں گے کہ کوئی بھی اس کا پہچاننے والا باقی نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں حجر اسود کے خاص امتیازی نشانات ہیں جن سے سب لوگ واقف ہیں۔

الاشاعۃ فی اشراط الساعہ میں لکھا ہے کہ ”محمد بن نافع الخزاعی نے کہا ہے کہ میں نے حجر اسود کو اس حالت میں دیکھا جبکہ وہ اکھاڑا گیا تھا تو دیکھا کہ صرف اس کا اوپر کا سرا سیاہ ہے، باقی تمام حصہ سپید ہے۔ اس کی لمبائی ہاتھ بھر تھی۔“

محمد بن نافع نے اسے قرامطی کے اکھاڑنے کے بعد دیکھا تھا۔ اسی کتاب کے صفحہ چھبیس پر جو اور لوگوں کے بیانات ہیں وہ اس کے بیان کے بالکل مطابق ہیں جنہوں نے اسے لگائے جانے کے بعد دیکھا۔ مذہبی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے لوگو! حجر اسود کو کثرت سے بوسہ دیا کرو کیونکہ عنقریب تم اسے گم کر دو گے۔ ایک رات لوگ طواف کرتے ہوں گے اور اسے دیکھتے ہوں گے مگر جب صبح ہوگی تو وہ غائب ہو چکا ہوگا کیونکہ قیامت سے قبل اللہ تعالیٰ جنت کی ہر چیز کو زمین سے اٹھا لے گا۔“

مجاہد سے روایت ہے آپ نے فرمایا: ”اس وقت تم لوگوں کا کیا حال ہوگا جب قرآن اٹھا لیا جائے گا اور تمہارے سینوں اور دلوں سے مٹا دیا جائے گا اور رکن کو بھی اٹھا لیا جائے گا۔“ عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاصؓ سے روایت ہے کہ ”اللہ تعالیٰ قرآن کو لوگوں کے سینوں سے اٹھا لیں گے اور حجر اسود کو بھی قیامت سے قبل اٹھا لیں گے۔“

یوسف بن ماھک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رکن اہل قبیلہ کی عید ہے جیسے مائدہ بنو اسرائیل کی عید تھا، جب تک یہ تم میں رہے گا تم بھلائی پر گامزن رہو گے۔ اس

پتھر کو جبریلؑ نے خود رکھا تھا اور وہی اسے اٹھا لیں گے۔“

رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حجر اسود قیامت تک اپنی جگہ پر باقی رہے گا اور قیامت تک قریب اسے ملائکہ اٹھا کر لے جائیں گے۔ وہ چوری یا سینہ زوری کے ذریعہ غائب نہیں ہوگا۔“

حدیث میں آتا ہے کہ ”جب ابراہیمؑ نے کعبہ کی دیواروں کو حجر اسود کے مقام تک بلند کر دیا تو جبریل امین نے اپنے ہاتھوں سے یہ پتھر اس جگہ نصب کیا۔ یہ پتھر بالکل سپید اور بے حد روشن تھا کہ تمام حرم میں روشنی ہو جاتی تھی مگر اہل زمین کے گناہوں کی وجہ سے اس کا نور زائل ہوتا چلا گیا۔“ بیت اللہ میں کئی بار آگ لگنے سے بھی وہ سیاہ پڑ گیا جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے وہ جنت کا ایک یاقوت ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے حکم الٰہی سے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی اسی طرح اللہ کے حکم سے حجر اسود کو اس مقام پر رکھا گیا۔

عکرمہ سے روایت ہے کہ ”حجر اسود، یمین اللہ ہے، جس نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا اور حجر اسود کو چھو لیا اس نے گویا اللہ اور رسول ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔“

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ”رکن یمین اللہ ہے جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہو اسی طرح گویا اللہ سے مصافحہ کرتے ہو۔“

حجر اسود کی فضیلت اور اس کے چومنے کے بارے میں اس قدر احادیث وارد ہوئی ہیں کہ اگر ہم سب کا بیان کریں تو بات طویل ہو جائے گی لہٰذا اس طول بیانی کی ضرورت نہیں۔

ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے احسانات

حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کیا اُمّتِ محمدیہ پر بڑے احسانات ہیں۔ یوں بھی ان دو بزرگوں میں بڑی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے مثلاً حضرت ابراہیمؑ پر دس صحیفے نازل ہوئے جو سب کے سب کہاوتوں پر مشتمل تھے۔

اور توریت کے نزول سے پہلے حضرت موسیٰؑ پر بھی دس صحیفے نازل ہوئے جو سب کے سب عبرتوں پر مشتمل تھے۔ ابراہیمؑ بچپن میں نمرود کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچے اور موسیٰؑ فرعون کے ہاتھوں سے بچے۔ اب ہم اصل مقصود کی طرف آتے ہیں۔ ابراہیمؑ کا تمام اہل عرب

اور امت محمدیہؐ پر عموماً اور اہل مکہ پر خصوصاً بڑا بھاری احسان ہے۔

آپ کا عمومی احسان یہ ہے کہ آپ نے ہمارے لیے ہدایت کی دعا فرمائی اور رسولؐ و قرآن کے نزول کے بارے میں التجا کی اور تمام مومنین کی بخشش کی دعا کی۔

اہل مکہ پر آپ کا یہ احسان ہے کہ سب سے پہلے آپ نے مکہ کو آباد کیا اور اپنے بیٹے اور ہاجرہ کو یہاں لا کر رکھا جن کی وجہ سے آب زم زم کا ظہور ہوا۔ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے ہاتھوں خانہ کعبہ تعمیر ہوا اور حضرت ابراہیمؑ نے یہاں اپنا مقام چھوڑا، مکہ کو صاحب حرمت و امن بنایا اور لوگوں کو حج کی دعوت دی۔ جس کی بناء پر اس سرزمین کی آبادی، برکتیں اور رزق میں خوب افراط ہو گئی۔ ان تمام باتوں کا کلام پاک میں وضاحت سے بیان آیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ کی تمام دعاؤں کو قبول فرمایا۔

موسیٰ کلیم اللہ کا یہ احسان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ شب معراج میں چھٹے آسمان پر آپ سے ملے، تو آپؑ نے نمازوں میں تخفیف کرائی اور فرمایا کہ آپ ﷺ کی امت اسے برداشت نہ کر سکے گی۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ بار بار اللہ سے تخفیف کا مطالبہ کرتے رہے حتیٰ کہ پچاس نمازوں کی صرف پانچ نمازیں رہ گئیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمام امت محمدیہ کے مرد و زن پر یہ بڑا بھاری احسان کیا ہے۔ آپؑ کو بنی اسرائیل کا بڑا تجربہ تھا۔ چنانچہ آج کل آپ لوگ دیکھتے ہیں کہ ہم لوگ پانچ وقت کی نماز بھی ادا نہیں کرتے۔ عرب سے باہر کے بیشتر مسلمان تو بالکل ہی نماز کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اللہ موسیٰ علیہ السلام کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

اور ہم سب کو پانچ وقت کی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ربّنا لاتؤ اخذنا ان نسینا اَو اَخطأنا. ربنا و لا تحمل علینا اصراً کما حملة علیٰ الذین من قبلنا. ربنا و لا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکفرین. (آمین)

تاریخ مدینہ

مدینہ کا پہلا شخص اور پہلی قوم

مدینہ منورہ میں سب سے پہلے آباد ہونے والے شخص کا نام ''یثرب'' تھا جس کی نسبت سے یہ شہر ''یثرب'' کہلاتا تھا۔

''یثرب'' حضرت نوحؑ کے بیٹے سام بن ارم بن عوض بن عبیل کی نسل سے تھا۔ ایک روایت کے مطابق یثرب ارم بن لازو بن عملاق کی نسل سے تھا۔

اس شہر میں سب سے پہلی جو قوم آباد ہوئی اس کا نام ''عمالقہ[1]'' تھا۔ عمالقہ قوم حضرت موسیٰؑ کے عہد میں آباد تھی جبکہ ان کا اصل وطن یمن تھا۔ یمن کے مشرقی پہلو میں واقع صحرائی ریگستان احقاف کے جنوب میں ''حضر موت'' کے مقام پر دو ہزار سال قبل مسیح سے یہ قوم آباد تھی۔ یہ زیادہ تر فراعنہ، بابل، مصر اور شام میں مقیم تھے۔ ان میں مصر اور بابل کے بادشاہ تھے۔ انہوں نے عراق پر بھی حکومت کی۔ جب مصر کے حکمرانوں نے حکومت اپنی عورتوں کے حوالے کر دی تو شام کے عمالقہ بادشاہ ولید بن دومغ نے مصر پر حملہ کر کے وہاں تباہی مچادی اور باقی ماندہ مصر کو اپنا فرماں بردار بنا کر عرصہ دراز تک ان پر حکومت کرتا رہا۔ ولید کے بعد ریان بن ولید تخت نشین ہوا جو حضرت یوسفؑ کے زمانے میں مصر کا ''فرعون'' تھا۔

یہ قوم اپنی جسمانی قوت اور سیاسی برتری میں مشہور تھی۔ عالیشان اور خوبصورت عمارتیں بنانے میں ماہر تھی اور باغبانی و زراعت میں گہری دلچسپی رکھتی تھی۔ یہ لوگ جفاکش، قوی ہیکل اور دیو پیکر تھے۔ محنتی اور بہادر تھے اور انہوں نے اپنے زور بازو سے ان علاقوں کی سب حکومتوں کو سرنگوں کر دیا تھا۔

ایک روایت کے مطابق عراق میں بنوحام کے مظالم کا شکار ہونے والے عمالقہ نے حجاز میں پناہ لی جب کہ یمن سے بھی چند عمالقہ خاندان قحط کی وجہ سے ترک وطن پر مجبور ہوئے اور یثرب میں آباد ہوگئے۔ جب عمالقہ اور قدیم صحطانی قبائل کے درمیان مکہ مکرمہ میں جنگ ہوئی اور عمالقہ نے فتح حاصل کی تو اس کے بعد عمالقہ یہاں آنے لگے اور عمالقہ میں سے بنوعبیل بن ہلائل بن عوض بن عملیق، یثرب میں مقیم ہوئے۔(''عملیق'' کا مطلب ظلم اور زبردستی کرنے والا)

یہودیوں کی آمد

حضرت موسیٰ ؑ نے مختلف ممالک میں آباد سرکش اور جابر قوم عمالقہ کے خلاف وسیع پیانے پر لشکر کشی کا فیصلہ کیا اور ایک لشکر حجاز میں واقع عمالقہ کی سرکوبی کے لئے مامور کیا اور حکم دیا کہ بادشاہ سمیت تمام مرد وزن قتل کردیے جائیں۔

یہودیوں نے بھرپور حملہ کرکے عمالقہ قوم کو شکست دی اور سب کو موت کی نیند سلا دیا مگر ایک خوبصورت شہزادے کی قابل رشک جوانی اور حسن و جمال دیکھ کر اسے قتل کرنے میں توقف کیا اور اس نوجوان کی ہلاکت کا فیصلہ حضرت موسیٰ ؑ کی خدمت میں حاضری تک مؤخر کردیا۔

جب یہ لشکر فاتحانہ شان وشوکت کے ساتھ ملک شام پہنچا تو حضرت موسیٰ ؑ رحلت فرما چکے تھے تاہم ان کی قوم نے بڑی گرمجوشی اور خوشی کے ساتھ لشکر کا استقبال کیا۔

مگر جب لشکریوں نے انکشاف کیا کہ انہوں نے ایک شہزادے کے قتل کو حضرت موسیٰ ؑ کے مشورے کے لئے موقوف کررکھا ہے تو ان کی قوم سیخ پا ہوگئی اور سخت برہم ہوکر کہنے لگی کہ تم نے اپنے نبی کے حکم کی صریح نافرمانی کی ہے لہٰذا تمہیں اس ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

چنانچہ یہ فاتح لشکر حجاز کی طرف لوٹ آیا اور عرب کے مختلف حصوں میں آباد ہوگیا۔ ان میں سے کچھ لوگ خیبر، تیما اور یثرب میں آبسے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب توریت سے بہرہ یاب تھے انہوں نے توریت میں آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف اور ان کے ہجرت کے جائے مقام کے بارے میں پڑھا تھا اور جو لوگ یثرب میں آباد ہوئے انہوں نے اس مقام میں وہ نشانیاں پائی تھیں جن کا ذکر توریت میں تھا۔ یہ نووارد لوگ

خاندان قریظہ اور بنونضیر سے تعلق رکھتے تھے۔ بنوقریظہ وادی مہروز میں اور بنونضیر وادی مذنیب میں آباد ہوئے۔

انہوں نے زراعت کے پیشے کو فروغ دیا اور باغبانی کو اہمیت دی۔ رفتہ رفتہ ان کی آبادی میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور یہ سرزمین حجاز کے چاروں طرف پھیل گئے۔ مال و دولت کی کثرت نے ان کے اندر بہت ساری سماجی برائیوں کو جنم دیا اور جب ان کا ظلم وستم اور زیادتی حد سے بڑھی تو رحمت خداوندی نے ان سے منہ موڑ لیا۔

اوس اور خزرج کی آمد

ملک یمن میں ایک بہت بڑا ڈیم تھا جس سے قوم ''سبا'' کے باغات اور کھیت سیراب ہوتے تھے۔ ان میں ایک کاہن عورت رہتی تھی۔ اس نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک چوہا ڈیم کی دیوار میں سوراخ کررہا ہے۔ اسے یہ دیکھ کر بند کے ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہوگیا۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ واقعہ عمرو مزیقیا بن عامر بن حارثہ بن ثعلبہ بن مراتھیس بن مارزن نے دیکھا تھا۔ بند کی ناپائیداری دیکھ کر اوس وخزرج کے آباؤ اجداد اور آرزو قبیلہ نے نقل مکانی کی اور مکہ مکرمہ آگئے۔ جہاں جرہم قوم آباد تھی۔ انہی میں سے ثعلبہ بن عمرو مزیقیا بن عامر اپنی اولاد حارثہ اور اس کے بیٹوں اوس وخزرج اور دیگر کچھ لوگوں کے ہمراہ ''یثرب'' آ گیا۔ یہ لوگ شہر کے باہر اقامت گزیں ہوئے۔ ایک اور روایت کے مطابق اوس وخزرج کے آباؤ اجداد مکہ مکرمہ میں آنے سے پیشتر کسی اور مقام پر آباد ہوئے تھے۔ جہاں انہیں مقامی لوگوں کے ساتھ جنگ کا سامنا کرنا پڑا اور جنگ کے بعد مغلوب ہوکر یہ مختلف شہروں کی طرف چلے گئے۔ ان میں سے حقبہ بن عامر ملک شام میں اوس وخزرج ''یثرب'' میں، غزا ''مرا'' میں، ازو اسراۃ ''سرۃ'' میں اور آرزعمان ''بلاد عمان'' میں آباد ہوگئے تھے۔

یہودی اور اوس وخزرج

یہودی خدا کے ماننے والے تھے اور انہوں نے یثرب میں علمی درس گاہیں قائم کررکھی تھیں جو بیت المدارس کے نام سے مشہور تھیں اور ان میں توریت کی تعلیم دی جاتی تھی۔

یہودی پرشکوہ اور مستحکم قلعوں میں رہتے تھے۔تجارت، زرگری، مہاجنی لین دین اور سودی کاروبار سے وابستہ تھے۔یہ لوگ صاحب ثروت اور صاحب اقتدار تھے لیکن مال ودولت کی فروانی نے ان کے اندر بہت ساری برائیاں پیدا کر دی تھیں۔طاقت اور اقتدار نے انہیں درندہ صفت بنا دیا تھا اور وہ شرافت و اخلاق سے بے نیاز ہو گئے تھے۔یثرب میں یہ اوس و خزرج کے ساتھ بہت ظلم وزیادتی کرتے تھے۔

یہودیوں کا رئیس فطیون سخت آوارہ اور بدکار شخص تھا۔اس کی بدمعاشی اور شر سے کوئی بھی محفوظ نہ تھا۔جب فطیون کا ستم حد سے بڑھا تو اوس وخزرج کے سردار مالک بن عجلان نے اسے قتل کر دیا اور اردن میں اپنے ہم نسب شاہ غسان سے مدد مانگی۔شاہ غسان ابوجبیلہ بن جفنہ بن عمرو بن عامر اوس وخزرج پر یہودیوں کے ظلم وستم کی داستان سن کر فوراً ان کی مدد کو تیار ہو گیا اور یہودیوں کو نیست ونابود کرنے کے ارادے سے ایک لشکر جرار تیار کیا اور پھر وہ یثرب کی طرف بڑھا۔

یہودیوں کو شاہ غسان کے حملے کی اطلاع ملی تو وہ قلعہ بند ہو گئے۔ابوجبیلہ نے دانشمندی اور ہوشیاری سے کام لیا اور اپنے لئے ایک شاندار مقام تعمیر کروایا اور ایک عالیشان و پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا۔اس دعوت میں اوس وخزرج کے سرداروں کو دعوت دی اور انہیں قیمتی تحائف سے نوازا۔پھر اس نے یہود کے رؤساء کو بھی دعوت دی۔یہودی لالچ وطمع کا شکار ہو کر ابوجبیلہ کے دام فریب میں آ گئے۔اس نے یہودیوں کے تمام سرداروں کو چن چن کر قتل کر دیا اور اس طرح تین سو پچاس نامور سردار موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔بچے کھچے سرداروں کو بھی مالک بن عجلان نے تہہ تیغ کر دیا۔

عام یہودیوں نے یہاں سے بھاگ جانے میں عافیت سمجھی اور بعض نے اوس وخزرج سے امان مانگی اور ان کے دست نگر ہو کر یثرب میں رہنا گوارہ کر لیا۔اس طرح یہودیوں کی شان وشوکت خاک میں مل گئی۔ان کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کی تعداد انتہائی کم ہو گئی۔دوسری طرف اوس وخزرج کو عزت وثروت، دولت اور اقتدار سب کچھ حاصل ہو گیا۔انہوں نے متعدد قلعے تعمیر کر لیے اور عرصہ تک اتفاق و اتحاد اور یگانگت کے ساتھ خوشحالی کی زندگی گزارتے رہے۔

اوس وخزرج کا زوال

ایک عرصہ تک امن وسکون سے زندگی گزارنے کے بعد اوس وخزرج میں انتشار اور نااتفاقی پیدا ہو گئی اور یہ لوگ خانہ جنگی کا شکار ہو گئے۔پھر ایک طویل عرصہ تک آپس میں لڑلڑ کر مرتے رہے۔ایک روایت کے مطابق اوس وخزرج ایک سو چوبیس (۱۲۴) سال آپس میں لڑتے رہے۔ان کے درمیان آخری اور تباہ کن جنگ ''جنگ بعاث'' کے نام سے ہوئی۔جس میں دونوں قبیلوں کے تمام نامور سردار مارے گئے اور دونوں خاندان تباہ وبرباد ہو گئے۔جنگ سے چور چور بچے کھچے لوگ آپس میں صلح کرنے پر مجبور ہوئے اور دونوں خاندان ایک متفقہ بادشاہ تسلیم کر کے جنگ ختم کرنے پر رضامند ہو گئے۔پھر سب لوگ قبیلہ ''عوف بن خزرج'' کے رئیس ''عبداللہ بن ابی بن سلول پیر'' پر سب متفق ہو گئے اور اس کی تاج پوشی کے لئے جشن منانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

اوس وخزرج کا مذہب

اوس وخزرج کا مذہب بت پرستی تھا۔کچھ لوگ ''دین ابراہیمیؑ'' پر قائم تھے تاہم ان کے درمیان سب سے زیادہ دین ابراہیمؑ کا عمل دخل تھا اور یہ حج بیت اللہ، قربانی، مہمان نوازی اور برائیوں وجرائم پر سزا دینا جیسی باتوں پر عمل پیرا تھے۔دین ابراہیمؑ کی ایک بگڑی ہوئی شکل بھی ان میں باقی تھی۔

ان کے درمیان بت پرستی اوس کے چچا عمرو بن لحی نے شروع کی وہ شام گیا تو قوم عمالقہ کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھ کر بڑا متاثر ہوا۔جب وہ واپس آنے لگا تو عمالقہ نے اسے ''ہبل'' نامی بت تحفے میں دیا۔عمرو نے یہ بت لا کر کعبۃ اللہ کے قریب نصب کیا اور اس کی پوجا کرنے لگا۔اس نے ایک اور بہت بڑا بت ''مناۃ'' یثرب سے سات میل کے فاصلے پر قدید میں ساحل سمندر سے متصل ''مشلل'' نامی ایک پہاڑی پر نصب کیا۔

اوس وخزرج کے علاوہ غسان، ہذیل، خزاعہ، بنی کعب اور ارد شنوءہ (اہل عمان) بھی مناۃ کی پرستش کرتے تھے۔قبیلہ بنوسلمہ کے سردار عمرو بن جموح بن زید کے گھر پر بھی لکڑی کا بنا ہوا

منات نامی بت رکھا تھا عمرو اس کی پوجا کرتا اور عزت و تکریم سے اسے خوشبو لگاتا۔ اسی طرح دوسرے لوگوں کے گھروں میں بھی مورتیاں ہوتی تھیں جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ ایک اہم شخص دیوتاؤں کے انتظام پر مقرر ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنی سہولت کے لئے مندر بھی بنالیے تھے۔ اوس و خزرج کے تمام اہم لوگوں کے گھروں اور مندروں میں بت تھے البتہ غریب لوگ لکڑی کے بت استعمال کرتے تھے۔

بت پرستی کے اس ماحول میں کچھ لوگ خدا پرستی کی طرف مائل تھے۔ کچھ لوگوں نے بت پرستی کو چھوڑ کر یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اوس و خزرج کی کسی عورت کا بچہ زندہ نہ بچتا تو وہ منت مانتی کہ اگر اولاد پیدا ہوئی تو اسے یہودی بناؤں گی۔ اس طرح اوس و خزرج میں یہودی مذہب اختیار کرنے والوں کی خاصی تعداد ہوگئی اور کئی قبیلوں کے سردار بھی یہودی ہوگئے۔

اوس خزرج خاص طور پر منات کے بت کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے اور انہوں نے اس بت کی رضا جوئی کے لئے طرح طرح کی رسمیں ایجاد کر لی تھیں۔ وہ اس مقام سے احرام باندھتے، اس کی نیازیں چڑھاتے اور حج سے واپسی پر وہیں سر منڈواتے اور قربانی کرتے تھے۔ البتہ وہ کعبہ شریف کو اس سے برگزیدہ اور معزز سمجھتے تھے۔ جب وہ حج سے فارغ ہو جاتے تو احرام نہیں کھولتے تھے بلکہ منیٰ سے سیدھے قدید میں آ کر منات کرتے تھے۔ اس کی تلبیہ پڑھتے پھر احرام کھولتے تھے۔ نیز منات کے حج کے احرام کی حالت میں وہ لوگ مکان، خیمہ یا کسی دوسری چیز کے چھت کے نیچے بیٹھنے اور رہنے سے بھی گریز کرتے تھے۔

آمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جب پورا عرب کفر کے اندھیروں میں ڈوب گیا تو اچانک روشنی کی ایک کرن امید بن کر طلوع ہوئی جس سے نہ صرف عرب بلکہ پوری کائنات منور ہوگئی۔ یہ ہمارے پیارے نبی اس کائنات کے سب سے اہم، محترم اور معزز انسان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور مبارک تھا۔ آپ ﷺ سر زمین عرب اور دنیا کے محور و مرکز مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے جب قدرت انسانیت پر مہربان تھی اور اس نے اس کائنات کا سب سے قیمتی تحفہ ایک خوش قسمت امت کی نذر کر دیا تھا۔

جب آپ ﷺ بے داغ اور مثالی زندگی گزارنے کے بعد چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو آپ ﷺ کو نبوت عطا ہوئی اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانا شروع کیا۔

چونکہ اسلام پرانے تمام ادیان کی نفی کا آغاز تھا اس لئے آپ ﷺ کے پیغام کو ٹھکرا دیا مگر آپ ﷺ مستقل مزاجی سے اپنی کوششوں میں مصروف رہے اور رفتہ رفتہ لوگ اسلام قبول کرنے لگے۔

اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کی تعداد ابتداءً بہت کم تھی اور ان کا کوئی اثر رسوخ نہیں تھا اس لئے کفار ان کمزور مسلمانوں کے خلاف متحد ہوگئے اور انہوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی مگر وہ انہیں تبلیغ راہ حق سے نہ ہٹا سکے۔

آغاز نصوت اور تبلیغ اسلام کے حوالے سے آپ ﷺ تبلیغ دین کے لئے مجمع، میلوں اور جلسوں میں تشریف لے جاتے جہاں قوم عرب اور ان کے قبیلے جمع ہوتے تھے۔ آپ ﷺ ان کی محفلوں میں جاتے اور ان کو دعوتِ اسلام دیتے کہ شاید کوئی اسلام قبول کرلے مگر دوسری طرف عرب قبائل آپس میں کہتے تھے کہ جو لوگ آپ ﷺ کے کنبے قبیلے سے ہیں ان کو ہم سے زیادہ حقانیت کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے، جب وہی ان کے حلقہ اطاعت میں نہ آسکے تو دوسروں کو کیا غرض پڑی ہے۔

تاہم آپ ﷺ کبھی بھی مایوس نہیں ہوئے اور ہر مشکل اور تکلیف کا بڑے حوصلے اور صبر سے سامنا کیا اور ہمیشہ اپنے رب کی مرضی میں خوش رہے۔

آپ ﷺ اور اوس و خزرج

ایک دفعہ یثرب کے قبیلہ بنی عبدالاشہل کے چند لوگ قریش سے معاہدہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ آئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک جوان ایاس بن معاذ نے اپنی قوم سے کہا۔

"اے قوم! ان سے بیعت کرلو! خدا کی قسم یہ عہد اس معاہدے سے بہتر ہے جو تم قریش سے کروگے اور یہ کام اس کام سے بہت ہی اچھا ہے جس کے لئے تم آئے ہو۔" ایاس کی بات

کے جواب میں ان کا سردار کھڑا ہو کر بولا۔

''ہرگز نہیں......ہم اس کی دعوت قبول نہیں کریں گے۔'' دوسروں نے بھی اس کے خوف سے خاموشی اختیار کی۔ یہ لوگ عہد نامہ قریش اور بیعت اسلام دونوں باتوں پر غور کرتے ہوئے اپنے شہر کو لوٹ گئے۔

بعد میں ایاس بن معاذ کا انتقال ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق اس نے حالت اسلام میں دم توڑا۔ نبوت کے گیارہویں سال، حج کے ایام میں اوس و خزرج کی ایک جماعت یثرب سے آئی ہوئی تھی۔ مقام عقبہ پر آپ ﷺ نے ان لوگوں کو شرف ملاقات بخشا اور ان سے دریافت فرمایا۔

''کیا تم لوگ مدینہ سے آئے ہو؟''

ان لوگوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''اگر تم لوگ بیٹھو تو میں تم سے ایک بات کہوں!''

وہ لوگ جو آپ ﷺ کی اپنی محفل میں آمد پر مہمان کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، سب کے سب بیٹھ گئے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''پروردگار عالم نے مجھے مخلوق میں رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر ایک کتاب بھی نازل کی ہے۔ میری قوم اوامر الٰہی کی تبلیغ سے مانع ہوتی ہے اگر تم لوگ ایمان لاؤ اور دین اسلام کی تائید کرو تو سعادت ابدی کو پہنچ جاؤ گے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی شیریں زبان سے قرآن پاک کی چند آیات کی پر کیف اور وجد آفریں تلاوت کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔

اوس و خزرج کے یہ لوگ جن میں زیادہ تر نوجوان تھے۔ گہری سوچوں میں گم ہو گئے۔ یہ اپنے وطن میں یہودیوں سے رحمت کائنات کا تذکرہ سنتے رہتے تھے۔ یہودی ان کو ڈرایا کرتے تھے کہ ذرا انتظار کرو۔ آفتاب رسالت طلوع ہونے کو ہے جس کے سایۂ عاطفت میں ہم تمہیں تہس نہس کر دیں گے۔ بالآخر انہوں نے بیک وقت اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے ان سے اللہ کے احکامات پر چلنے کا وعدہ لیا اور انہیں اسلام کی تعلیم سے آگاہ کیا۔

یہ خوش قسمت لوگ جن کی تعداد چھ تھی اپنے وطن پہنچے تو انہوں نے یہ خوشخبری دوسرے

لوگوں کو سنائی۔ انہوں نے بتایا۔

''رحمت کائنات ﷺ مبعوث ہو چکے ہیں۔ وہ نبی ﷺ آ چکے ہیں جن کے انتظار میں سارا عالم چشم براہ ہے۔ یہ فخر سے بتا رہے تھے کہ ہم نے ان ﷺ کے چہرۂ انور کے نور تاباں سے اپنی آنکھیں منور کی ہیں، ہمارے کان ان کے معجزہ نما کلام سے لطف اندوز ہوئے اور ہمارے دلوں کو ان کے رخ زیبا کے دیدار سے سرور نصیب ہوا۔'' اس عقیدت و محبت کا نتیجہ یہ نکلا کہ گھر گھر میں آپ ﷺ کا تذکرہ ہونے لگا اور کئی لوگ آپ ﷺ کے دیدار اور پیام کے متمنی ہو گئے۔

اوس و خزرج کا اگلا سال

دوسرے سال حج کے ایام میں بارہ اشخاص آئے جن میں سات افراد نئے تھے ایک اور روایت کے مطابق چھ افراد نئے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی اپنے دستِ مبارک پر بیعت کیا اور ان سے وعدہ لیا کہ ''ہم آپ ﷺ سے جنت کے وعدے پر بیعت کرتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ چوری اور برے کام نہیں کریں گے۔ قتل و غارت کے قریب نہیں جائیں گے اور آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اگر ہم اس پر کاربند رہے تو جنت کی ابدی نعمتیں ملیں گی اور خلاف ورزی کی صورت میں فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔''

جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو آپ ﷺ نے قرآنی تعلیمات اور اسلامی احکامات سکھانے کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ہمراہ روانہ فرمایا۔

مدینہ منورہ میں اسلام

حضرت مصعب بن عمیرؓ نے مدینہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مکان میں قیام کیا اور ان کی مدد سے جمعہ قائم کیا۔ یہ پہلا جمعہ مبارک تھا جو اس شہر میں ادا کیا گیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے باجماعت نماز کا اہتمام کیا اور نو مسلموں کو قرآن پاک، فقہ دین اور اقامت جماعت کی تعلیم دیتے رہے اور دعوت اسلام اور مسائل شرعیہ کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔

ایک دفعہ بنی عبدالاشہل کے ایک باغ میں مجمع جمع ہوا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے

تلاوت قرآن مجید کی۔ اور احادیث رسول ﷺ کا ذکر کیا۔ یہ خبر اوس وخزرج کے اکابر اور سردار سعد بن معاذ تک پہنچی۔ وہ ہاتھ میں نیزہ لیکر اس باغ کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے اور عرب کے پرانے رسم و رواج کے مطابق کہنے لگے۔

''اپنے شہر کا نکالا ہوا یہ غریب کس لئے ہمارے مکان کے دروازے پر آیا ہے اور احمقوں کو راہ سے بے راہ کرتا ہے، جو باتیں کسی نے آج تک نہیں سنی تھیں، یہ کہتا ہے۔ اگر آج کے بعد یہ (حضرت مصعب بن عمیرؓ) دوبارہ آئے گا تو سزا پائے گا۔''

دوسرے دن حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے ہمراہ اسی مقام پر پہنچے تو یہ خبر سعد بن معاذ کو پہنچائی گئی۔ سعد فوراً وہاں پہنچے مگر آج ان کا غصہ قدرے کم تھا۔ حضرت اسعد بن زرارہؓ نے ان کو ذرا نرم دیکھا تو بولے۔

''اے میرے خالہ زاد بھائی! پہلے سن لو کہ یہ آدمی کیا کہتا ہے۔ اگر بری بات کہتا ہے یا گمراہی کے راستہ پر بلاتا ہو تو آپ کوئی اس سے بہتر چیز پیش کیجئے اور راہ راست دکھائیے۔ اگر یہ اچھی بات کہتے ہیں اور ہدایت پر ہیں تو کس لئے ان کو برا بھلا کہتے ہو؟ ان کے وجود کو غنیمت کیوں نہیں سمجھتے!''

سعد نے کہا۔ ''اچھا کہیں! کیا کہتے ہیں؟''

حضرت مصعب بن عمیرؓ نے سورۃ الزخرف کی آیات کی تلاوت کی۔

ترجمہ:۔ حٰمٓ...... قسم ہے واضح کتاب کی، بے شک ہم نے اسے بنایا عربی زبان میں قرآن، تا کہ تم سمجھو اور بے شک وہ (قرآن) ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں ہے، بلند، باحکمت۔ کیا ہم یہ نصیحت تم سے اعراض کر کے اس لئے ہٹالیں کہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو اور ہم نے پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجے اور ان کے پاس نہیں آیا کوئی نبی، مگر وہ اس سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ پس ہم نے ان (اہل مکہ) سے زیادہ سخت پکڑ والے لوگوں کو ہلاک کیا ہے اور گزر چکی ہے پہلے لوگوں کی حالت۔

(۴۳۔ سورۃ الزخرف۔ آیت نمبر ۱ تا ۸)

سعد نے یہ کلام سنا تو متاثر ہو کر عبرت پکڑی اور اپنی قوم میں واپس آ کر تمام بنی عبدالاشہل کو بلوایا اور ان کے سامنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر کے سب کو اسلام کی دعوت

دی اور کہا۔

''جس شخص کو بھی خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس میں اگر کوئی شک ہو تو اس سے بہتر چیز لائے تا کہ میں بھی جان سکوں کہ کیا لاتا ہے؟ قسم خدا کی یہ ایک ایسا امر ہے کہ اس پر جانیں قربان ہوں گی اور سر اس کے راستے میں رکھے جائیں گے۔''

اس کے بعد انہوں نے اپنی قوم سے دریافت کیا۔ ''اے! بنی عبدالاشہل اپنی قوم میں مجھے کس درجے کا سمجھتے ہو اور مجھے کتنا عاقل و دانا شمار کرتے ہو؟''

ان کی قوم نے جواب دیا۔ ''آپ یقیناً افضل ہیں۔''

یہ سن کر سعدؓ نے اعلان کیا۔ ''تمہارے زن و مرد سے مجھے کلام کرنا اس وقت تک حرام ہے جب تک تم لوگ خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاؤ گے۔''

چنانچہ اس جرأت مندانہ اقدام کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا قبیلہ عبدالاشہل حلقہ بگوش اسلام ہوا اور پھر اسلام تیزی سے پھیلنے لگا حتیٰ کہ انصار کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جو نورِ اسلام سے منور نہ ہوا ہو۔ اشراف قبائل اور اکابر قوم ایمان لے آئے اور بتوں کو چھوڑ کر اسلام کے سایہ عاطفت میں آ گئے۔

بیعت عقبیٰ (منیٰ) ثانیہ ۱۲ھ نبوی

تیسرے سال حضرت مصعب بن عمیرؓ حج مبارک کے ارادے سے ۷۲ افراد کے ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ ان کے پاس آپ ﷺ کو سنانے کے لئے سال بھر کی کارگزاری تھی۔ آپ ﷺ نے منیٰ میں اسی گھاٹی پر ملنے کا وعدہ کیا جہاں گزشتہ سال بارہ اوس وخزرج مسلمان ہوئے تھے۔

آپ ﷺ اپنے عم زاد حضرت عباسؓ کی معیت میں رونق افروز ہوئے۔ حضرت عباسؓ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے مگر آپ ﷺ کی حمایت کو بے حد محبوب رکھتے تھے۔ انہوں نے اوس وخزرج سے کہا۔ ''محمد ﷺ اپنی قوم میں نہایت عزت اور وقعت رکھتے ہیں۔ اگر تم لوگ ان کی پوری طرح حمایت اور حفاظت کا حق ادا کر سکو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہنے کا وعدہ کرو تو بہتر، ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو۔''

اوس وخزرج کی طرف سے جواب ملا۔ ''محمد ﷺ اپنے لئے اور اللہ تعالیٰ کے لئے جو چاہیں عہد ہم سے لے لیں۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور پھر قرآن مجید کی تلاوت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ مجھے ٹھکانہ دو اور جس طرح تم اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح میری بھی حفاظت کرو اور خوشی ہو یا رنج، راحت ہو یا کلفت، افلاس ہو یا تونگری ہر حال میں میری اطاعت کرو اور جو کچھ میں کہوں اسے سنو۔''

اوس وخزرج کی طرف سے عرض کیا گیا۔ ''اگر ہم یہ سب کچھ کر گزریں تو ہمیں اس کا صلہ کیا ملے گا؟''

اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''اس کے بدلے تمہیں جنت کی لازوال نعمتیں ملیں گی۔''

چنانچہ قبیلہ اوس وخزرج نے جنت کے وعدے پر اسلام قبول کیا اور قبول اسلام کے بعد بیعت سے مشرف بار ہوئے پھر ابوالہیثمؓ نے کہا۔

''یارسول اللہ! یہود کے ساتھ ہمارے تعلقات پہلے سے چلے آ رہے ہیں مگر اس بیعت کے بعد وہ منقطع ہو جائیں گے اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ جب آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ فتح ونصرت سے ظفریاب فرمائے تو آپ ﷺ ہمیں تڑپتا چھوڑ کر مکہ مکرمہ واپس ہو جائیں؟'' یہ سن کر آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ تمہاری جان میری جان ہے۔ جس سے تمہاری جنگ ہے اس سے میری جنگ ہے۔ جس سے تمہاری صلح ہوگی اس سے میری صلح۔ اب تم میرے اور میں تمہارا ہوں!''

یہ سن کر اوس وخزرج خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ آپ ﷺ کے اعتماد نے انہیں ایک نئی سوچ دی اور ان کی زندگی بدل گئی۔ وہ جس خوشی اور عقیدت سے ایمان لائے اور فقید المثال تعاون پر آمادہ ہوئے آپ ﷺ نے انہیں ''انصار'' کے لقب سے نوازا۔

بیعت سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''حضرت موسیٰؑ نے بنی

اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب کیے تھے۔ میں بھی حضرت جبرائیلؑ کے کہنے پر تم میں سے بارہ نقیب چنتا ہوں۔'' نقباء انتخاب کے بعد آپ ﷺ نے نقباء سے ارشاد فرمایا۔ ''تم اپنی قوم کے کفیل اور ذمہ دار ہو جیسا حضرت موسیٰؑ کے نقباء تھے۔

جب یہ لوگ رخصت ہونے لگے تو انہوں نے آپ ﷺ کو بے حد احترام وخلوص سے مدینہ میں تشریف آوری کی دعوت دی۔ آپ ﷺ نے انصار کو ان الفاظ میں جواب دیا۔

''ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکہ معظمہ چھوڑ کر جانے کی اجازت نہیں ملی اور نہ ہی ہجرت کی جگہ صراحتاً بتائی گئی ہے۔ جس وقت اور جس جگہ کا حکم ہوگا، میں ہجرت کروں گا۔''

ہجرت کی ضرورت

آپ ﷺ تیرہ سال تک تبلیغ دین کرتے رہے اور کفار کی مخالفت اور ظلم وستم سہنے کے باوجود آپ ﷺ نے دعوت حق کا مشن جاری رکھا اور کسی بھی مشکل اور پریشانی سے نہ گھبرائے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ پر پتھروں کی بارش کی گئی مگر آپ ﷺ بردباری، وقار اور تحمل سے سب کچھ سہتے رہے اور صبر کا دامن تھامے رکھا اور ظالموں کے حق میں ان کی اصلاح کے لئے دعا فرماتے رہے۔ جبکہ اس کے جواب میں ہر سو تلواروں کی جھنکار سنائی دیتی رہی۔

جب کفار کا ستم حد سے بڑھا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دے دی اور مسلمان کفار مکہ کے ظلم سے بچنے کے لئے اپنے گھر بار چھوڑ کر وقتاً فوقتاً ہجرت کرتے گئے۔ حتیٰ کہ ایک خاص تعداد ملک حبشہ (ایتھوپیا) ہجرت کر گئی۔ کچھ مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

مسلمانوں کی روز بروز بڑھتی ہوئی تعداد سے کفار مکہ خائف تھے۔ وہ حیران تھے کہ اتنے ظلم وستم سہنے کے باوجود بھی یہ لوگ محمد ﷺ کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے، مسلمانوں اگرچہ تعداد میں کم تھے اور ان کی اکثریت کمزور اور بے حیثیت تھی مگر ان سے کفار زبردست خطرہ محسوس کر رہے تھے۔

جب زیادہ تر مسلمانوں نے ہجرت کر لی تو کفار مزید پریشان ہوئے۔ بچ جانے والے چند غلاموں پر انسانیت سوز مظالم کرنے لگے۔ اب مکہ معظمہ میں آپ ﷺ کے ساتھ حضرت علیؓ

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سوا کوئی خاص ساتھی نہ بچا تھا۔

ادھر کفار نے ابوجہل کی سربراہی میں ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں آپ ﷺ کی ہجرت کے امکان کا جائزہ لیا گیا۔ شیطان اس محفل میں انسانی روپ میں شریک تھا۔ بعض لوگوں نے آپ ﷺ کو جلاوطن کرنے اور بعض نے آپ ﷺ کو جلاوطن کرنے اور بعض نے قید کرنے کی تجویز پیش کی۔ ابوجہل نے یہ تجویز پیش کی۔ ''ہر قبیلہ سے ایک شخص انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان ﷺ کا خاتمہ کردے اس صورت میں ان ﷺ کا خون (قصاص) تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور آلِ ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔''

عین اسی وقت حضرت جبرائیلؑ آپ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ ﷺ کو کفار کی مجلس مشاورت کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور کفار کی حرکت سے خبردار کیا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔

''قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب کافر آپ ﷺ کے ساتھ مکر کرتے تھے کہ آپ ﷺ کو قید کرلیں یا شہید کردیں یا جلاوطن کردیں اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔'' پھر اس کے بعد آپ ﷺ کو بھی ہجرت کی اجازت دے دی گئی۔

ہجرت

اجازت ملنے کے بعد آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پر تشریف لے گئے اور انہیں بتایا ''مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دریافت کیا۔ ''یارسول اللہ ﷺ! میرے بارے میں کیا حکم ہے؟''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ فرطِ مسرت سے رونے لگے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس دن کے لئے اپنی دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں اور چار ماہ سے انہیں کھلا پلا کر خوب سنبھالا ہوا تھا۔ انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی۔ ''ان میں

سے ایک اونٹنی آپ ﷺ قبول کیجئے۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''میں نے قبول کیا لیکن بشرط خرید، اور بے حد اصرار حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آٹھ سو درہم لینے پر آمادہ کیا۔

پھر آپ ﷺ واپس گھر تشریف لائے، اس دوران کفار کا ہجوم آپ ﷺ کے دروازے پر جمع ہو رہا تھا تاکہ اپنے مذموم ارادوں میں کامیابی حاصل کرلیں۔ آپ ﷺ نے کفار کی امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں اور انہیں اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا تاکہ اگر کوئی باہر سے جھانکے تو بستر خالی نظر نہ آئے۔ پھر آپ ﷺ سر مبارک پر چادر اوڑھ کر باہر تشریف لائے۔

ابوجہل نے آپ ﷺ کو دیکھ کر کہا۔ ''یہ محمد ﷺ ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر تم ہمارے تابع ہوجاؤ تو ملک عرب و عجم تمہارا ہوجائے اور بہشت بریں تمہارا گھر بن جائے۔ اگر میری تابعداری نہ کرو گے تو دنیا میں میرے ہاتھ سے قتل کیے جاؤ گے اور آخرت میں تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔''

ابوجہل اپنی بات پوری کرچکا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''ہاں یہی کہتا ہوں اور ایسا ہی ہوگا اور ان دوزخیوں کی جن کی خبر میں نے دی ہے ان میں ایک تو بھی ہوگا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دستِ اقدس میں مٹھی بھر خاک لی اور چند آیات کی تلاوت فرمانے کے بعد یہ مٹی کفار کی طرف پھینکی اور اسی حالت میں ان کے سامنے سے نکلتے ہوئے چلے گئے۔ کفار سمجھے کہ آپ ﷺ واپس گھر میں تشریف لے گئے ہیں۔

آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لیا اور کعبۃ اللہ کو حسرت بھری نگاہوں سے الوداع کہتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ''مکہ! تو مجھے ساری کائنات سے عزیز تھا لیکن تیرے فرزند مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔'' یہ کہہ کر غارِ ثور کا رخ کیا جہاں پر تین دن تک اقامت پذیر رہے۔

اس دوران حضرت ابوبکر صدیقؓ کا غلام عامر بن فہیرہ بکریاں چرانے کے بہانے سے آتا اور آپ لوگوں کو دودھ فراہم کرتا۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ شام کے وقت گھر سے کھانا پکا کر لاتیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے عبداللہ رات کو غار میں سو جاتے اور صبح کے وقت قریش کے متعلق معلومات حاصل کرنے شہر چلے جاتے۔

کفار آپ ﷺ کا تعاقب کرتے ہوئے غار ثور تک پہنچ گئے مگر انہیں غار میں داخل ہونے کی توفیق نہیں ہوئی، انہوں نے دیکھا کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تنا ہوا تھا اور وہاں کبوتری نے انڈہ دیا ہوا تھا۔ کبوتری کبھی انسانوں کی موجودگی میں انڈہ نہیں دیتی۔ چنانچہ وہ سمجھے کہ غار میں کوئی نہیں ہے اور وہ واپس ہو گئے۔

تین دن بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قابل اعتبار غلام عبداللہ بن اریقط دونوں اونٹنیاں لے کر پہنچ گیا جو اسی کے گھر پر پلی تھیں۔ اس نے مدینہ منورہ تک راہنمائی کے فرائض انجام دیئے چوتھا آدمی حضرت ابوبکر صدیقؓ کا غلام عامر بن فہیرہ تھا۔

اس دن حضرت اسماءؓ ڈھیر سا کھانا سفر کے لئے تیار کر کے لائی تھیں۔ اتفاق سے وہ کھانا باندھنے کے لئے رسی لانا بھول گئی تھیں۔ مجبوراً انہوں نے کمر کے گرد باندھنے والا کپڑا کھولا اور اس کے دو حصے کیے۔ ایک حصے سے کھانا کجاوے میں باندھا اور دوسرا حصہ اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیا۔ آپ ﷺ یہ دیکھ کر ان سے خوش ہوئے اور انہیں ”ذات النطاقین“ کہہ کر پکارا جو ان کا لقب بن گیا۔

مدینہ کی سمت آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا سفر ایک دن اور ایک رات جاری رہا۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ تیز ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک چٹان کے سائے میں آرام فرمانے کو کہا اور خود آپ ﷺ کے لئے دودھ کا بندوبست کرنے نکلے۔ اتفاق سے ایک چرواہا مل گیا اس سے دودھ حاصل کیا اور برتن پر کپڑا لپیٹ کر آپ ﷺ کے پاس لائے۔ آپ ﷺ نے بکری کا یہ دودھ نوش فرمایا اور تھوڑی دیر آرام کر کے دن ڈھلے وہاں سے روانہ ہوئے۔

ادھر مکہ معظمہ میں ایک دن علی الصبح ایک شخص نے کہا کہ اس نے تین شتر سواروں کو جاتے دیکھا ہے میرا خیال ہے وہ محمد ﷺ اور ان کے رفقاء تھے۔ یہ سن کر سراقہ بن جعشم نامی ایک شخص چالاکی سے بولا کہ ان کو میں جانتا ہوں جو آج شب روانہ ہوئے ہیں۔

دراصل سراقہ نے سب کو مطمئن کرنے کے لئے جھوٹ بولا تھا۔ وہ آپ ﷺ کو خود گرفتار کر کے سو اونٹ کا انعام حاصل کرنا چاہتا تھا، اس نے اپنے ہتھیار اور گھوڑا شہر سے باہر بھجوا دیئے اور خود بھی لوگوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا اونٹوں کے نقش قدم پر تیزی سے روانہ ہوا۔

وہ تھوڑی دور گیا تھا کہ گھوڑے نے اڑی دکھائی اور سراقہ نیچے آن گرا۔ وہ پھر سوار ہوا اور وہاں سے آگے چل دیا۔ جب آپ ﷺ کے اونٹ نظر آنے لگے تو اس کے گھوڑے نے پھر ٹھوکر کھائی اور اس کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور سراقہ پشت کے بل گر پڑا مگر وہ پھر اٹھ کھڑا ہوا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ﷺ کی طرف بڑھا۔ جب وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا اور سراقہ زمین پر آن گرا۔ یہ ماجرا دیکھ کر وہ سخت خوفزدہ ہو گیا اور آپ ﷺ کو آواز دے کر ایک بات سننے کی التجا کی، آپ ﷺ نے سواری روک دی۔

سراقہ بولا ”میں آپ ﷺ کو گرفتار کرنے کی نیت سے آیا تھا مگر اب واپس جاتا ہوں اور آپ ﷺ سے معافی مانگتا ہوں۔ مجھے ایک امان نامہ لکھ دیجئے اور معاف کر دیجئے۔ میں واپسی پر دوسرے لوگوں کو بھی جو میرے پیچھے اسی غرض سے آ رہے ہوں گے، واپس لے جاؤں گا۔“

آپ ﷺ کے حکم پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام عامرؓ بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا اور وہ اس تحریر کو لے کر مکہ معظمہ واپس چلا گیا۔ راستے میں جو اس ارادے سے آتا ملا اسے یہ کہہ کر واپس کر دیتا کہ اس طرف کہیں سراغ نہیں ملا۔ پھر بعد ازاں سراقہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گیا اور اسی تحریر کو اپنی امان بنایا۔

دوران سفر چند اور بھی معجزات دیکھے گئے مثلاً جبل ابی قیس سے آپ ﷺ کی سلامتی کی غیبی آواز سنائی دی اور آپ ﷺ ام معبد کے گھر اترے تو ان کی مریل سی بھوکی بکری نے اس لمحہ وافر مقدار میں دودھ دیا۔ ان کے شوہر گھر آئے تو دودھ دیکھ کر اچنبھے سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ ام معبد نے سارا احوال سنایا تو ان کے شوہر نے کہا کہ اچھا اس قریشی نوجوان کا نقشہ تو بیان کرو، یہ وہی تو نہیں ہے جس کی تشہیر آسمانی کتابوں میں ہے۔ ام معبد نے ان حسین الفاظ میں تصویر کھینچی۔

حلیہ مبارک

”پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ پیٹ باہر نکلا ہوا نہ سر کے بال گرے ہوئے، زیبا، صاحب جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے آواز میں بھاری پن، بلند گردن،

روشن مردمک، سرگیں چشم، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگھریالے بال، خاموش دقار کے ساتھ گویا لبستگی لیے ہوئے، دور سے دیکھنے میں زبندہ و دلفریب، قریب سے نہایت شیریں و کمال حسین، شیریں کلام، واضح الفاظ کلام الفاظ کی کمی بیشی سے مبرا تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی۔ میانہ قد کہ کوتاہ نظر سے حقیر نظر نہیں آتے۔ نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرتی۔ زبندہ نہال کی تازہ شاخ، زبندہ منظر والا قد، رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد و پیش لوگ رہتے ہیں۔ جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں جب حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں، مخدوم، مطاع، نہ کوتاہ سخن نہ فضول گو......"

ام معبدؓ کو اس سے پہلے آپ ﷺ سے تعارف نہیں تھا انہوں نے بلا تعصب جو کچھ دیکھا اس کو من و عن کہہ دیا۔

بریدہ اسلمی کا سامنا

جب آپ ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے تو بریدہ اسلمی اپنے ستر ساتھیوں کے ساتھ آن کھڑا ہوا۔ جو قریش کے اشارے پر آپ کی گرفتاری کے لئے سو اونٹوں کے انعام پر مقرر ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا۔

"تو کون شخص ہے اور تیرا نام کیا ہے۔"

اس نے اپنا نام بتایا تو آپ ﷺ نے اس کے نام کے معنی بتا کر اس کے قبیلے کے متعلق دریافت فرمایا جس پر بریدہ نے بتلایا کہ وہ بنی اسلم سے تعلق رکھتا ہے۔

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "خیر اور سلامتی ہے۔" پھر دریافت فرمایا۔ "کون سے بنی اسلم!"

بریدہ نے جواب دیا۔ "بنی سہم سے۔" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "تو نے اپنا حصہ اسلام سے پالیا۔"

اس کے بعد بریدہ اسلمی نے پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟"

آپ ﷺ نے جواب دیا۔ "میں محمد بن عبداللہ (رسول اللہ ﷺ) ہوں!"

بریدہ نے جو یہ مبارک نام سنا تو آپ ﷺ پر ایمان لے آیا اور اس وقت کلمہ پڑھ کر

مسلمان ہو گیا اور اس کے ہمراہ جو جماعت تھی وہ بھی سب کے سب مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد بریدہ اسلمی نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ ﷺ جس وقت آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوں ایک جھنڈا آپ ﷺ کے ہمراہ ہونا چاہیئے۔" یہ کہہ کر اپنا عمامہ اتارا اور نیزے پر باندھ کر آپ ﷺ کے آگے چل دیا اور التماس کی۔

"یا رسول اللہ ﷺ وہ کون سا مکان ہے، جس کو اپنے قیام سے مشرف فرمائیں گے؟"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے۔ جس جگہ بیٹھے گی میرا قیام وہیں ہوگا۔"

راستے میں کچھ اصحاب سے ملاقات ہوگئی جو تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے اور وہاں سے واپس آرہے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے بیش قیمت کپڑے ہدیتاً پیش کیے۔

آپ ﷺ کا انتظار

اہلیان مدینہ ہر روز علی الصبح شہر سے نکلتے اور راستے میں کھڑے ہو جاتے اور بے تاب نظروں سے اپنا گوہر مقصود تلاش کرتے۔ جب سورج کی تمازت اور گرمی کی شدت میں اضافہ ہو جاتا تو وہ حسرت و یاس کے ساتھ لوٹ آتے۔

پھر ایک دن جب انتظار بسیار کے بعد لوگ اپنے گھروں کو جا چکے تھے تو ایک یہودی کی نگاہ اس قدسی قافلہ پر پڑی اور وہ بے ساختہ پکار اٹھا۔

"اہل عرب! تمہیں جس مقصود کائنات کا انتظار تھا وہ آگئے۔"

آن کی آن میں یہ خبر پھیل گئی۔ انصار فرط سرور میں اپنے بدن پر ہتھیار سجا کر بے تابانہ انداز میں گھروں سے نکل آئے اور اپنی عادت کے موافق نیزہ بازی کرتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے آپ ﷺ کی طرف دوڑے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو آپ ﷺ پر چادر پھیلا کر سایہ کر دیا کہ آپ ﷺ کی پہچان واضح کر دی۔

بچیوں نے دف بجا کر اور عورتوں نے تعریفی کلمات گا کر آپ ﷺ کا پرتپاک استقبال

کیا، اس دن ہر دل مہمان ذی شان کے لئے بیتاب اور ہر آنکھ اس تجلی کی ایک جھلک دیکھنے کو مضطرب تھی۔ میزبانوں کے چہروں پر فخر اور مسرت کے آثار نمایاں تھے اور ان کے دل محبت اور احترام کے جذبات سے بھرے پڑے تھے۔ غلام اور آزاد خورد و کلاں مرد اور عورت سب کے سب آپ ﷺ کی تشریف آوری سے خوش ہو کر کہتے تھے۔

ترجمہ:۔

اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے
اور اللہ کے نبی ﷺ تشریف لائے

مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں تقریباً تین میل کے فاصلے پر انصار کے متعدد قبائل آباد تھے۔ اس بستی کا نام عالیہ اور قبا مشہور تھا۔ قبا ایک کنویں کا نام تھا جس کی نسبت سے بستی کا نام بھی قبا مشہور ہوگیا۔ ان قبائل میں عمرو بن عوف کا خاندان بے حد معزز اور ممتاز تھا۔ ان کے سردار کلثوم بن الہدم تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے مکان کو اپنے قیام کی رونق بخشی تھی اور اس عزت افزائی پر سارا خاندان "اللہ اکبر" کے فاتحانہ نعروں سے گونج اٹھا۔

یہاں لوگ جوق در جوق حاضر خدمت ہو کر آپ ﷺ کے دیدار سے فیض یاب ہوتے۔ آپ ﷺ نے ان ملاقاتوں میں اسلام کے اصول و ضابطے اور طور طریقے واضح کیے، اسلام پیش کیا اور لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچائے۔ مسلمانوں کو اسلامی عبادات اور آداب سے روشناس کرایا۔ لوگ آپ ﷺ کی بیعت کرتے اور مسلمان ہو کر لوٹتے تھے۔

آپ ﷺ نے قباء میں اپنے قیام کے تین دن بعد ۸ ربیع الاول نبوت کے تیرھویں سال بمطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو مسجد قبا کا سنگ بنیاد رکھا۔ ابتداء میں آپ ﷺ اپنے میزبان رئیس کلثوم ؓ بن الہدم کے مکان میں نماز ادا کرتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت سعد بن خیثمہ ؓ نے گھر میں بیوی بچے نہ ہونے کی وجہ سے اپنا مکان آپ ﷺ کی نشست کے لئے مخصوص کیا ہوا تھا۔

آپ ﷺ نے حضرت کلثوم ؓ بن الہدم کی ایک دور افتادہ زمین پر جہاں کھجوریں خشک کی جاتی تھیں مسجد قبا کی رسم تاسیس ادا فرمائی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ترجمہ:۔ "البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن ہی پرہیزگاری پر رکھی گئی وہ زیادہ اس لائق

ہے کہ تم اس میں کھڑے رہو۔ وہاں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے ہاں تشریف لے گئے اور ان سے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں کا کون سا عمل پسندیدہ اور قابل تعریف ہے جس کی وجہ سے قرآن مجید نے تم لوگوں کی تعریف وتحسین کی ہے۔ وہ عرض کرنے لگے۔

"اے اللہ کے حبیب ﷺ ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان جائیں ہمیں بہت زیادہ محبوب عمل تو کوئی معلوم نہیں البتہ ہم رفع حاجت کے بعد پانی کا استعمال کرتے ہیں۔"

اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "ایسی نظافت اور طہارت پسندی کے باعث، اللہ کریم نے تم لوگوں کی تعریف فرمائی ہے۔"

قباء مسجد کی تعمیر

مسجد قباء تاریخ اسلام کی پہلی باقاعدہ مسجد ہے جسے حضور ﷺ کے دست اطہر سے تعمیر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مسجد قباء میں نفل پڑھنا عمرہ کے ثواب کے برابر ہے۔ آپ ﷺ خود بھی بڑی باقاعدگی سے مسجد قباء کی زیارت کو کبھی پیدل اور کبھی سواری پر تشریف لاتے تھے۔ ہفتے میں ایک دن آپ ﷺ یہاں ضرور تشریف فرما ہوتے تھے۔

آپ ﷺ کے حکم کے مطابق مسجد کی تعمیر کے لئے حرہ مشرقی سے پتھر لائے گئے۔ جب مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جانے لگا تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے پہلا پتھر رکھا پھر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس کے ساتھ پتھر رکھا اس کے بعد حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنے ہاتھ سے صدیق اکبر ؓ کے پتھر کے ساتھ پتھر رکھا پھر حضرت عثمان غنی ؓ پتھر لائے اور اس کے ساتھ نصب کر دیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"میرے بعد انہیں اسی ترتیب میں خلافت عطا کی جائے گی۔" اس کے بعد ہر شخص پتھر رکھتا گیا۔ تعمیر مسجد میں آپ ﷺ مزدوروں کے شانہ بشانہ مصروف کار رہے اور بڑے بڑے وزنی پتھر اٹھاتے رہے حتیٰ کہ پتھروں کے وزن سے جسد عنبریں خم کھا جاتا مگر آپ ﷺ نے اس کام سے تساہل گوارہ نہیں کیا۔ عقیدت مند بڑی عقیدت اور التجاء کے ساتھ عرض کرتے۔

"آپ ﷺ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ ﷺ چھوڑ دیں ہم خود ایسے وزنی پتھر اٹھائیں گے۔"

آپ ﷺ ان کی دلداری کرتے ہوئے وہ پتھر چھوڑ دیتے مگر ویسا ہی دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔

شاعر الاسلام حضرت عبداللہؓ بن رواحہ دیگر حضرات کے ساتھ اس کار خیر میں شریک تھے اور دوران کام اشعار پڑھتے تو آپ ﷺ اس خوش کن اور دلفریب ردیف کے ہر ہر قافیہ کے ساتھ آپ ﷺ بھی آواز ملاتے جاتے بعض اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

"مسجد تعمیر کرنے والا کامیاب ہے۔ جو اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے، رات (عبادت میں) جاگ کر گزارتا ہے۔"

قباء سے روانگی

آپ ﷺ نے قباء میں چودہ روز قیام فرمایا۔ پھر مدینہ منورہ (شہر) میں داخلے کا قصد فرمایا اور اس غرض سے قبائل انصار کو طلب فرمایا۔ انصار سوار و پیادہ جمع ہوئے۔

قباء کے باشندے بنی عمرو بن عوف عذر خواہی کے لئے پیش خدمت ہوئے اور بولے کہ ممکن ہے یہاں کوئی صدمہ سید المرسلین کو پہنچا ہو جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے دوسری جگہ منتقل ہونے کا ارادہ فرمایا ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس آبادی کے لئے مامور ہوں جو تاقالہ قری (مدینہ منورہ کا ایک نام) ہے۔"

آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں اور انصار کے گھیرے میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ نے روانگی کا قصد کیا تو بنو نجار کو طلب کیا، بنو نجار ہتھیار سجا کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور آپ ﷺ ان کے گھیرے میں مدینہ منورہ کی طرف بڑھے۔

آپ ﷺ کے روانہ ہونے کے بعد انصار کے قبائل اس امید اور انتظار میں راستے میں کھڑے ہوگئے کہ شاید آپ ﷺ کی نظر ان امیدواروں پر پڑ جائے۔ وہ بھی اپنے ہاں قیام کی

درخواست گزار ہیں، آپ ﷺ ان کے لئے دعائے خیر فرماتے اور کہتے تھے کہ میری اونٹنی مامور ہے۔ جس جگہ یہ بیٹھے گی وہیں پر میرا قیام ہوگا۔

یہاں تک کہ قبیلہ بنی اسلم آ گیا جو وادی کے بطن میں قباء کے قریب واقع ہے۔ جمعہ کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ یہاں آپ ﷺ کی اقتداء میں سب سے پہلا جمعہ ادا کیا گیا۔ (جہاں آج ایک مسجد "مسجد جمعہ" کے نام سے مشہور ہے) یہاں آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا۔ جو ایمان لانے والوں کے لئے خوشخبری اور کفار کو ڈرانے والے موضوع پر مبنی تھا۔

جمعہ ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔ بنی سالم کے چند افراد حضرت عتبان بن مالکؓ اور عباس بن عبادہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سامنے آ کر آپ ﷺ کی اونٹنی پر ہاتھ رکھا اور عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ یہیں فروکش ہو جائیے۔"

ہم سب لوگ حضور ﷺ کی خدمت اور حفاظت کے واسطے حاضر ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "میری اونٹنی کو چلنے دو جہاں اس کو حکم ہے وہاں جا کر ٹھہرے گی۔"

پھر آپ ﷺ نے راس تائے کی طرف کا راستہ اختیار کر کے مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ اونٹنی روانہ ہوئی اور بنی بیاضہ کے محلے میں پہنچی جہاں حضرت زیاد بن بعیدؓ اور فردہ بن عمروؓ بنی بیاضہ کے سردار اپنی قوم کے ساتھ حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ یہاں قدم رنجہ فرمائیے۔"

آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو جہاں اس کو حکم ہے وہ خود ٹھہر جائے گی۔"

اونٹنی روانہ ہوئی حتیٰ کہ بنی ساعدہ کے محلے میں پہنچی جہاں پر حضرت سعد بن عبادہؓ اور منور بن عمروؓ اپنے لوگوں کے ساتھ حاضر تھے۔ انہوں نے بھی اپنے ہاں قیام کی نسبت عرض کیا۔

آپ ﷺ نے ان کو بھی وہی جواب دیا اور یہ لوگ بھی خاموش ہو رہے۔

غرض اسی طرح ہر قبیلہ آپ ﷺ کی اونٹنی پر ہاتھ رکھتا اور آپ ﷺ سے درخواست کرتا اور آپ ﷺ دعائے خیر فرما کر آگے بڑھ جاتے تھے اور منتظر تھے کہ وہ کہاں ٹھہرتی ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کی سواری بنی حارث بن خزرج سے ہو کر بنی عدی بن نجار پہنچی۔ یہ

لوگ رشتے میں آپ ﷺ کے ماموں لگتے تھے۔ کیونکہ سلمٰی بنت عمرو، عبدالمطلب کی ماں انہی لوگوں میں سے تھیں۔ انہوں نے بھی آپ ﷺ سے اپنے ہاں قیام کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی وہی جواب دیا اور یہ لوگ بھی خاموش ہو رہے۔

بالآخر آپ ﷺ کی سواری بنی مالک بن نجار کے محلے میں پہنچی۔

استقبال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جب آپ ﷺ مدینہ منورہ کی طرف تشریف لا رہے تھے تو ہتھیار بند جانثاروں کے گھیرے میں تھے۔ آپ ﷺ ایک ناقہ پر سوار تھے۔ سر پر یمنی عمامہ اور کاندھے پر سفید چادر تھی۔ آپ ﷺ کے لبوں پر تبسم اور آنکھوں میں مسرت کی چمک تھی۔ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر ایک نور تھا اور اس سے جو نگاہ ٹکراتی تھی نور کے سمندر میں ڈوب جاتی تھی۔

آپ ﷺ کے استقبال کے لئے مدینہ منورہ کی گلیوں کو آراستہ پیراستہ کیا گیا تھا۔ شہر میں غیر معمولی تزئین و آرائش کسی عظیم ہستی کی آمد کا پتہ دے رہی تھی۔

شہر میں ہر طرف مسرت و خوشی کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ گلی کوچوں میں دور دور تک انسانوں کا اژدہام تھا۔ عورتیں گھروں کے دروازوں اور چھتوں پر موجود تھیں اور اپنے احساسات کا اظہار گا کر کر رہی تھیں۔

ہمارے لئے چودھویں کا چاند جلوہ گر ہوا
ثنیات الوداع پہاڑیوں سے......
اس لئے ہم پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا فرض ہے۔
اس وقت تک جب تک......
اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے باقی ہیں۔

چھوٹی چھوٹی معصوم بچیاں دف بجا بجا کر آپ ﷺ کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں اور آج مدینہ منورہ کو اتنی شدت اور محبت سے ”مدینۃ النبی“ کہا گیا کہ اس کے بعد آج تک اسے کسی نے یثرب کے نام سے نہیں پکارا۔

منزل مقصود

ایک روایت کے مطابق شہر کے قریب آپ ﷺ کے پہنچنے پر ہر خاندان کی خواہش تھی کہ آپ ﷺ ان کے ہاں قیام پذیر ہوں۔ آپ ﷺ نے ان سب کا شکریہ ادا کیا اور ارشاد فرمایا۔

”میں اپنی ننھیال بنو نجار میں ٹھہروں گا۔“

پھر بنو نجار کے مختلف افراد میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کے لئے قرعہ ڈالا جو حضرت ابوایوب انصاریؓ کے نام کا نکلا۔ امام بخاریؒ اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ ابوایوب انصاریؓ کے گھر اترنا قرابت داری کی وجہ سے تھا۔

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ کی اونٹنی بنی مالک بن نجار کے محلے میں پہنچ کر رکی اور بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد اونٹنی اٹھ کر آگے گئی اور پھر واپس پہلے والی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”اگر اللہ کو منظور ہوا تو یہی منزل ہے۔“ پھر پوچھا۔ ”ہماری آل میں سے کس کا مکان قریب ہے؟“

حضرت ابوایوب انصاریؓ آگے بڑھے اور عرض کی ”میرا مکان قریب تر ہے۔ یہ میرا مکان ہے اور یہ اس کا دروازہ ہے۔“ پھر انہوں نے اونٹنی کی پشت سے آپ ﷺ کا اسباب اور سامان اتارا اور اپنے مکان میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”مکان ہر شخص کا وہاں ہے جہاں پر اس کے اسباب اور اشیاء ہوں۔“

چنانچہ ان الفاظ نے آپ ﷺ کے قیام کے فیصلے کی تصدیق کر دی۔ بنو نجار کی بچیاں ایک جماعت بن کر آپ ﷺ کی آمد اور قیام کی خوشی میں دف بجاتی ہوئی اور گاتی ہوئی نکلیں۔

ہم بنی نجار کی بیٹیاں ہیں، کیا ہی اچھا ہو کہ ہمیں
نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے پڑوسی ہونے کا شرف نصیب ہو۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”اے قبائل انصار! کیا تم مجھے دوست رکھتے ہو؟“

سبھی نے بیک وقت عرض کیا۔ ”ہاں، یارسول اللہ ﷺ۔“

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”خدا کی قسم! میں بھی تم کو دوست رکھتا ہوں۔“

مقام قیام

جس جگہ آپ ﷺ کی اونٹنی رکی تھی اس جگہ کے مالک دو یتیم بچے سہل اور سہیل تھے جو حضرت معاذؓ بن عفرا کے زیر کفالت تھے۔ اس جگہ پر کھجوریں خشک کی جاتی تھیں جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ یہاں پر حضرت سعدؓ بن زرارہ نے محض ایک احاطہ کی شکل میں مسجد بنا رکھی تھی جو بغیر چھت کے تھی، قبلہ رخ بیت المقدس کی جانب تھا جہاں حضرت سعدؓ مسلمانوں کو نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ یہ جگہ چند پرانی قبروں، کھجور کے درخت، ناہموار زمین اور ایک برساتی نالے پر مشتمل تھی۔

آپ ﷺ نے سہل اور سہیل کو طلب فرمایا اور اس قطعہ اراضی پر مسجد بنانے کے لئے اس کی قیمت دریافت فرمائی۔ بچوں نے قیمت لینے سے انکار کر دیا اور بلا معاوضہ جگہ مسجد کے لئے دینے کی پیشکش کی جسے آپ ﷺ نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ مسترد فرما دیا۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بنو نجار کے سرکردہ افراد کو طلب فرمایا اور ان سے کہا۔ ''تم اپنا یہ باغ میرے ہاتھوں فروخت کر دو۔''

انہوں نے جواباً عرض کیا۔ ''خدا کی قسم! ہم اس کا معاوضہ اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔''

مگر آپ ﷺ نے قیمت لینے پر اصرار کیا اور وہ قطعۂ اراضی دس دینار میں خریدا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حکم دیا کہ وہ رقم ادا کریں۔ کچھ دنوں سے یہ سلسلہ جاری تھا کہ جہاں نماز کا وقت ہوتا وہیں نماز پڑھ لی جاتی۔ پھر آپ ﷺ نے مسجد کی تعمیر کا حکم فرمایا۔

مسجد نبوی کا سنگ بنیاد

جگہ حاصل کرنے کے بعد آپ ﷺ نے ''مسجد نبوی'' کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس موقع پر حضرت جبرائیلؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم لائے کہ اس کا عریش موسیٰ کلیم اللہ کے عریش کے مطابق بنائیے اور اس کی بلندی سات گز سے زیادہ نہ ہو اور اس کی تزئین اور آرائش میں تکلف سے کام نہ لیا جائے۔

آپ ﷺ کے حکم کے مطابق بے محل کھجوریں کاٹ دی گئیں قبریں اکھاڑ کر ہڈیوں کو

دوسری جگہ دفن کیا گیا۔ نشیب و فراز ہموار کر کے شمال کی جانب ایک وصف میں کھڑے کر کے دیوار بنا دی گئی اور دروازے کی چوکھٹ کھڑی کر کے دونوں جانب پتھروں کی دیواریں بنا دی گئیں۔ برساتی نالہ پاٹ دیا گیا۔ تعمیر مسجد کے لئے کچی اینٹیں بنانے کا انتظام جنت البقیع کے مشرق میں بیر ایوب کے قریب کیا گیا تھا۔ صحابہ کرامؓ بڑے وقار، انہماک، ولولہ اور جذبے کے ساتھ اینٹیں لاتے اور آپ ﷺ بھی ان کے شانہ بشانہ کام میں مصروف تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب مسجد نبوی کا سنگ بنیاد رکھا جانے لگا تو آپ ﷺ نے پہلا پتھر اپنے دست اطہر سے رکھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ پتھر لائے اور اس کے ساتھ رکھ دیا۔ بعد میں حضرت عمر فاروقؓ نے اس کے ساتھ اپنے ہاتھ سے پتھر رکھا۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ نے ان کے نصب کردہ پتھر کے ساتھ اپنے ہاتھ سے پتھر لگایا۔

اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے کہا۔ ''اے اللہ کے حبیب ﷺ! غور فرمائیں یہ لوگ کس لگن کے ساتھ کام میں مصروف ہیں۔''

آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا۔ ''عائشہ! یہ لوگ میرے بعد خلعت خلافت سے نوازے جائیں گے۔''

تعمیر مسجد کے دوران آپ ﷺ بڑھ چڑھ کر ہر کام میں حصہ لیتے رہے۔ صحابہ کرامؓ نے آرام کرنے کا مشورہ دیا مگر آپ ﷺ نہ مانے۔ اتنی اینٹیں اٹھاتے تھے کہ وہ سینہ مبارک تک پہنچی ہوتی تھیں اگر کوئی صحابی آپ ﷺ سے وزن لینے کی کوشش کرتا تو (فرماتے۔ ''تم دوسری جا کر لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نیکیاں حاصل کرنے میں تم مجھ سے زیادہ محتاج نہیں ہو۔''

دوران تعمیر مسجد آپ ﷺ اور صحابہ کرام یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

بار برداری اور محنت مشقت جو بار آور اور نتیجہ خیز ہو۔

وہ تو یہی ہے...... نہ کہ خیبر سے کھجوروں کا بوجھ اٹھانا۔

''اللّٰھم لاخیر الاخیر الاٰخرۃ.'' ترجمہ:۔ ''اے اللہ! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے۔''

''فاغفر الانصار والمھاجرۃ.'' ترجمہ:۔ ''(اے اللہ) انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔''

(سیرت النبیؐ جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۷۶ ''از شبلی نعمانیؒ'')

آپ ﷺ نے مسجد کی بنیادیں پتھروں سے اٹھائیں اور دیواریں کچی اینٹوں سے بنوائیں اور مسجد کے تین دروازے رکھے۔ایک جنوب میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا مشرق میں مغربی سمت کے دروازے کو ''باب رحمت'' کہا جاتا ہے اور مشرقی رخ والے دروازے کو ''بابِ عثمانؓ'' سے یاد کیا جاتا ہے۔''باب عثمانؓ'' سے آپ ﷺ مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ پھر جب بیت اللہ قبلہ مقرر ہوا تو جنوب کا دروازہ بند کر کے اس کے برابر میں شمال کی جانب دروازہ بنایا، دوسرے دونوں دروازے اپنی جگہ قائم رہے۔مسجد نبوی تعمیر کے پہلے مرحلے میں مربع شکل میں تھی اور اس کا حدود اربعہ 105 مربع فٹ تھا۔

مسجد نبوی کی سادگی

ابتداء میں مسجد نبوی ﷺ کی چھت نہ تھی۔ جب صحابہ کرامؓ گرمی کی شدت سے دوچار ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے چھت بنانے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔صحابہ کرامؓ نے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھجور کے ستون کھڑے کئے اور ان کے اوپر کھجور کی لکڑی شاخیں اور اذخر گھاس وغیرہ ڈال دیا جبکہ اس کی دیواریں اب بھی قدم بقدم کے برابر بلند تھیں۔

اس چھت نے دھوپ تو روک لی مگر پانی کا راستہ نہ روک سکی۔ایک موقع پر قبیلہ انصار کے لوگ کچھ مال جمع کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے۔

''اے اللہ کے حبیب ﷺ! مسجد کو مضبوطی سے تعمیر کرنے اور اسے مزین کرنے کی اجازت عنایت کی جائے۔ہم ان تنکوں کے نیچے کب تک نماز پڑھتے رہیں گے؟''

آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا۔''میں اپنے بھائی موسیٰؑ سے اعراض نہیں کرنا چاہتا، بس یہ ایک چھپر ہے موسیٰؑ کے چھپر کی طرح۔''

مسجد نبوی سادہ بناوٹ میں اپنی مثال آپ تھی اور عریش موسیٰؑ سے بھی کچھ زیادہ ہی سادہ تھی۔بارش کے دوران چھت سے مٹی گرتی تھی اور پانی ٹپکتا تھا اور مسجد کیچڑ سے بھر جاتی تھی لیکن شمع رسالت کے پروانے اسی مٹی گارے میں خالق کائنات کے حضور سربسجود ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ کچھ اصحابؓ کے ساتھ اعتکاف میں مقیم تھے۔رات بارش ہوگئی اور

چھت سے پانی ٹپکنے لگا۔اسی حالت میں فجر کی نماز ادا کی گئی۔حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اسی پانی اور کیچڑ میں سجدہ ریز تھے حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر کیچڑ کے نشانات نظر آ رہے تھے۔

چنانچہ پھر حالات اور ضرورت کے پیش نظر آپ ﷺ نے مٹی گارا لگانے کی اجازت دے دی تھی۔جس کے بعد لوگوں نے چھت پر مٹی ڈال کر اسے قدرے بہتر بنا دیا۔

''مواخاۃ'' (بھائی چارہ)

مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ہی مہاجرین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو آپ ﷺ کی آمد کے بعد بھی جاری رہا۔

آپ ﷺ نے حضرت انسؓ بن مالک کے مکان پر مہاجرین وانصار کو طلب فرمایا۔ مہاجرین وانصار کے اس مشترکہ اجلاس میں نوے شرکاء تھے۔ آپ ﷺ نے پینتالیس مہاجرین اور پینتالیس انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بنا کر ان کے درمیان رشتہ بھائی چارہ قائم کر دیا۔

آپ ﷺ نے حاضرین محفل سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔''یہ تمہارے بھائی ہیں۔'' پھر مہاجر اور انصار سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے۔''یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔''

اس موقع پر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا بھائی قرار دیا۔اس رشتے کے قائم ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں زبردست مثبت تبدیلی محسوس کی گئی اور ایک نئے معاشرے کا جنم ہوا۔

انصار مدینہ بہت سخی اور مہربان تھے۔انہوں نے بڑی فراخ دلی اور فیاضی کے ساتھ اس بھائی چارے کو نبھایا، ان کا سب سے بڑا سرمایہ کھجوروں کے باغات تھے۔اس زمانے میں روپیہ پیسہ نہ ہونے کے برابر تھا، انصار نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑے ادب واحترام کے ساتھ عرض کیا کہ ہمارے باغات مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیں تاکہ راحت وآسائش سے ان کا گزارہ ہو سکے۔

چونکہ مہاجرین زراعت سے بالکل ناآشنا تھے اور ان کا پیشہ تجارت تھا اس بناء پر آپ ﷺ نے انصار کی پیشکش قبول فرمانے میں پہلو تہی کی۔ انصار نے یہ پیشکش کی کہ کھیتی

باڑی محنت مشقت ہم کریں گے اور پیداوار نصف نصف کرلیں گے۔ آپ ﷺ نے انصار کے ایثار کو مہاجرین کے لئے قبول فرمالیا۔

بعدازاں ۶ھ میں بنونضیر کو جلاوطن کردینے سے ان کی زمینیں اور باغات مسلمانوں کے قبضے میں آئے تو نبی رحمت ﷺ نے انصار سے دریافت فرمایا کہ مہاجرین نادار اور ناتواں ہیں اگر تم اس بات پر رضامند ہو تو تمہارے باغات تمہیں واپس کردیئے جائیں اور نئے مقبوضات مہاجرین میں تقسیم کردیئے جائیں۔ انصار نے بڑی دریادلی سے عرض کیا۔ ''ہمارے باغات انہی کے تصرف میں رہنے دیں اور نئے مقبوضات بھی انہیں عنایت فرمائیں۔''

انصار پر وقار

انصار بہت معزز، پر وقار اور نرم خو تھے۔ انہوں نے اپنے طرز عمل سے نبی پاک ﷺ کی میزبانی کا حق ادا کردیا تھا۔

حضرت سعد بن عبادہؓ فیاضی میں شہرت رکھتے تھے ان کی طرف سے ایک آدمی روز قلعے پر چڑھ کر اعلان کرتا کہ جس آدمی کو گوشت اور چربی کی خواہش ہو وہ یہاں سے آکر حاصل کرلے۔ اصحاب صفہ کی معاش کا زیادہ تر دارومدار انہی کی فیاضی پر تھا۔ ہر شام بلاناغہ ۸۰ آدمی کو گھر لے جا کر انہیں کھانا کھلاتے تھے۔

حضرت قیس بن سعدؓ بھی بے حد فیاض اور بہادر صحابی تھے۔ غزوات میں وہ انصار کے علمبردار ہوتے تھے اور وہ اس اعزاز کو اپنی فیاضی سے برقرار رکھتے تھے۔ ایک غزوہ میں قرض لے کر فوج کے کھانے کا انتظام کرتے رہے۔ چند اصحاب کو فکر ہوئی کہ اگر انہیں اس طرح خرچ کرنے سے نہ روکا گیا تو وہ اپنے باپ کا تمام سرمایہ برباد کردیں گے اور انہوں نے قیسؓ کو روکنا چاہا۔ جب اس بات کا علم ان کے والد کو ہوا تو وہ ناراض ہوئے اور بولے۔ ''یہ لوگ میرے بیٹے کو بخیل بنانے کی فکر میں ہیں۔''

ایک دفعہ بنو عبدالقیس کا وفد حاضر خدمت ہوا۔ آپ ﷺ نے انصار کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

''اپنے بھائیوں کی خاطر مدارت اور ضیافت و مہمان نوازی کرو کیونکہ یہ لوگ شکل و

صورت میں وضع قطع اور اسلام قبول کرنے میں تمہارے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ انہوں نے بھی کسی جبر و کراہ کے بغیر اسلام قبول کیا ہے۔''

انصار انہیں ہنسی خوشی اپنے گھروں میں لے گئے اور ان کی رہائش اور کھانے پینے کے عمدہ انتظامات کیے۔ وہ لوگ انصار کی فیاضی اور مہمان نوازی سے بہت خوش ہوئے۔ صبح جب یہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا۔

''تمہارے بھائیوں نے تمہاری خدمت اور مہمان نوازی کیسی کی؟''

ان لوگوں نے جواب دیا۔ ''یہ تو بے حد خدمت گار اور اچھے لوگ ہیں۔ انہوں نے ہمارے لئے نرم اور عمدہ بستروں کا انتظام کیا، پر تکلف کھانے کھلائے اور رات بھر ہمیں کتاب و سنت کی تعلیم سے بہرہ یاب کیا۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا۔

مہاجرین کا طرز عمل

مہاجرین بھی انصار کی طرح دریا دل، بہادر اور خوددار تھے۔ مہاجرین نے غیرت اور خودداری کے زبردست مظاہرے کیے۔ حضرت سعدؓ بن الربیعؓ نے اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ کو رضاکارانہ طور پر پیشکش کی کہ میری دو بیوی میں سے ایک آپ قبول کرلیں۔

لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ نے بڑی احسان مندی سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

''خدا آپ کو یہ سب کچھ مبارک کرے آپ مجھے بازار کا راستہ بتادیں۔''

اس طرح آپؓ نے صبر و قناعت کو ترجیح دی اور بنوقینقاع کے بازار میں جا کر گھی اور پنیر کی سوداگری شروع کردی پھر اللہ نے ان کے کاروبار میں برکت اور ترقی دی اور انہوں نے شادی بھی کرلی اور ان کا کاروبار مزید بڑھتا گیا حتیٰ کہ آپ کا تجارتی اونٹوں کا قافلہ سات سو پر مشتمل ہوگیا تھا اور جب یہ سات سو اونٹ سامان تجارت لے کر مدینہ منورہ میں داخل ہوتے تو سارے شہر میں دھوم مچ جاتی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ایک دفعہ فرمایا۔ ''میں خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو وہ سونا بن جاتی ہے۔''

غرض مہاجرین کسب حلال کرتے رہے اور پھر جب ان کے پاس مال غنیمت بہت جمع ہوگیا اور ان کی تنگدستی دور ہوگئی تو انہوں نے انصار کے دیئے ہوئے باغات شکریہ کے ساتھ لوٹا

دیئے۔روایت میں ہے کہ فتح خیبر کے بعد جب فخر کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کے باغات واپس کر دیئے۔

مدینہ کے یہود سے معاہدہ

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے تمام باشندوں کے درمیان جن میں مشرکین اور یہود بھی شامل تھے ایک عہد نامہ مرتب فرمایا جس پر سب نے بخوشی دستخط کیے۔جس کی خاص خاص شرطیں یہ تھیں کہ اگر مدینہ منورہ پر کوئی بیرونی دشمن حملہ کرے گا تو تمام اہل مدینہ اس کی مدافعت اور مقابلہ کریں گے۔یہودی، قریش مکہ یا ان کے حلیفوں کو مسلمانوں کے خلاف پناہ نہیں دیں گے۔کوئی شخص کسی دوسرے کے دین و مذہب اور جان و مال سے تعرض نہیں کرے گا اور اگر مدینہ منورہ کے دو فریقوں کے مابین جھگڑے کا معاملہ سلجھ نہ رہا ہو تو اس کا فیصلہ حضور ﷺ کریں گے۔مدینہ منورہ کے اندر کشت و خون کرنا حرام سمجھا جائے گا۔مظلوم کی امداد سب پر فرض ہوگی۔یہودی اور مسلمان ایک دوسرے کے حلیف اور دوست قبائل کا خیال رکھیں گے۔

اس معاہدے میں اور بھی بہت سی اہم شرائط تھیں جن کے اطلاق سے مدینہ منورہ ایک مکمل شہری ریاست کی حیثیت اختیار کر گیا۔اس سے قبل جو حق کسی فرد یا اس کے خاندان کو حاصل تھا اب عوامی مسئلہ بن گیا تھا اور اس طرح ایک طرف تو قبائلی رسہ کشی کا خاتمہ ہو گیا اور دوسری طرف صحیح معنوں میں ایک اسلامی ریاست کی داغ بیل پڑ گئی اور آپ ﷺ کو تمام انتظامی، قانونی اور فوجداری اختیارات حاصل ہو گئے۔

آئے دن کی خون ریزی اور بدامنی کے خاتمے کے لئے آپ ﷺ نے اردگرد کے قبائل کو بھی اس معاہدہ میں شامل کرنے کی کوشش کی اور اس کے لئے سفر بھی کیا اور متعدد قبائل نے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔

مدینہ منورہ میں تعلیم

اسلام سے بہت پہلے مدینہ منورہ میں تعلیم کا رجحان اور تصور پایا جاتا تھا باوجود اس کے ساری دنیا میں جہالت کا دور دورہ تھا۔مدینہ منورہ میں یہود کے ہاں تعلیم کا سلسلہ برقرار تھا۔ان

کی تعلیمی درسگاہوں میں توریت کے علاوہ لکھنے پڑھنے کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔تاہم اوس وخزرج جو مکہ والوں سے زیادہ متمدن تھے ان میں تحریر و کتابت اور علم وادب کا رواج مکہ والوں سے کم تھا۔ان قبائل میں عربی لکھنے والوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔یہود میں سے کسی نے انہیں لکھنا سکھایا تھا۔البتہ اسلام سے پہلے زمانہ قبل اہل مدینہ کے بچے تحریر و املا کا فن سیکھتے تھے جب اسلام کا ظہور ہوا تو اوس وخزرج کے متعدد افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کے زمانے سے ہی مدینہ منورہ میں قلم دوات اور تختی استعمال کرنے کا رواج تھا۔چنانچہ طالب علموں کو تختی پر لکھنا سکھایا جاتا تھا۔کبھی کبھار تدریس کی خدمت مہاجرین کو سونپی جاتی کہ وہ انصار کو تعلیم دیں۔

طالب علموں کے لئے تعلیم حاصل کرنے کے اوقات مقرر تھے جس کی پابندی ضروری تھی۔اساتذہ نے طلبہ کے لئے جو اوقات مقرر کر رکھے تھے اسی میں پڑھنا اور باہم مذاکرہ (تقرار) کرنا لازمی تھا۔تعلیم کے اوقات عموماً فجر کے بعد سے چاشت تک یا ظہر اور عصر کے درمیان ہوتے تھے۔تعلیم شروع ہونے سے پہلے طلبہ جماعتوں میں پہنچ جاتے اور اپنی اپنی مخصوص جگہ بیٹھ جاتے تھے۔اگر کوئی طالب علم سبق میں حاضر نہ ہوتا تو استاد اس سے باز پرس کرتے اور غیر حاضری کا سبب دریافت کرتے تھے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور تعلیم

آپ ﷺ سے زیادہ علم کی افادیت واہمیت سے کوئی باخبر نہیں تھا۔جب اللہ تعالیٰ کا پہلا حکم بذریعہ وحی نازل ہوا تو وہ بھی تعلیم کے بارے میں تھا۔حضرت جبرائیلؑ اللہ کا پیغام لے کر حاضر خدمت ہوئے تھے۔

ترجمہ:''اپنے رب کے نام سے پڑھیے۔جس نے آدمی کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔پڑھیے کہ آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم سے علم سکھایا۔آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔''

تعلیم کی اسی اہمیت کے پیش نظر آپ ﷺ نے قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ بہت سارے علوم وفنون کی باقاعدہ تربیت کا اہتمام فرمایا۔ان علوم میں علم تجوید، علم النساب، علم

ہیت، علم طب، علم فرائض (وراثت کے احکام)، پیراکی، نشانہ بازی اور فنِ کتابت شامل ہیں۔

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں علم کے فروغ کے لئے سب سے پہلے حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ اور پھر حضرت عبداللہؓ بن ام کلثومؓ کو مدینہ منورہ بھیجا تھا۔ پھر جب آپ ﷺ خود ہجرت فرما کر یہاں اقامت اختیار کرلی تو آپ ﷺ نے علم وادب کی نشرواشاعت اور خواندگی عام کرنے کے لئے بھرپور اقدامات کیے اور فروغ تعلیم کے مختلف طریقے وضع فرما کر ہر فرد کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کردیا۔

آپ ﷺ نے اس ضمن میں متعدد اقدامات کیے، علم وفنون کے ماہر اساتذہ کو تعلیمی خدمات کی انجام دہی پر تعینات فرمایا اور دوسرے شہروں سے بھی ماہرین علم کو طلب فرمایا۔ مسلمانوں کو حکم دیا کہ علم کو لکھائی کے ذریعے محفوظ کرلو۔ مختلف صحابہ کرامؓ کو تحریر کی کتابت، املاء، تیراندازی، پیراکی اور قرآن وحدیث کی تعلیم پر مامور کیا۔

ان اقدامات کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر خواندگی کا تناسب بڑھتا گیا اور انصار کے ہر گھر نے تعلیمی درس گاہ کی حیثیت اختیار کرلی۔

انصار کا مقام

اللہ تعالیٰ نے انصار کے مکانات کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ترجمہ: ”اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں، ان سے پہلے وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے۔ اس کے پاس اور اپنے دل میں تنگی نہیں پاتے اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور انہیں اپنی جان سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ سے ہوں۔“

اسی طرح آپ ﷺ نے بھی انصار کے مکانات کی ستائش وتعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ”انصار کے مکانات میں سب سے بہتر بنی نجار کے مکان ہیں دوسرا درجہ بنی ساعدہ کے مکانات کا ہے۔ تیسرا درجہ بنی حارثہ کے مکانات کا ہے لیکن انصار کے تمام مکانات خیروبرکت

سے معمور ہیں۔“

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے سب سے بہتر لوگوں میں پیدا کیا پھر قبائل کے انتخاب میں مجھے سب سے اچھے قبیلہ میں شمار فرمایا۔ پھر مکانات کے چناؤ میں مجھے سب سے زیادہ خیروبرکت سے معمور مکانات میں قیام نصیب فرمایا۔ چنانچہ میری ذات سب سے اعلیٰ اور میرا مکان بھی سب سے عمدہ ہے۔“

فروغ علم کے اقدامات

آپ ﷺ کے زمانے میں ایک جماعت ایسے افراد پر مشتمل تھی جنہوں نے علم کے لئے اپنی زندگیاں وقف کررکھی تھیں۔ یہ جماعت اصحاب صفہ کہلاتی تھی اور ان کی تعلیم اور قیام کا انتظام مسجد نبوی کے ایک کونے میں کیا گیا تھا۔

آپ ﷺ نے گوشہ اصحاب صفہ کو علم وادب کا مرکز قرار دیا۔ یہ ایک پہلی اسلامی یونیورسٹی تھی جس میں دو قسم کے طالب علم تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ایک وہ جو یہیں رہتے تھے۔ دوسرے وہ جو شام اپنے گھروں میں چلے جاتے تھے۔

یہاں پر ابتدائی نوعیت کی تعلیم دی جاتی تھی جو متعدد شعبوں پر مشتمل ہوتی تھی مثلاً لکھائی پڑھائی کا شعبہ، تعلیم قرآن مجید کا شعبہ جہاں اس وقت تک کی نازل شدہ آیات کی تعلیم ان لوگوں کو دی جاتی تھی جو لوگ لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیتے تھے۔ فقہی احکام ومسائل کا شعبہ الگ تھا جہاں ماہر اور تجربہ کار اساتذہ کام کرتے تھے۔ مزید برآں یہ کہ معلم اعظم حضرت محمد ﷺ بحیثیت رئیس ادارہ وقتاً فوقتاً خود بھی انہیں تعلیم سے نوازتے تھے۔ تاریخ اسلام کی اس پہلی اقامتی درس گاہ میں طلبہ کی مجموعی تعداد بعض اوقات چارسو سے تجاوز کرجاتی تھی۔

مسلمان جب نماز سے فارغ ہوجاتے تو آپ ﷺ کے پاس حلقہ بنا کر علم حاصل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک تعلیمی حلقہ قائم ہے اور ایک قاری قرآن مجید پڑھ رہا ہے اور باقی سب ادب واحترام سے سن رہے ہیں۔ قاری کی نگاہ آپ ﷺ پر پڑی تو وہ بے اختیار رک گیا اور ادب واحترام سے سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ خود بھی حلقے میں بیٹھ گئے اور ہاتھ کے اشارے سے قاری کو قرآن مجید پڑھنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں

نے آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنالیا۔ آپ ﷺ اس انداز تعلیم سے بے حد مسرور ہوئے۔

بعض اصحاب صفہ کے مفلس و نادار حضرات دن کے وقت شیریں پانی بھر لاتے یا جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور انہیں بیچ کر جو کچھ حاصل ہوتا اسے ضرورت معاش میں خرچ کرتے ان مصروفیات کی وجہ سے انہیں تعلیم حاصل کرنے کا دن کے وقت موقع نہ ملتا تو وہ رات کے وقت اپنا علمی ذوق پورا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوطلحہؓ نے دیکھا کہ آپ ﷺ اصحاب صفہ کو کھڑے ہوکر پڑھا رہے ہیں اور آپ ﷺ کے شکم مبارک پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا ہے تاکہ کمر سیدھی کرسکیں۔

حصول علم کے مقامات

عہد نبوی ﷺ میں مدینہ منورہ میں نو مساجد تھیں۔ ان مساجد میں قرآن مجید، اسلامی احکام، قراۃ اور خطاطی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے ایک دفعہ حکم دیا کہ اپنے محلے کی مسجد میں اپنے ہمسائیوں سے تعلیم حاصل کرو سب لوگ مرکزی مسجد میں نہ آیا کریں۔

اس ارشاد مبارک کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح نہ کرنے سے طلبہ کی تعداد بڑھ جانے کا اندیشہ تھا جس کے باعث سب کی تعلیم متاثر ہوتی اور اساتذہ کی ناکافی تعداد کے سبب طالب علموں کو صحیح طریقے سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔

جب کوئی مسافر مدینہ منورہ پہنچتا تو آپ ﷺ اسے کسی کے سپرد کرکے فرماتے کہ اسے علم دین سکھاؤ۔ آپ ﷺ نے ہر مسلمان کو دینی علوم سے بہرہ یاب کرنے کے لئے فرمان جاری کیا کہ جو، ان پڑھ ہیں اپنے پڑوسیوں سے تعلیم حاصل کریں اور جو تعلیم یافتہ ہیں وہ اپنے پڑوسیوں کو علم سکھائیں اور ایک دوسرے کو برے کاموں سے منع کریں اور اچھی باتوں کا حکم دیں۔

دور دراز کے علاقوں میں آباد قبائل کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے آپ ﷺ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ قبائلی نمائندے جو مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ ﷺ ذاتی طور پر ان کی تعلیم و تربیت اور قیام و طعام کی نگرانی فرماتے تھے۔ اس طرح مختلف وفد حاضر خدمت ہوکر علم حاصل کرتے اور واپس اپنے قبائل میں جاکر تعلیم کو عام کرتے۔

مدینہ منورہ کے علمی مراکز میں ''صفہ'' کے علاوہ چند اور مراکز بھی شہرت رکھتے تھے ان میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ کی درس گاہوں کے علاوہ ۲ھ میں حضرت مخرمہ بن نوفلؓ کے مکان پر قائم ہونے والی درس گاہ ''دارالقراء'' بھی شامل ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی درس گاہ مسجد نبوی کے ایک کونے میں حجرہ نبوی اور روضہ رسول ﷺ کے مسکن سے ملحق واقع تھی۔ عورتیں، بچے اور محرم وغیرہ حجرے کے اندر مجلس میں بیٹھتے۔ باقی لوگ مسجد میں بیٹھتے تھے۔ درمیان میں پردہ حائل ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ پردہ کی اوٹ سے مسند پر جلوہ افروز ہوتیں۔ طلبہ کی زبان، طرز ادائیگی اور صحت تلفظ کی سختی سے نگرانی کرتی تھیں۔ آپؓ بچوں کو زیور تعلیم سے نوازنے کی غرض سے اپنی آغوش تربیت میں لے لیتیں اور ان کے تمام اخراجات خود برداشت کرتی تھیں۔ آپؓ کے شاگردوں کی تعداد دو سو سے زائد تھی۔ جن میں اڑتیس (38) عورتیں شامل تھیں۔

بچوں اور عورتوں کی تعلیم

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ عورتیں دوسری ازواج مطہرات سے بھی دینی مسائل دریافت کرتی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کے لئے الگ تعلیم کا اہتمام فرمایا تھا اور ان کی خواہش پر ہفتے میں ایک دن ان کی تعلیم، وعظ و تذکیر کے لئے مقرر فرمایا۔ اس دن عورتیں سوالات بھی کرتیں اور آپ ﷺ ان کے سوالوں کے جواب ارشاد فرماتے تھے۔ عورتوں کو ذوق علم بہت تھا اور اسی لئے بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے اس کے سوا کوئی اور حق مہر طلب نہیں کیا کہ وہ انہیں قرآن مجید کی تعلیم دیں گے۔

مدینہ منورہ میں واقع نو مساجد کے اجوار میں بچوں کے لئے تعلیمی درس گاہیں قائم تھیں جن میں بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم کے علاوہ لکھنے کی مشق کرائی جاتی تھی اور لکھائی کی مشق کے لئے تختی استعمال کرائی جاتی تھی۔

پڑھے لکھے قیدیوں سے بھی بچوں کو پڑھانے کی خدمت لی جاتی تھی جیسا کہ اسیران بدر، مدینہ منورہ میں لائے گئے تو ان میں بعض نادار لوگ تھے جو فدیہ ادا کرکے آزادی حاصل کرنے

سے قاصر تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کا فدیہ اس طرح ادا کرنے کی سہولت فرمادی کہ یہ لوگ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں اور جب وہ لکھنے میں ملکہ (کمال) حاصل کرلیں تو انہیں رہا کردیا جائے گا۔

اس طرح ان قیدیوں نے انصار کے بچوں کو لکھنا سکھایا اور قید سے رہائی پائی۔ آپ ﷺ نے قوم کے نونہالوں اور امت کے پاسبانوں کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ فرمائی اور خواندگی کے جس سنہری دور کا آغاز مدینہ منورہ سے ہوا اس میں بچوں کی تعلیم کو اولیت حاصل تھی۔ جبکہ اسلام سے پہلے صرف یہودیوں نے مدینہ منورہ میں بچوں کے اسکول قائم کرر کھے تھے۔

اس دور کے بچے بھی بڑے ہوشیار اور سمجھدار تھے۔ کمسن صحابی حضرت عمرو بن سلمہؓ نے مسلمان ہونے سے پہلے صرف سات برس کی عمر میں قرآن مجید کا اچھا خاصا حصہ یاد کرلیا تھا۔

حضرت عمرو بن سلمہؓ کا گھر شارع عام پر ایک چشمے کے کنارے آباد تھا جہاں آنے جانے والے مسافر آرام کرتے تھے۔ مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو یہ فوراً یاد کرلیتے تھے۔

دس سالہ حضرت انس بن مالکؓ اپنے شوق کی بدولت لکھنا جانتے تھے چنانچہ جب ان کی والدہ نے انہیں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو بڑے فخر سے کہا۔ ''یہ میرا بیٹا ہے اور لکھنا جانتا ہے۔'' حضرت انسؓ دس سال تک آپ ﷺ کے سایۂ عاطفت میں اس طرح رہے جس طرح گھر کے ہر فرد ہوں۔

گیارہ سالہ حضرت زیدہ بن ثابتؓ کو یہ کہہ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ اس بچے کو قرآن پاک کی سولہ سورتیں یاد ہیں۔ آپ ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور ان سے قرآن مجید سنا۔ حضرت زید بن ثابتؓ کو علم سے اس قدر لگاؤ تھا کہ انہوں نے آپ ﷺ کے مشورے اور حوصلہ افزائی سے صرف پندرہ دنوں میں عبرانی زبان سیکھ لی اور سریانی زبان صرف سترہ دنوں میں سیکھ لی۔

فروغ تعلیم کے مجموعی نتائج

اس طرح آپ ﷺ کے فروغ علم کے لئے کیے جانے والے ٹھوس اور مثبت اقدامات کے نتیجے میں سرزمین عرب کا جہالت کدہ، علم وفنون کا گہوارا بن گیا اور یہاں سے طلوع ہونے

والے آفتاب علم کی کرنیں پورے جہان کے لئے روشنی بن گئیں۔

اعلیٰ کارگردگی اور بہترین حسن نظام کے نتیجے میں چند سالوں میں متعدد صحابہ کرامؓ نے تحریر و کتابت اور املا و انشاء میں مہارت حاصل کرلی جنہیں محرر کے منصب پر فائز کردیا گیا۔

حضرت خالدؓ بن سعیدؓ آپ ﷺ کی موجودگی میں ہر معاملے میں کاتب تھے۔ حضرت مغیرہؓ اور حضرت حصینؓ بن عمیرؓ آپ ﷺ کی ضروریات کی چیزیں لکھنے پر مامور تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن ارقمؓ اور علاءؓ بن عقبہ معاہدوں کی دستاویزات لکھنے پر تعینات تھے۔ حضرت زبیرؓ بن العوامؓ اور حضرت جہیمؓ بن صلتؓ صدقات کے مال لکھتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ بن الیمانؓ مال غنیمت کی تفصیلات لکھنے کا کام کرتے تھے۔ ان سے پہلے یہ خدمت حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد تھی۔ حضرت حنظلہ بن الربیعؓ خطوط کے جوابات لکھنے پر مامور تھے۔ حضرت عبداللہ بن سعدؓ، حضرت شرجیل، حضرت زیانؓ بن سعیدؓ، حضرت علاءؓ ابن الکحفر میؓ اور حضرت معاویہ بن ابوسفیان بھی آپ ﷺ کے کاتبوں میں شامل تھے۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہؓ، حضرت ثابتؓ بن قیسؓ، حضرت یزید بن ابوسفیانؓ، حضرت خالدؓ بن ولیدؓ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہؓ، حضرت محمدؓ بن سلمہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عبداللہؓ وغیرہ بھی کاتبان وحی ہونے کے علاوہ کتابت و تحریر کا کام سرانجام دیتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ کاتبان وحی کی کل تعداد تینتالیس (۴۳) تھی۔

اہل عرب ''امی'' ہونے کے باوجود قوت حافظہ میں تمام اقوام عالم پر فوقیت رکھتے تھے۔ ان کے سینے قومی واقعات اور قبائلی انساب کے خزانے تھے۔ وہ لوگ سینکڑوں اشعار کا قصیدہ ایک بار سن لیتے تو پورا قصیدہ ان کے دماغ پر نقش ہوجاتا تھا۔ ان کی فقید المثال قوت حافظہ پر تاریخ عرب شاہد ہے۔ ''امی'' ہونے کی وجہ سے ان کی ہر شنید کو باقی اور محفوظ رکھنے کا دارومدار صرف حافظے پر تھا۔ ان کی اس جبلی اور فطری قوت کو اسلام نے جلابخشی اور ان امی عربوں کو تعلیم قرآن پاک کی دولت سے مالا مال کردیا۔ صحابہ کرامؓ میں ذوق تعلیم اس قدر جوبن پر تھا کہ دنیاوی کاموں کے باوجود قرآن مجید کی تعلیم کے لئے اپنے اوقات مقرر کرر کھے تھے۔ دس ہزار صحابہ کرامؓ حفاظ قرآن مجید دور اول میں پائے جاتے تھے ان میں سے سینتیس (۳۷) حفاظ کو اعلیٰ مقام حاصل تھا جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے علاوہ حضرت عبداللہؓ بن سعودؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ بن

وقاصؓ، حضرت حذیفہؓ بن ایمانؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبادہؓ بن صامتؓ، حضرت معاذ بن جلیلؓ، حضرت مجمعؓ بن حارثہؓ، حضرت فضالہؓ بن عبیدؓ، حضرت ابو موسیٰ القریٰؓ، حضرت عمروؓ بن العاصؓ، حضرت سعدؓ بن عبادہؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت عبدؓ بن ذوالجارینؓ، حضرت عبیدؓ بن معاویہؓ، حضرت ابوزیدؓ، حضرت سالم ابوحذیفہؓ، حضرت سلمہؓ بن مخلدؓ، حضرت سعدؓ بن عبید بن نعمان انصاریؓ، حضرت زیدؓ بن ثابتؓ، حضرت ابیؓ بن کعبؓ، حضرت عبداللہؓ بن السائب، حضرت سلیمانؓ بن ابی حثمہؓ، حضرت تمیم داریؓ، حضرت معاذؓ بن الحارثؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت عقبہؓ بن عامرؓ، حضرت سعدؓ بن المنذرؓ، حضرت قیسؓ بن صعقہؓ، حضرت ابوحلیمہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاصؓ شامل تھے۔

عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام

مدینہ منورہ میں پہلا سال/ہجرت کے پہلے سال کے معتبر واقعات

جس دن آپ ﷺ نے حضرت ابوایوبؓ الغاری کے گھر قیام فرمایا، عبداللہ بن سلام جو علماء یہود میں سے تھے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ وہ اپنی قوم میں شریف ترین تھے اور حضرت یوسفؑ کی اولاد سے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے درخواست کی یارسول اللہ! میرے قبول اسلام کے ظاہر ہونے سے پیشتر میرے متعلق دریافت فرما کر یہودیوں کا امتحان لیجیے۔

آپ ﷺ نے یہود کی جماعت کو طلب کیا۔ وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ ارشاد فرمایا۔ ''اے گروہ یہود! تم پر افسوس ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے باوجود اس کے تم مجھے یقیناً پہچانتے ہو۔ یقینی طور پر جانتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں اور سچی بات لایا ہوں۔''

یہودیوں نے جواب دیا۔ ''خدا کی قسم ہم آپ ﷺ کو نہیں پہچانتے اور نہ ہی اپنی کتاب میں آپ ﷺ کا تذکرہ پاتے ہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا۔ ''اچھا! عبداللہ بن سلام کے متعلق کیا کہتے ہو؟ اور وہ تم لوگوں میں کس درجے کے آدمی ہیں؟''

سبھی نے جواباً عرض کیا۔ ''وہ ہمارا سردار اور سردار زادہ ہے اور عقلمند و عقلمند زادہ ہے۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''اگر وہ ایمان لے آئیں اور میری سچائی کی گواہی دیں تو کیا تم لوگ اسلام قبول کر لو گے یا نہیں؟''

یہود نے بھی اسی طرح جواب دیا۔ ''ہاں وہ ایمان لے آئیں گے اور آپ ﷺ کی سچائی پر گواہی دے دیں گے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ اس کلام کو دہرایا۔

پھر آپ ﷺ کے حکم فرمانے سے حضرت عبداللہؓ بن سلامؓ باہر آئے اور اپنی قوم سے بولے۔ ''اے قوم! تم خوب جانتے ہو کہ آپ ﷺ سچے رسول ہیں اور خدا کے بھیجے ہوئے ہیں پھر تم کیوں انکار کرتے ہو اور کیوں اپنے آپ کو جہنم میں ڈالتے ہو۔''

جواباً یہودیوں نے کہا۔ ''تم جھوٹ کہتے ہو ہم نہیں جانتے کہ یہ خدا کے رسول ہیں۔''

اس کے بعد انہوں نے یہ کلمات کہے۔ ''عبداللہ بن سلام بدترین اور بدترین زادہ اور جاہل ترین جاہل زادہ ہے۔''

منافق اعظم کا کردار

ادھر کفار مکہ نے محسوس کیا کہ محمد ﷺ مدینہ منورہ میں قوت حاصل کر رہے ہیں اور کسی بھی وقت ان کے لئے مسئلہ بن سکتے ہیں۔ انہوں نے عبداللہ بن ابی سلول کو ایک خط لکھا۔

''تم نے ہمارے آدمی کو ہماری مرضی کے خلاف اپنے یہاں ٹھہرایا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ انہیں اپنے شہر سے نکال دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ہم پورے سازوسامان کے ساتھ مدینہ پر حملہ کر دیں گے تمہارے جوانوں کو قتل کریں گے اور تمہارے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیں گے۔''

عبداللہ بن ابی سب سے بڑا منافق تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو اوس وخزرج کے درمیان ہونے والی آخری جنگ کے بعد دونوں قبیلوں کا متفقہ سردار تسلیم ہوا تھا اور اسی دوران آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور اس کی تاج پوشی اور بادشاہت کے انتظامات مؤخر ہو گئے۔

تاہم یہ بڑا موقع شناس، تجربہ کار، عقلمند اور چالاک انسان تھا۔ اوس وخزرج کے قبائل پر اس کا اثر رسوخ قائم تھا۔ لوگ اس کی سرداری کو متفقہ طور پر تسلیم کرتے تھے۔ چونکہ آپ ﷺ کی آمد سے اس کی بادشاہت کی تمنا خاک میں مل گئی تھی اس لئے یہ آپ ﷺ کو اپنا رقیب سمجھ کر

سخت حسد کرتا اور آپ ﷺ اپنا دشمن سمجھتا تھا مگر اپنی دشمنی دل میں چھپا کر رکھتا تھا۔

اب جو اسے قریش نے کچھ کرنے کا موقع دیا تو وہ متحرک ہو گیا اور تمام مشرکوں کو جمع کر کے قریش کے پیغام سے مطلع کیا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑائی پر آمادہ کر لیا۔

آپ ﷺ کو اس مجمع کی اطلاع ملی تو وہاں تشریف لے گئے اور مجمع سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔ ”قریش نے تمہیں دھوکہ دینا چاہا ہے۔ اگر تم ان کی دھمکی اور دھوکے میں آ گئے تو بہت نقصان اٹھاؤ گے۔ تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ تم ان کو صاف صاف جواب دے دو اور اپنے عہد و اقرار پر جو ہمارے ساتھ ہو چکا ہے قائم رہو اگر قریش نے مدینہ پر حملہ کیا تو ہمیں ان کا مقابلہ کرنا اور لڑنا بہت آسان ہوگا کیوں کہ ہم سب متفقہ طور پر ان کے سامنے آئیں گے لیکن اگر تم مسلمانوں سے لڑے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے بیٹوں، بھائیوں اور رشتہ داروں کو قتل کرو گے اور برباد ہو جاؤ گے۔“

آپ ﷺ کی بات سن کر سارے مجمع نے اس کی تائید کی اور تمام مجمع پر امن طور پر منتشر ہو گیا اور ”منافق اعظم“ دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

پہلے سال کے واقعات

ہجرت کے پہلے سال حضرت ابو امامہؓ اچانک انتقال کر گئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مشرکوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ کیسا رسول ہے کہ اس کے دوستوں میں سے ایک شخص اس طرح اچانک فوت ہو گیا۔ اس موقع پر قبیلہ بنو نجار کے لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ ”ابو امامہ ہمارا سردار تھا اب آپ ﷺ اس کی وفات کے بعد اس کا کوئی قائم مقام ہم میں سے مقرر فرما دیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”تم بنو نجار میرے ماموں ہو۔ اس لئے میں بھی تم میں شامل ہوں اور میں خود تمہارا نقیب (سردار) ہوں۔ بنو نجار یہ سن کر باغ باغ ہو گئے۔

ہجرت کے پہلے سال آپ ﷺ نے اپنے اہل و عیال کو مدینہ منورہ طلب فرمایا۔ اس سال حضرت سلمان فارسیؓ اسلام لائے اور اسی سال اذان کی ابتداء ہوئی۔ یوم عاشورہ کے روزے کا حکم ہوا اور اسی سال عصر کی نماز میں دو کی جگہ چار رکعتیں پڑھنے کا حکم ملا۔

ہجرت کا دوسرا سال

جنگ بدر:

آپ ﷺ کی کامیاب ہجرت اور مدینہ منورہ میں پر اطمینان زندگی دیکھ کر کفار جل گئے اور آپس کے اختلافات ختم کر کے مسلمانوں کے خلاف ایک بڑا اتحاد قائم کر لیا اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی کوششوں اور سازشوں میں مصروف ہو گئے۔

کفار مکہ کے ایک سردار کرز بن جابر نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ کے قریب واقع چراگاہ پر چھاپہ مارا اور مسلمانوں کے بہت سارے اونٹ لے کر فرار ہو گیا۔ مسلمانوں نے اس کا تعاقب مقام صفوان تک کیا مگر وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوا۔

رمضان کی ابتداء میں اطلاع ملی کہ ابو سفیان ایک قافلہ لے کر شام سے آ رہا ہے۔ جو مدینہ منورہ کے قریب سے گزرے گا۔ آپ ﷺ نے کفار پر رعب ڈالنے اور کرز بن جابر کی کاروائی کا جواب دینے کی غرض سے مسلمانوں کی ایک جماعت کو اس طرف روانہ کیا۔

ابو سفیان کو اطلاع ملی تو اس نے مکے والوں کو اپنی مدد کے لئے پیغام بھیجا اور راستے سے کترا کر اپنے قافلے کو بچا لیا۔ کفار مکہ کی مسلمانوں پر حملے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ابو سفیان کا پیغام ملا تو ابو جہل ایک ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ مکے سے نکلا۔ ابو سفیان خیریت سے مکے پہنچ گیا تو اس نے ابو جہل کو مشورہ دیا کہ وہ واپس آ جائے مگر ابو جہل طاقت و غرور کے نشے میں چور تھا اور پہلے سے ہی مسلمانوں کے خلاف جنگ پر کمربستہ تھا۔ اس نے ابو سفیان کا مشورہ ٹھکرا دیا اور تیزی سے کوچ پہ کوچ کرتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف بڑھا۔

جب آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ ابو جہل مکہ کے نامور سرداروں اور بہادروں پر مشتمل لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف بڑھ رہا ہے تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا۔

”مکہ والوں نے اپنے جگر گوشے اور منتخب لوگ تمہاری طرف بھیجے ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟“

جواباً حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت مقدادؓ نے مہاجرین کی طرف سے اور حضرت سعد بن معاذؓ نے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے شجاعت و بہادری کے کلمات ادا کیے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے جنگ کا ارادہ فرمایا اور تین سو تیرہ (ایک روایت کے مطابق تین سو چھ) مسلمانوں پر مشتمل لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکلے اور میدان بدر میں خیمہ زن ہوئے۔

مسلمانوں کے پاس دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے اور ہتھیار کسی کے پاس پورے نہ تھے جبکہ مشرکین کے پاس تین سو گھڑسوار اور سات سو سے زائد اونٹوں پر مشتمل ہر طرح کے اسلحہ سے لیس مکمل لشکر جرار تھا۔

مسلمانوں کے لشکر کی حالتِ زار دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ نے ابوجہل کو مشورہ دیا کہ اتنے تھوڑے سے آدمیوں سے لڑنے کی ضرورت نہیں، واپس چلتے ہیں۔ مگر ابوجہل نے اس کا مشورہ رد کر دیا اور بولا۔ ''آج ان کا خاتمہ کر دینا چاہیئے۔''

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو عتبہ بن ربیعہ اور حکیم بن حزام نے ابوجہل کو مشورہ دیا کہ وہ خود کو اور سارے قریش کو جنگ کے شعلوں میں نہ جھونکے اور واپس چلے۔

جواباً ابوجہل نے اسے بزدل اور ڈرپوک ہونے کا طعنہ دیا اور جنگ پر کمربستہ رہا۔

اٹھارہ رمضان ۲ ھ، دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ کفار کے تین مشہور سردار میدان میں اترے۔ ان کا مقابلہ حضرت امیر حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ نے کیا۔ حضرت امیر حمزہؓ نے عتبہ بن ربیعہ کو اور حضرت علیؓ نے ولید بن عتبہ کو ہلاک کر دیا۔ حضرت عبیدہؓ، شیبہ سے مقابلے میں زخمی ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر شیبہ کو قتل کیا اور حضرت عبیدہؓ کو اٹھا کر لے آئے۔

اس کے بعد کفار مکہ نے مسلمانوں پر اجتماعی حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے کفار کا حملہ روکا اور منظم طریقے سے جوابی حملہ کیا اور بھرپور طریقے سے لڑتے ہوئے دشمن کو شکست فاش دے کر فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

کفار کے ستر آدمی مارے گئے جن میں ان کے تمام اہم اور نامور سردار شامل تھے۔ ستر آدمی قیدی بنائے گئے جبکہ مسلمانوں کے چودہ آدمی شہید ہوئے۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد ابوجہل کی تلاش شروع ہوئی۔ وہ نوعمر صحابہ حضرت معاذؓ بن عمروؓ اور حضرت معوذؓ بن عفراؓ کے کاری واروں سے گھائل ہو کر نیم مردہ پڑا تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود اس کے سینے پر چڑھ گئے اور اس کی قوم کی شکست کی اطلاع دی۔ ابوجہل نے اس

حالت میں بھی درخواست کی کہ میرا سر مونڈھوں سے ملا کر کاٹنا تاکہ میرا سر بڑا ہو اور یہ سمجھا جائے کہ یہ سردار کا سر ہے۔

حضرت عبداللہؓ نے ابوجہل کا سر کاٹ دیا اور لا کر آپ ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔

آپ ﷺ یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔

اس کے بعد مسلمان شہدا کو دفنایا گیا اور آپ ﷺ کے حکم کے مطابق کفار کی لاشوں کو بھی ایک گڑھے میں ڈال کر پاٹ دیا گیا۔

پھر آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ عین اسی دن بنت رسول ﷺ حضرت رقیہ زوجہ حضرت عثمان غنیؓ کو دفنایا جا رہا تھا۔

جنگی قیدیوں میں سے دو خطرناک قیدی راستے میں آپ ﷺ کے حکم کے مطابق ہلاک کر دیئے گئے اور باقی کی رہائی کے لئے چار ہزار درہم فی کس فدیہ مقرر ہوا۔ البتہ پڑھے لکھے نادار قیدیوں کو یہ سہولت دی گئی کہ وہ انصار کے دس دس بچوں کو ہر قیدی لکھنا سکھا کر اپنی آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔

کفار مکہ کو ایک عبرت ناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا جس میں اس کے تمام نامور سردار اور بہادر مارے گئے اور ستر کے لگ بھگ قیدی بنے۔ ابولہب شکست کا صدمہ نہ سہہ سکا اور ایک ہی ہفتے میں ہلاک ہو گیا۔

مکے والوں نے ابوسفیان کو اپنا سردار مقرر کیا۔ اپنی کارگردگی دکھانے کے لئے ابوسفیان نے دو سو سواروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے ذرا فاصلے پر عریض نامی مقام پر چھاپہ مارا اور ایک انصار اور اس کے ساتھی کو ہلاک کر دیا کھیتی اور چند کھجور کے درختوں کو آگ لگا دی اور تیزی سے راہ فرار اختیار کی۔

آپ ﷺ نے حضرت بشیر بن المنذرؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور دو سو صحابہؓ کے ساتھ ابوسفیان کا تعاقب کیا۔ ابوسفیان کے ساتھیوں نے وزن ہلکا کرنے کے لئے رسد کے طور پر لائے گئے ستو کے بورے جا بجا گرائے تاہم وہ مسلمانوں کے ہاتھ نہ آئے۔ یہ غزوہ سویق کہلاتا ہے۔

اس دوران منافق اعظم عبداللہ بن ابی بظاہر مسلمان ہو گیا۔

غزوہ بنوقینقاع

یہودی بہت بڑے سود خور، دولت مند اور مغرور تھے۔ قبائل اوس وخزرج ان یہودیوں کے مقروض تھے۔ ایک دن بنوقینقاع کے بازار میں شر پسند یہودیوں نے ایک مسلمان انصاری کو شہید کر دیا۔ مسلمان یہ اطلاع پا کر وہاں پہنچے تو یہودیوں نے ان پر بھی حملہ کیا۔

یہ خبر آپ ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ موقع پر پہنچے اور یہودیوں کو لڑائی پر آمادہ پایا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بھی مسلمانوں کو جنگ کرنے کا حکم دیا۔ دونوں فریقوں میں جنگ ہوئی۔ بنو قینقاع کے ساتھ سو جنگجو جن میں تین سو زرہ پوش تھے پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ روز بعد بنوقینقاع نے ہتھیار ڈال دیئے۔ عبداللہ بن ابی نے اپنے ظاہری اسلام کا فائدہ اٹھا کر ان کی پرزور سفارش کر کے ان کی جان بخشی کروادی۔ یہودی جلاوطن ہو کر خیبر اور شام چلے گئے۔ اسی سال کعب بن اشرف نامی یہودی شاعر کو ایک مسلمان صحابی نے ہلاک کیا اور اسی طرح کے ایک اور شر پسند یہودی سلام بن ابی کو چند مسلمان نوجوانوں نے خیبر میں جا کر قتل کیا۔

۲ ہجری کے مزید واقعات

اس سال آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے فرمایا۔ عیدین کی نمازیں اور قربانی بھی اسی سال فرض ہوئیں اور اسی سال فریضۂ رمضان اور صدقہ فطر کے احکام بھی نازل ہوئے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی عیدگاہ میں نماز عید ادا فرمائی۔ اسی سال ہجرت کے سترہ ماہ بعد رخ قبلہ بھی تبدیل ہو کر بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی جانب مقرر ہوا۔

ہجرت کا تیسرا سال ۳ھ کے واقعات

غزوۂ احد

قریش مکہ ایک عرصہ سے انتقام کی آگ میں جل رہے تھے اور وہ ہر صورت میدان بدر کی شکست کا بدلہ لینا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے جنگ کے لئے بھرپور تیاریاں کیں۔ دو

شاعروں کی خدمات بھی حاصل کیں جو مکہ سے باہر کے قبائل میں گھوم پھر کر انہیں مسلمانوں کے خلاف اکسانے لگے۔ ایک سال کی تیاریوں کے بعد تین ہزار مسلح جنگجوؤں کا لشکر تیار ہو گیا جو سامان حرب سے پوری طرح لیس تھا۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ طلب کیا۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ میں رہ کر دشمن کا سامنا کیا جائے۔ نوجوان طبقہ نے زور دیا کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔

آپ ﷺ نے نوجوانوں کی بات مان لی اور ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکلے اور مدینہ منورہ میں حضرت ابن ام کلثومؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ راستے میں عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس ہو گیا اس طرح مسلمانوں کی کل تعداد سات سو رہ گئی۔

دونوں لشکر میدان احد میں پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کی صف بندی کی اور پچاس تیر اندازوں کا دستہ پہاڑی کی گھاٹی پر متعین کر کے حکم دیا کہ جنگ کا کوئی بھی نتیجہ نکلے وہ کسی صورت اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔

جنگ کا آغاز ہوا تو خالد بن ولید (جو کہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور عکرمہ بن ابوجہل اپنے سو، سو سواروں کے ساتھ آگے بڑھے۔ خالد نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور عکرمہ نے مسلمانوں کی جنگی حکمت عملی سمجھنے میں توقف کیا۔ مسلمانوں نے خالد کے حملے کو روکا اور عکرمہ پر بھی حملہ کر دیا اور مؤثر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دونوں دستوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا اور دشمن پر بھرپور حملہ کیا۔

حضرت امیر حمزہؓ نے کفار کے علمبردار طلحہ کو ہلاک کیا اور دو دستی تلوار چلاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس کر ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ ایک وحشی غلام آپؓ کو ہدف بنائے ہوئے تھا۔ جب آپؓ اس کی پہنچ میں آئے تو اس نے اپنا خاص حربہ آزمایا اور چھوٹا نیزہ پوری قوت سے ان کی طرف پھینکا۔ نیزہ ایک پہلو سے دوسرے پہلو کی طرف نکل گیا اور آپؓ گر گئے اور شہید ہو گئے۔

حضرت علیؓ نے کفار کے آٹھ علمبرداروں کو قتل کر دیا۔ اس طرح کفار کے چودہ علمبردار یکے بعد دیگرے ہلاک ہوئے اور کفار کا علم زمین پر پڑا رہا اور کسی کو علم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اپنا پرچم زمین پر گر پامال ہوتا دیکھ کر کفار کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ شکست خوردہ ہو کر پیچھے

ہٹتے گئے اور پھر یکا یک پشت پھیر کر بھاگنے لگے۔

مسلمان سمجھے کہ فتح کامل حاصل ہوگئی ہے۔ وہ مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔ گھاٹی پر متعین تیرانداز بھی کفار کے تعاقب اور مال غنیمت اکٹھا کرنے کی غرض سے اپنی جگہ سے ہٹ گئے تاہم دستے کے امیر حضرت عبداللہؓ بن جبیر چند ساتھیوں کے ساتھ موجود رہے۔

خالد بن ولید نے اس گھاٹی کی اہمیت کو تاڑ لیا تھا۔ وہ اپنے سو سواروں کے ساتھ ایک میل کا چکر کاٹ کر پہاڑی کے پیچھے سے آئے اور اسی گھاٹی سے نمودار ہوئے اور اچانک بے خبر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہؓ بن جبیر اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہوگئے اور خالد بن ولید کا سوار دستہ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ دوسری طرف سے عکرمہ بن ابوجہل نے بھی مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ ابوسفیان نے یہ دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو یکجا کیا اور پوری قوت سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا مسلمان ہر طرف سے کفار کے گھیرے میں آگئے اور تھوڑے تھوڑے ہو کر کفار کے نرغے میں پھنس گئے۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی۔ اپنے پرائے کی پہچان نہ رہی اور ان پر ہر سمت سے تلواریں برسنے لگیں۔

آپ ﷺ بھی بارہ صحابہؓ کی مختصر جماعت کے ساتھ کفار کے نرغے میں آگئے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر پرچم اسلام تھامے ہوئے تھے۔ ایک کافر ابن ضمیہ نے آپؓ کو شہید کر دیا۔ حضرت مصعبؓ، آپ ﷺ کے ہم شکل تھے قاتل سمجھا کہ اس نے آپ ﷺ کو شہید کر دیا ہے۔ اس نے خوشی سے اس کا اعلان کر دیا جسے سن کر مسلمان مزید پست ہمت ہوگئے اور کفار کی صفوں میں نئی جان دوڑ گئی۔ ادھر آپ ﷺ کفار کے حملوں کا سامنا کر رہے تھے۔ حضرت ابودجانہؓ اپنی پشت پر آپ ﷺ کی طرف آنے والے تیر روک رہے تھے اور اس کوشش میں ابودجانہؓ کی پوری پشت تیروں سے چھلنی ہوگئی تھی۔

عبداللہ بن قمیہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اور سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا۔ وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا اور تلوار کا وار کیا جسے حضرت طلحہؓ بن عبداللہ نے اپنے ہاتھ پر روکا جس سے ان کی انگلیاں بیکار ہوگئیں۔ اسی وقت حضرت ام عمارہؓ نسیبہؓ بنت کعب بھی وہاں پہنچ گئیں اور جب انہوں نے ابن قمیہ کو آپؐ پر وار کرتے دیکھا تو اپنی تلوار لے کر ابن قمیہ پر ٹوٹ پڑیں اور اس پر کئی وار کیے مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا جو ام عمارہؓ کے

شانے پر لگا۔ اس کشمکش میں حضرت زیادؓ بن سکن انصاری اپنے پانچ ساتھیوں سمیت آپ ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ حضرت عمارؓ بن زیادؓ بھی آپؐ پر نثار ہوگئے۔

جب کفار نے محسوس کیا کہ جانثار ساتھی آپ ﷺ کے قریب دشمن کو پہنچنے نہیں دے رہے تو وہ جھنجھلا گئے اور آپ ﷺ پر پتھر پھینکے جس سے آپ ﷺ گڑھے میں گر پڑے۔ حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت طلحہؓ نے آپ ﷺ کو باہر نکلنے میں مدد دی۔ حضرت کعبؓ بن مالک نے آپ ﷺ کو باحیات پایا تو مسلمانوں کو بلند آواز سے پکار کر کہا۔ ”مسلمانو! خوش ہو جاؤ رسول اللہ ﷺ زندہ وسلامت موجود ہیں۔“

آپؐ نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر بلایا۔ ”خدا کے بندو! میری طرف آؤ میں خدا کا رسول ﷺ ہوں۔“ یہ صدا سن کر مسلمانوں کی جان میں جان آئی اور وہ کفار کے حملوں کو روکتے ہوئے آپ ﷺ کی طرف بڑھے۔

رفتہ رفتہ آپ ﷺ کے گرد ایک مختصر جماعت بن گئی اور کفار مسلسل حملے کرتے کرتے تھک گئے اور ان میں سستی کے آثار پیدا ہوگئے مسلمانوں نے انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ نے صحابہؓ کو پہاڑی گھائی کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا اور صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ کر مورچہ سنبھال لیا۔ ابوسفیان نے دوسری سمت سے پہاڑ پر چڑھنا چاہا مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کی یہ کوشش ناکام بنادی۔

رفتہ رفتہ منتشر مسلمان پہاڑ پر جمع ہونے لگے اور پھر کفار ان متحد مسلمانوں پر حملے کی جسارت نہ کر سکے البتہ ایک ازلی بدبخت ابی بن خلف اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ﷺ کی طرف بڑھا۔ جب وہ قریب آیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے آنے دو۔ وہ قریب پہنچ کر آپؐ پر حملہ کرنا چاہتا تھا کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی حارثؓ بن صمہ کے ہاتھ سے نیزہ لیا اور اس کی انی (نوک) اس کی گردن (ہنسلی) میں چبھو دی جو نیچے کی ہڈی میں لگی۔ ابی بن خلف یہ زخم کھا کر بدحواس ہو کر واپس بھاگا۔ چونکہ یہ بڑے بڑے دعویٰ کر کے یہاں آیا تھا اس لئے اس کے اس طرح بھاگنے سے کفار نے اس کا مذاق اڑایا اور وہ مکہ جاتے ہوئے راستے میں ہلاک ہوا۔ یہ واحد کافر تھا جو آپ ﷺ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ لڑائی میں وقفہ آیا تو ابوسفیان نے دور سے چلا کر پوچھا۔ ”کیا تم لوگوں میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں؟“

آپ ﷺ نے جواب دینے سے منع فرمایا۔

ابوسفیان نے پھر پوچھا۔ ''تم میں ابوبکر صدیقؓ ہیں؟''

کوئی جواب نہ پاکر پھر پوچھا۔ ''کیا تم میں عمرؓ بن خطاب ہیں؟'' جب اس دفعہ بھی کوئی جواب نہ ملا تو کہا: ''معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب قتل ہوگئے۔''

حضرت عمرؓ فاروق مزید برداشت نہ کرسکے اور چلا کر بولے۔ ''اے دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں اور تو رسوا ہوگا۔''

اس کے بعد ابوسفیان اور حضرت عمر فاروقؓ میں چند جملوں کا تبادلہ ہوا اور پھر ابوسفیان نے اگلے سال اسی مقام پر جنگ کرنے کی دھمکی دی جسے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق قبول کرلیا گیا۔ اس کے بعد کفار مکہ معظمہ کی طرف مڑ گئے۔ مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے اور کفار صرف بائیس ہلاک ہوئے۔

دوران جنگ آپ ﷺ شدید زخمی ہوئے۔ آپ ﷺ کے دو دندان مبارک شہید ہوئے اور ہونٹ پیشانی اور چہرہ مبارک پر زخم آئے، گھٹنے اور جسم کے دوسرے اعضاء پر بھی خراشیں اور زخم آئے۔ مدینہ منورہ آکر آپ ﷺ نے اگلے دن انہی صحابہ کو طلب فرمایا جو کل لڑائی میں شریک تھے۔ آپ ﷺ ان صحابہؓ کے ہمراہ کفار کے تعاقب کے خیال سے مدینہ منورہ سے آٹھ میل دور ''حمراالاسد'' پہنچے۔

ادھر کفار نے واپس جاتے ہوئے سوچا کہ انہیں فتح مکمل حاصل نہیں ہوئی ان کے سترہ نامور سردار ہمراہ دوسرے پانچ آدمیوں کے ہلاک ہوئے اور مسلمانوں کے سوائے امیر حمزہؓ اور مصعبؓ وغیرہ کے کوئی نامور آدمی ہلاک نہ کیا اور اگر ہماری قوم نے پوچھا کہ فتح یاب ہوئے ہو تو مال غنیمت اور قیدی کہاں ہیں تو کیا جواب دیں گے؟ یہ سوچ کر وہ بے چین ہوگیا اور دوبارہ حملے کے ارادے سے پلٹا۔

راستے میں اس کا اپنا ایک آدمی ملا جس نے اسے بتایا کہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حملے کی نیت سے ان کی طرف بڑھ رہے ہیں اور مدینہ منورہ سے کئی میل دور پہنچ چکے ہیں۔ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے یہ سنا تو مکہ کا رخ کیا۔ جب آپ ﷺ نے تسلی فرمالی کہ کفار مکہ جاچکے ہیں تو آپ ﷺ بھی واپس لوٹ آئے۔

ہجرت کے تیسرے سال کے واقعات

حضرت امام حسنؓ اسی سال پندرہ رمضان کو پیدا ہوئے۔ حضور ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے جو حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں اور غزوہ بدر کے زمانہ میں بیوہ ہوگئی تھیں اسی سال نکاح کیا۔ اسی سال حضرت عثمانؓ کا نکاح بھی حضور ﷺ کی صاحبزادی ام کلثومؓ سے ہوا۔

وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا، اب تک وراثت میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا ان کے حقوق کی بھی تفصیل کی گئی۔ مشرکہ کا نکاح مسلمان سے اب تک جائز تھا اسی سال اس کی بھی تحریم نازل ہوئی۔

سنہ ۴ ہجری کے واقعات

وادی عرفات کے قریب مقام ''عرنہ'' میں ایک کافر رہتا تھا۔ اس نے کفار کو جمع کرکے مدینہ منورہ پر حملے کی تیاریاں شروع کردیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انسؓ کو ''عرنہ'' بھیجا۔ وہ گئے اور کافر سفیان بن خالد کا سر کاٹ کر لائے اور آپ ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔

اسی طرح قبیلہ بنی اسد کے شرانگیزوں کے مقام قطعن میں جمع ہونے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوسلمہؓ مخزومی کو ڈیڑھ سو مسلمانوں کے ساتھ اس سمت روانہ فرمایا مگر دشمن مقابلے کی تاب نہ لاکر فرار ہوگئے۔

صفر کے مہینے میں قریش نے عضل وقارہ کے سات افراد کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور اپنی قوم کے لئے مسلمان مبلغین مانگے۔ آپ ﷺ نے چھ یا دس صحابہؓ کو ان کے ہمراہ روانہ فرمایا۔ راستے میں دشمن نے دھوکہ دیا اور مسلمانوں کو شہید کردیا۔ اسی مہینے میں دھوکہ دہی کی ایک اور افسوسناک واردات ہوئی اور اسی طرح تعلیم اسلام کے نام پر لے جانے والے ستر قاری وحفاظ قرآن کو مقام بیر میمونہ میں شہید کیا گیا۔ حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری دشمنوں کے سرغنہ کی ماں کی منت کی وجہ سے بچ گئے اور غلام قرار دے کر آزاد کیے گئے۔

واپس مدینہ منورہ آتے ہوئے حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری نے بنو عامر کے دو افراد کو انتقاماً قتل کردیا۔ جب مدینہ منورہ پہنچ کر تمام حالات آپ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ کو اپنے

اصحاب کے ناحق قتل پر بہت دکھ ہوا اور آپؐ نے قاتلوں کے حق میں سخت بد دعا دی۔

جن دو افراد کو حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری نے قتل کیا تھا وہ آپ ﷺ سے مل کر گئے تھے اور آپؐ کی امان میں تھے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا ''خون بہا'' ادا کرنا ضروری ہے۔

غزوہ بنو نضیر

یہودیوں کا قبیلہ بنو نضیر، بنو عامر کا ہم عہد تھا اور بنو نضیر کا مسلمانوں سے معاہدہ تھا چنانچہ اسی تعلق کی بناء پر آپ ﷺ نے چاہا کہ بنو نضیر اس خون بہا کے معاملے کو حل کرنے میں مدد کرے۔

جب آپ ﷺ اس مسئلے پر بات چیت کے لئے بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے بات چیت کے دوران دھوکے سے آپؐ پر ایک بھاری پتھر گرانے کی کوشش کی۔

آپؐ کو حضرت جبرائیلؑ نے آکر خبردار کیا اور آپؐ وہاں سے فوراً اٹھ کر چل دیئے اور مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔ آپؐ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ بھی تشریف لے گئے تھے جنہوں نے تھوڑی دیر آپ کا انتظار کیا پھر وہ بھی واپس چلے آئے۔

پھر آپؐ نے یہود بنو نضیر کو، حضرت محمدؓ بن سلمہ کے ذریعے کہلوایا کہ تم نے جو بد عہدی کی ہے اس کے بعد تمہیں مدینہ منورہ میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس عرصہ میں تم اپنا انتظام کر کے جس طرف چاہو نکل جاؤ۔ اس کے بعد اگر تمہارے قبیلے کا کوئی فرد مدینہ منورہ کی حدود میں نظر آئے گا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

بنو نضیر اپنا جرم جانتے تھے۔ انہوں نے فوراً جانے کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن عبداللہ بن ابی نے انہیں ورغلایا اور کہا۔ ''میرے ساتھیوں کے علاوہ دو ہزار عرب، بنو قریظہ اور قطحان کے لوگ تمہاری مدد کریں گے۔ تم ہمت سے کام لو گے تو مسلمان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔''

چنانچہ بنو نضیر اس کی باتوں میں آکر مقابلے پر تیار ہو گئے مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا جو کئی روز تک جاری رہا۔ جب ان کی مدد کو کوئی نہ آیا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی کی توسط سے جان بخشی کی درخواست کی جو آپؐ نے اس شرط پر قبول کر لی کہ یہود اپنا اسلحہ مسلمانوں کے حوالے کر کے اپنا مال واسباب اٹھا کر مدینہ منورہ سے چلے جائیں۔

اس طرح یہودیوں سے پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس سے زائد تلواریں

حاصل ہوئیں اور ان کے نخلستان اور زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔

آپ ﷺ نے انصار کی رضامندی سے نخلستان اور زمینیں مہاجرین میں تقسیم فرما دیں۔

دو یہودیوں نے اسلام قبول کیا ان کی جائیداد مال واسباب اور اسلحہ ان کے پاس رہنے دیا گیا۔

کچھ دنوں بعد اطلاع ملی کہ قبیلہ عطفان سے تعلق رکھنے والے بنو محارب اور بنو ثعلبہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور چار سو صحابہؓ کے ساتھ ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے دشمن ایک نخلستان میں جمع ہوا مگر جب اسلامی لشکر قریب پہنچا تو وہ مقابلے کی تاب نہ لا کر فرار ہو گیا۔ یہ معرکہ ''غزوہ ذات الرقاع'' کہلاتا ہے جو جمادی الاوّل کے مہینے میں ہوا جبکہ ایک روایت کے مطابق ماہ محرم ۵ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

غزوۂ بدر ثالث

ابوسفیان نے غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کو آئندہ سال کے لئے مقابلے کا چیلنج دیا تھا۔ جب مقابلے کی مقررہ میعاد نزدیک آئی تو وہ بڑا پریشان ہوا۔ وہ ابھی جنگ کے لئے تیار نہ تھا اور چاہتے تھا کہ کسی طرح جنگ ٹل جائے اور ایسا مسلمانوں کی طرف سے ہو، تاکہ ان کی عزت رہ جائے۔ ابوسفیان نے نعیم بن مسعود کو اس کام کے لئے رضامند کیا۔ نعیم بن مسعود نے مدینہ منورہ آکر مسلمانوں کو ڈرانے کی غرض سے کفار کی جنگی تیاریوں کا احوال بڑے آب و تاب کے ساتھ بیان کرنا شروع کیا اور ساتھ ہی مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ ابوسفیان سے ٹکر نہ لیں اور جنگ سے دامن بچالیں۔ بعض مسلمان اس کی باتوں میں آکر پریشان ہو گئے۔

آپ ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا۔ ''اگر کوئی ایک شخص بھی میرے ہمراہ نہ چلے تو میں تنہا حسب وعدہ کفار کے مقابلے کے لئے بدر کے میدان میں پہنچ جاؤں گا۔''

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور ساتھ ہی سامان تجارت بھی لے جانے کا حکم دیا۔ ذی قعد کے پہلے ہفتے میں بدر کے مقام پر ایک بڑا بازار لگتا تھا جس میں دور دراز سے تاجر آکر شرکت کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ جھنڈا

حضرت علیؓ کے حوالے کیا اور ڈیڑھ ہزار ساتھیوں کے ہمراہ بدر پہنچ گئے۔ اگلے دن میلہ لگ گیا اور مسلمانوں نے سامان تجارت فروخت کر کے ڈھیروں منافع حاصل کیا۔

ابوسفیان کو مسلمانوں کی روانگی کا علم ہوا تو وہ اپنا بھرم رکھنے کے لئے دو ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ ہمراہ پچاس گھڑسوار بھی تھے۔ جب یہ لشکر عقان پہنچا تو ابوسفیان کی ہمت جواب دے گئی۔ ابوسفیان نے سوچا کہ بدر اور احد کے معرکوں میں مسلمانوں نے انتہائی کم تعداد میں ہونے کے باوجود انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا اور اب وہ دو ہزار کے مقابلے پر ڈیڑھ ہزار ہیں۔ چنانچہ ابوسفیان نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ خشک سالی کی وجہ سے ہمیں جانوروں کے لئے چارہ اور پانی کی فراہمی میں کافی دقت اور دشواری کا سامنا رہے گا لہٰذا مناسب ہوگا کہ ہم اس مہم کو آئندہ کے لئے ملتوی کر دیں۔ اس کے بعد ابوسفیان نے واپس مکہ کا رخ کیا۔

آپ ﷺ نے مزید آٹھ دن دشمن کا انتظار فرمایا پھر واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

پانچواں سال

غزوہ دومتہ الجندل

''دومتہ الجندل'' دمشق کی جانب واقع تھا۔ یہاں شام کے نصرانی بادشاہ ہرقل اعظم کا فرماں روا اکیدر بن الملک حکومت کرتا تھا۔ وہ مدینہ منورہ سے شام جانے والے قافلوں کو لوٹ لیتا تھا اور مسلمانوں کے خلاف ایک بڑا لشکر تیار کر لیا۔

ربیع الاول ۵ ہجری میں آپ ﷺ نے حضرت سباعؓ بن عرفطہ غفاری کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور ایک ہزار صحابہؓ کے ساتھ ''دومتہ الجندل'' کی سمت روانگی فرمائی اور دشمن کی چراگاہ کے قریب پہنچے۔ وہاں ایک کافر گرفتار ہوا جس نے بتایا کہ مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع پا کر اکیدر اپنی فوج کے ساتھ فرار ہو گیا ہے۔

آپ ﷺ نے چند روز تک قیام فرما کر دشمن کی تلاش میں چھوٹے چھوٹے دستے روانہ کیے مگر دشمن مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔ اس طرح آپ ﷺ واپس مدینہ منورہ تشریف لائے اور پانچ ماہ تک صحابہ کرامؓ کی تربیت اور دین کی تبلیغ میں مشغول رہے۔

شعبان میں اطلاع ملی کہ ''بنوالمصطلق'' جنگ پر آمادہ ہے۔

غزوہ بنوالمصطلق

''بنوالمصطلق'' کا سردار حارث بن ضرار مسلمانوں کے خلاف جنگ کا ارادہ رکھتا تھا اور عرب کے دیگر قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اپنا شریک بنا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت بریدہؓ بن حصیب کو بھیج کر اس خبر کی تصدیق کر لی تو مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا اور مدینہ منورہ میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کو اپنا عامل مقرر فرما کر پیچیدہ و دشوار گزار راستوں سے طویل سفر طے کرنے کے بعد ایک آبگیر مریسیع پر پہنچے اور وہاں خیمہ زن ہوئے۔ راستے میں حارث کا ایک جاسوس گرفتار ہوا جس کا سر قلم کر دیا گیا۔ یہ اطلاع حارث کو ملی تو وہ بڑا گھبرایا اور مسلمانوں کے مقابلے سے گریز کر کے فرار ہو گیا۔

تاہم مقامی آبادی مسلمانوں کے خلاف ڈٹ گئی اور انہوں نے مسلمانوں پر بے تحاشا تیر برسائے۔ مسلمانوں نے متحد ہو کر حملہ کیا تو ان کے قدم اکھڑ گئے اور دس جنگجو قتل ہونے کے بعد باقی سب گرفتار ہوئے۔ مال غنیمت میں دو ہزار بکریاں اور پانچ ہزار اونٹ ملے اور چھ سو سے زائد قیدی بنا لیے گئے۔ اسیران جنگ میں قبیلے کے سردار حارث کی بیٹی حضرت جویریہ بھی شامل تھیں جن کے ساتھ آپ ﷺ نے نکاح فرمایا اور ان کی خواہش پر ان کے تمام قبیلے کو رہا کر دیا اور تمام مال غنیمت بھی واپس کر دیا۔ یہ حسن سلوک دیکھ کر حارث بھی اسلام لے آیا۔

عبداللہ بن ابی اپنی شرارت اور منافقت سے باز نہ آیا اور اس نے مہاجرین و انصار کے درمیان تنازعہ پیدا کرنے کی کوشش کی اور یہ کہتا ہوا پایا گیا کہ مدینہ چل کر تمام مہاجرین کو نکال باہر کیا جائے گا۔ مدینہ منورہ واپس جاتے ہوئے ایک صحابی نے عبداللہ بن ابی کی بد کلامیوں کے ثبوت و گواہ پیش کیے اور اس کے قتل کے حکم کی درخواست کی۔

آپ ﷺ کو منافق اعظم کے تمام کرتوتوں کا علم تھا مگر آپ ﷺ صبر سے کام لے کر درگزر کرتے رہے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''عبداللہ بن ابی چونکہ بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اس لئے اگر اسے قتل کیا گیا تو لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے دوستوں کو قتل کرنے لگے ہیں۔''

اس منافق کا بیٹا حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ ابی سچا مسلمان تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ سے

درخواست کی کہ مجھے اپنے منافق باپ کی گردن مارنے کی اجازت دی جائے تا کہ ثابت کیا جاسکے کہ اسلام باپ سے زیادہ قیمتی ہے مگر آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا۔ ''میں عبداللہ بن ابی کو قتل نہیں کرنا چاہتا۔'' جب منافق اعظم مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے اسے مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ آپ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو مدینہ میں آنے دو۔

غزوہ خندق/غزوہ احزاب

قبیلہ نضیر کے لوگ جلاوطن ہو کر زیادہ تر خیبر میں جا بسے تھے مسلمانوں سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔ ان کے چند نامور سردار مکہ پہنچے اور قریش کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلا کر انہیں مسلمانوں پر حملہ کے لئے اکسایا۔

ابوسفیان اور اس کے ساتھی یہودیوں کی شہ پا کر مسلمانوں کے خلاف ایک اور جنگ مسلط کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ قریش مکہ نے بنوسلیم اور یہود نے بنوسعد کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ قبائل کنانہ بھی مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہونے پر تیار ہو گئے۔ جب مسلمانوں کے خلاف ایک بڑا اتحاد وجود میں آ گیا تو بنوسلیم، ہزارہ، اشجع، بنوسعد، بنومرہ، قبائل قریش، بنونضیر اور عطفان وغیرہ کے تقریباً پچاس اہم اور نامور سرداروں نے خانہ کعبہ میں جا کر قسمیں کھائیں کہ جب تک زندہ رہیں گے مسلمانوں کی مخالفت سے منہ نہ موڑیں گے اور اسلام کی بیخ کنی کے لئے ہر قربانی دیں گے۔

کفار کے ان اقدامات کی جب اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب فرمایا اور پھر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر خندق کھود کر مدافعت کا فیصلہ کیا گیا۔

مدینہ منورہ میں ایک سمت پہاڑیاں اور دوسری سمت مکانات کی دیواریں فصیل کا کام کر رہی تھیں۔ تیسری سمت جہاں سے حملہ کیا جاسکتا تھا وہاں پر تقریباً تین میل لمبی خندق کھودی گئی جس کی چوڑائی پانچ یا دس گز اور گہرائی پانچ گز تھی۔

اسی دوران اطلاع ملی کہ بنوقریظہ بدعہدی اور شرارت پر آمادہ ہیں اور بنونضیر کا سردار حیٗ بن اخطب انہیں مسلمانوں کے خلاف حملے پر اکسا رہا ہے۔ تو آپ ﷺ نے تصدیق و نصیحت

کے لئے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذؓ کو حضرت سعدؓ بن عبیدؓ کے ہمراہ بھیجا۔

جب یہ بنوقریظہ پہنچے تو دیکھا کہ پورا قبیلہ مخالفت پر تلا ہوا ہے۔ حضرت سعدؓ بن معاذؓ نے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی اور انہیں آپ ﷺ سے کیا گیا معاہدہ یاد کرایا مگر انہوں نے غرور میں آ کر معاہدہ نہ ماننے کا اعلان کر دیا حضرت سعدؓ بن معاذؓ خاموشی سے واپس آ گئے اور آپ ﷺ کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ادھر ابوسفیان پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ سے نکلا اور راستے میں دیگر اتحادی قبائل ان کے ساتھ ملتے رہے حتیٰ کہ دس ہزار سے زائد جنگجوؤں کا لشکر تیار ہو گیا۔ بعض روایات کے مطابق لشکر کی تعداد بیس ہزار تھی جبکہ دس ہزار کم سے کم تعداد ہے۔ جب کفار کا لشکر مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو وہ خندق دیکھ کر حیران رہ گئے اور بولے۔ ''یہ ہم نے نیا مکر دیکھا ہے ایسا مکر عرب میں کوئی نہیں جانتا۔'' پھر کفار نے محفوظ مقامات پر ڈیرے ڈال دیئے اور مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا۔

کئی دن کی تیراندازی کے بعد ایک دن کفار کے چند بہادر خندق عبور کر کے اندر آ گئے ان میں سے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود، حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ جبکہ آپؓ کی پیشانی پر عمرو کی تلوار سے جو زخم لگا اس کا نشان ساری عمر رہا۔ ایک روایت کے مطابق دوسرا سردار نوفل بن عبداللہ بھاگتے ہوئے خندق میں گر گیا مسلمانوں نے اس پر پتھراؤ کیا تو اس نے چلا کر آسان موت کی درخواست کی جو حضرت علیؓ نے قبول کر لی اور تلوار کے وار سے اسے ہلاک کیا۔

کفار مکہ کو اپنے بہادروں کا یہ حال دیکھ کر پھر کسی کو خندق عبور کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

تاہم محاصرے کے یہ ایام مسلمانوں پر بہت کٹھن اور سخت تھے۔ کفار کو ہر قسم کا سامان رسد مل رہا تھا جب کہ مسلمان کئی کئی دن فاقے کرتے تھے اس کے علاوہ بنوقریظہ اور منافقین مدینہ منورہ کی طرف سے حملے کا اندیشہ تھا اور منافقین مسلمانوں کی صفوں میں مایوسی پیدا کر رہے تھے مگر اس کے باوجود مسلمانوں کے حوصلے بلند تھے اور آپ ﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد کا یقین دلایا تھا۔ اسی دوران قبیلہ عطفان کے سعد بن عامر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور واپس جا کر ایک تدبیر سے کفار میں پھوٹ ڈال دی۔

جب محاصرے کو ستائیس روز گزر گئے اور مسلمان ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد آن پہنچی۔ ایک رات اچانک تیز و تند ہوا چلی اور کفار کے خیمے اکھڑ گئے ان کی ہانڈیاں اور برتن

الٹ گئے۔کھانے پینے کا سارا سامان خراب ہوگیا اور موسم بہت زیادہ سرد ہوگیا۔کفار کی صفوں میں نا اتفاقی اور چپقلش تو پہلے ہی پیدا ہوگئی تھی یہ ماجرا دیکھ کر وہ اور دلبرداشتہ ہوگئے۔ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مکہ کی طرف چل دیا۔دیگر اتحادی بھی اپنے اپنے قبائل کی طرف ہولیے۔اس طرح تاریخ عرب کا سب سے بڑا لشکر مکمل ناکامی سے دوچار ہوا اور آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو خوش خبری سنائی کہ اب کفار مکہ ہم پر کبھی حملہ آور نہ ہوں گے۔

غزوہ بنوقریظہ

مسلمان فاتحانہ شان وشوکت کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔آپ ﷺ نے تھوڑا سا قیام فرمایا اور ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد حکم دیا۔"عصر کی نماز یہاں کوئی نہ پڑھے بلکہ عصر کی نماز بنوقریظہ کے محلے میں ادا کی جائے گی۔"

بعض مسلمانوں نے ابھی ہتھیار بھی نہ اتارے تھے۔سب جلدی سے تیار ہوگئے اور تین ہزار کے لشکر کے ساتھ بنوقریظہ روانہ ہوئے۔آپ ﷺ نے علم حضرت علیؓ کے حوالے کیا۔جبکہ مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہؓ بن ام کلثوم کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔

حضرت علیؓ بنوقریظہ کے قلعہ کے قریب پہنچے تو انہیں آپ ﷺ کے بارے میں بدکلامی کرتے پایا۔چنانچہ صلح کے راستے بند ہوگئے اور مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کرلیا اور ان پر مسلسل تیر برسائے مگر یہودی مقابلے پر نہ اترے اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ابولبابہؓ بن المنذر کو مشورے کے لئے ہمارے پاس بھیجیں۔

ابولبابہؓ ان کے پاس گئے اور ان کے استفسار پر مشورہ دیا کہ وہ مزاحمت ترک کرکے خود کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کردیں۔

حضرت ابولبابہؓ نے غیر ارادی طور پر کہتے کہتے گردن پر انگلی پھیر کر انہیں احساس دلایا کہ پھر وہ قتل کیے جائیں گے تاہم اپنی اس غلطی پر اتنے پشیمان ہوئے کہ واپس جاکر خود کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ جب تک انہیں معافی نہیں ملے گی اور آپ ﷺ آزاد نہیں کروائیں گے وہ قید رہیں گے۔بعدازاں انہیں معافی مل گئی اور آپ ﷺ نے خود جاکر انہیں آزاد فرمایا۔جس ستون سے انہوں نے خود کو باندھا تھا وہ آج بھی ستون

"البانہ" کہلاتا ہے۔حضرت ابولبابہؓ کے جانے کے بعد یہودیوں نے آپ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارا فیصلہ حضرت سعدؓ بن معاذؓ سے کرایا جائے۔وہ جو کچھ کہہ دیں گے۔وہی ہمیں منظور ہوگا۔اس کے بعد بنوقریظہ نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کردیا۔

اوس وخزرج کی لڑائیوں میں بنوقریظہ اوس کے طرفدار ہوا کرتے تھے اس لئے اوس نے چاہا کہ آپ ﷺ بنوقریظہ کے متعلق فیصلہ ان کی صوابدید پر ہو جیسا کہ قبیلہ خزرج کی مرضی پر بنوقینقاع کو چھوڑ دیا گیا تھا۔آپ ﷺ نے انہیں بتایا کہ ہم نے پہلے ہی تمہارے قبیلہ اوس کے سردار سعدؓ بن معاذؓ کا فیصلہ تسلیم کرلیا ہے اور بنوقریظہ نے بھی سعدؓ کو اپنی طرف سے وکیل مطلق بنایا ہے۔

یہ سن کر اوس کے انصار خوش ہوگئے۔حضرت سعدؓ بن معاذؓ غزوہ خندق کے دوران شہ رگ میں تیر لگنے سے زخمی تھے اور مسجد نبوی میں قیام پذیر اور زیر علاج تھے۔انہیں پالکی میں اٹھا کر لشکر اسلام میں لایا گیا۔قبیلہ اوس کے انصار ان کی سواری کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بنو قریظہ کی سفارش کررہے تھے۔

انہوں نے جواب دیا کہ وہ عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کریں گے۔جب ان کی سواری لشکر اسلام میں پہنچی تو آپ ﷺ کے حکم کے مطابق انصار نے اٹھ کر آپ کو تعظیم دی پھر انہیں بتایا گیا کہ تمہارے قدیمی دوستوں بنوقریظہ کا معاملہ آپ ﷺ نے ان کے سپرد کیا ہے۔

حضرت سعدؓ بن معاذؓ نے اپنی قوم سے عہد لیا کہ ان کے فیصلے کو بخوشی قبول کریں گے۔

سب نے حامی بھری تو انہوں نے یہی عہد مہاجرین سے بھی لیا اور پھر فیصلہ سنادیا۔

"بنوقریظہ کے تمام بالغ مرد قتل کردیئے جائیں اور ان کے بیوی بچوں کے ساتھ اسیران جنگ کا سا سلوک کیا جائے اور ان کے اموال واملاک کو مسلمانوں میں تقسیم کردیا جائے۔"

اس فیصلے کے بعد بنوقریظہ کو حراست میں لے لیا گیا اور مدینہ منورہ میں لاکر تمام بالغ جنگجو مردوں کو سربازار قتل کردیا گیا۔مال غنیمت میں تین سو زرہیں، پندرہ سو تلواریں اور دو ہزار نیزوں کے علاوہ ڈھیروں دوسرا سامان اونٹ اور املاک ملیں۔مال غنیمت کے تین ہزار بہتر حصے ہوئے۔سوار کو تین اور پیدل کو ایک حصہ ملا۔

حضرت سعدؓ بن معاذؓ کے اس فیصلے کے متعلق آپؐ نے ارشاد فرمایا۔"اللہ اور اس کا رسول ﷺ بھی یہی فیصلہ چاہتے تھے۔"

۵ھ ہجری کے واقعات

اس سال آپ ﷺ نے اطراف میں کئی دستے روانہ فرمائے اوران قبائل کو سرزنش کی گئی جو مسلمانوں کے خلاف سازشیں کررہے تھے۔اسی سال ثمامہ بن آثال نے اسلام قبول کیا اور اپنے ملک یمامہ جاکر مکہ والوں کو غلے کی فراہمی روک دی۔قریش بڑے پریشان ہوئے اور آپ ﷺ کے پاس شکایت بھیجی آپ ﷺ نے ثمامہ بن آثال کو حکم دیا کہ مکہ میں غلہ حسب سابق جانے دیا جائے۔

چاند گرہن ہوا نماز خسوف اور کا شروع ہونا بھی اس سال ہوا۔اسی سال آپ ﷺ گھوڑے پر سے گرے جس سے آپ ﷺ کے دندان مبارک پر خراش آگئی۔آپ ﷺ پانچ دن تک گھر کے اندر تشریف فرمارہے اور بیٹھ کر نماز ادا کرتے رہے۔

ہجرت کا چھٹا سال

غزوہ بنی لحیان

"بنی لحیان" نے تبلیغ اسلام کے لئے ساتھ لائے گئے دس مسلمانوں کو شہید کیا تھا۔ آپ ﷺ دوسو صحابہ کرامؓ کے ہمراہ جن میں دس سوار بھی شامل تھے۔بنی لحیان کو سزا دینے کے لئے "غزان" میں اترے جہاں ان کے مکانات تھے۔لحیان آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع پاکر پہاڑوں کی طرف فرار ہوگئے۔آپ ﷺ نے دو دن انہیں تلاش کیا پھر عسفان پہنچے اور وہاں قیام پذیر ہوکر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دس سواروں کے ہمراہ آگے بھیجا مگر کوئی سامنے نہ آیا اور آپ ﷺ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔اس مہم میں چودہ دن صرف ہوئے۔

غزوہ ذی قرو/غزوہ غابہ

مدینہ منورہ سے متصل چراگاہ میں آپ ﷺ نے دودھ دینے والی اونٹنیاں رکھ چھوڑی تھیں۔ان کی نگرانی پر حضرت ابوذرؓ کے بیٹے مامور تھے۔غزوہ دومۃ الجندل سے واپسی پر عیینہ بن حصین نے آپ ﷺ سے اس چراگاہ میں اپنے جانور چرانے کی اجازت لی تھی۔پھر اس نے

بنو غطفان کے چالیس سواروں کے ساتھ چراگاہ پر حملہ کیا اور حضرت ابوذرؓ کے بیٹے کو شہید کرکے آپ ﷺ کی بیس اونٹنیاں ہنکا کر لے گیا۔ان لیٹروں کو سب سے پہلے حضرت سلمہؓ بن عمروؓ نے دیکھا اور چلا کر مسلمانوں کو مطلع کیا اور خود دشمن پر تیر برساتے ہوئے اس کے تعاقب میں روانہ ہوگئے۔ادھر آپ ﷺ نے حضرت سلمہؓ کی صدا سن کر صحابہؓ کو تیار ہونے کا حکم دیا۔اعلان سن کر سب سے پہلے حضرت مقداد بن عمروؓ جو "مقداد بن الاسود" کے نام سے مشہور ہیں، زرہ پہنے اور اپنی تلوار بے نیام کیے ہوئے آئے۔جب کافی لوگ جمع ہوگئے تو آپ ﷺ نے حضرت مقدادؓ کے نیزے پر جھنڈا باندھا اور انہیں سردار بنا کر دشمن کے تعاقب کا حکم دیا۔

دشمن حضرت سلمہؓ کے تیروں سے زچ ہوکر دس اونٹ، تیس چادریں اور تیس سے زائد نیزے بھی چھوڑنے پر مجبور ہوگیا مگر حضرت سلمہؓ نے اس کا تعاقب جاری رکھا۔جب وہ چشمہ ذی قرو پہنچا اور پانی حاصل کرنے کے لئے رکنا چاہا تو حضرت سلمہؓ نے تیر برسا کر اس کی کوشش ناکام بنادی۔اسی اثناء میں اسلامی لشکر آتا دکھائی دیا سب سے آگے حضرت محدرؓ بن فضلہؓ تھے جو تنہا ہی آگے بڑھے۔عبدالرحمٰن بن عینیہ سے ان کا مقابلہ ہوا۔عبدالرحمٰن حضرت محرزؓ کے حملے میں زخمی ہوا مگر نیزہ مار کر آپ کو شہید کردیا۔اتنے میں حضرت قتادہؓ وہاں پہنچ گئے اور عبدالرحمٰن کو مار کر حضرت محرزؓ کا گھوڑا واپس لے لیا۔اسی دوران لشکر کے اور افراد بھی وہاں پہنچ گئے اور لیٹرے پھر فرار ہوگئے۔مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور کئی آدمیوں کو تہہ تیغ کردیا اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگئے تو مسلمان واپس آئے اور چشمہ ذی قرو پہنچے تو دیکھا کہ آپ ﷺ پانچ سو صحابہؓ کے ساتھ فروکش ہیں۔حضرت بلالؓ نے ایک اونٹ ذبح کیا ہوا ہے اور آپ ﷺ کے لئے اس کی کلیجی اور کوہان بھون رہے ہیں۔

حضرت سلمہؓ بہت پرجوش تھے انہوں نے شجاعت و بہادری کے کلمات کہے اور کفار کا بندوبست کرنے کے لئے سو اصحابؓ طلب کیے۔آپ ﷺ ان کی باتوں سے بہت محظوظ ہوئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت قتادہؓ اور حضرت سلمہؓ کی دلیری اور شجاعت کی تصدیق کی۔اس دوران مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے قائم مقام حضرت سعدؓ بن عبادہؓ نے کئی بورے کھجور اور دس اونٹ بھیج دیے۔آپ ﷺ نے سو آدمیوں میں ایک اونٹ تقسیم کردیا اور سامان رسد کی کوئی کمی نہ رہی۔مال غنیمت کی تقسیم میں آپ ﷺ نے حضرت سلمہؓ کو ایک حصہ پیدل اور ایک حصہ سوار کا عطا

فرمایا اور انہیں اپنی اونٹنی پر سواری کا شرف بخشا اور واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

اسی سال حضرت علیؓ نے بنو بکر کے لشکر کو مقام فدک میں شکست دے کر پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مال غنیمت میں حاصل کیں۔ بنو بکر خیبر کے یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ شعبان میں آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو نواح دومتہ الجندل تبلیغ اسلام کے لئے روانہ فرمایا۔ ان کی تبلیغ سے ایک بڑا سردار اور اس کی قوم کے کچھ لوگ اسلام لے آئے جو سردار اسلام نہ لائے وہ جزیہ دینے پر رضامند ہوگئے۔

قبیلہ عکل کے چند افراد جو بظاہر مسلمان ہوگئے تھے قبا کی پہاڑیوں پر قائم چراگاہ میں مہمانی کا لطف اڑاتے رہے پھر آپ ﷺ کے خادم یسارؓ کو ہلاک کر کے آپ ﷺ کے اونٹ ہنکا کر لے گئے۔ آپ ﷺ نے کرزؓ بن خالد کو بیس سواروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ یہ بدمعاش راستے سے گرفتار ہوئے اور مدینہ منورہ لا کر قتل کیے گئے۔

صلح حدیبیہ

مسلمانوں کو مکہ سے نکلے ہوئے چھ برس سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا تھا، انہیں اکثر وطن کی یاد ستاتی تھی، بعض صحابہؓ تو مکہ کی یاد میں روتے تھے۔ حج کی تمنا نبی کریم ﷺ کو بھی تھی اور صحابہؓ کے دلوں میں بھی شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔

حج، زمانہ جاہلیت سے ہی عربوں کا ایک قومی شعار سمجھا جاتا تھا اور دشمنوں کو بھی حج کی ادائیگی سے نہیں روکا جاتا تھا اور حج کے ایام میں بڑی بڑی جنگیں ملتوی ہو جاتی تھیں۔ ایک دن آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔

آخر آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کی زیارت کے امر کا اعلان فرما دیا۔ جسے سن کر چودہ سو صحابہؓ آپ ﷺ کے ساتھ تیار ہوگئے۔ مسلمانوں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق مدینہ منورہ سے ہی احرام باندھ لیے اور سوائے نیام کی ہوئی تلوار کے کوئی اور ہتھیار نہیں لیا۔ قربانی کے جانور ساتھ لیے اور آپ ﷺ کے ہمراہ سفر کرتے ہوئے عسفان پہنچے۔

یہاں آکر آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش مسلمانوں کی آمد کا سن کر بھاری جمعیت کے ساتھ مقابلے پر کمربستہ ہیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ

نے کہا۔ ''ہم تو عمرہ کی نیت سے آئے ہیں اگر کوئی شخص ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو تو ہمیں مجبوراً اس سے لڑنا چاہیئے۔''

پھر آپ ﷺ مزید آگے بڑھے اور ادھر قریش نے خالد بن ولید کو سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے بھیجا۔ آپ ﷺ نے داہنی جانب کترا کر سفر اختیار کیا اور یکا یک خالد بن ولید کے قریب پہنچے۔ خالد بن ولید اپنے سواروں کے ساتھ مکہ کی طرف دوڑا اور کفار کو مسلمانوں کے آجانے کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کے ہمراہ حدیبیہ کے کنویں پر قیام فرمایا۔

یہاں سب سے پہلے بدیل بن ورقاء اور پھر عروہ بن مسعود آئے اور قریش مکہ کی طرف سے آپ ﷺ کی آمد کا سبب دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ ہم لڑنے کی نیت سے نہیں آئے ہیں۔ عمرہ کرنے آئے ہیں۔ ان کے بعد کنانی قبائل کا سردار اعظم علیس بن علمہ آیا جو دور سے قربانی کے اونٹ دیکھ کر واپس چلا گیا اور قریش پر گرم ہوتے ہوئے بولا کہ خانہ کعبہ کی زیارت سے روکنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ قریش نے بڑی مشکل سے اسے ٹھنڈا کیا۔ پھر آپ ﷺ نے خراش بن امیہ کو قاصد بنا کر قریش کے پاس بھیجا۔ کفار نے اونٹ کو ذبح کر دیا اور انہیں بھی مارنے کی کوشش کی مگر علیس نے انہیں بچا کر واپس بھیج دیا۔ قریش کے چند خود سر نوجوانوں کی ایک ٹولی نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی مگر گرفتار ہوئے اور آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق رہا کر دیئے گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا قاصد بنا کر قریش مکہ کے پاس بھیجا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے کفار کو آپ ﷺ کا پیغام دیا کہ ہمارا مقصد محض خانہ کعبہ کی زیارت ہے لہٰذا وہ مزاحم نہ ہوں۔ جواباً کفار نے کہا۔ ''اے عثمان! ہم محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو ہرگز زیارت نہیں کرنے دیں گے اگر تم چاہو تو خانہ کعبہ کی زیارت کر سکتے ہو۔'' حضرت عثمان غنیؓ نے جواب دیا کہ میں حضور اکرم ﷺ کے بغیر طواف و زیارت نہیں کر سکتا۔ کفار یہ سن کر برہم ہو گئے اور حضرت عثمان غنیؓ کو زبردستی روک لیا۔ مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت عثمان غنیؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا اور خاص طور پر آپ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک عثمانؓ کے خون کا بدلہ

مشرکین سے نہیں لے لوں گا۔ پھر آپ ﷺ ببول کے ایک درخت سے تکیہ لگا کر تشریف فرما ہوئے اور جملہ صحابہؓ سے قصاص عثمانؓ کے لئے بیعت لینے لگے۔ تمام صحابہؓ نے نہایت جوش و خروش سے آپ ﷺ کے دست مبارک پر جانثاری کی بیعت کی۔ چونکہ یہ خبر حتمی طور پر مصدقہ نہ تھی اس لئے آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کی جانب سے بیعت کی اور اپنے بائیں ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر اسے اپنے دائیں ہاتھ پر مارا اور ارشاد فرمایا کہ وہ (عثمانؓ) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حاجت میں گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورہ فتح میں اسے ''بیعت رضوان'' کے نام سے ارشاد فرمایا۔ ترجمہ:۔ ''خدا مسلمانوں سے راضی ہوا۔ جب وہ (اے محمد ﷺ) درخت کے نیچے تیرے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کا حال جان لیا۔ ان پر تسلی نازل فرمائی اور ان کو قریبی فتح عطا فرمائی۔''

تھوڑی دیر بعد حضرت عثمان غنیؓ واپس آ گئے اور مسلمانوں کی صفوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ادھر قریش ''بیعت رضوان کا سن کر نرم پڑے اور سہیل بن عمرو عامری کو کل مختار بنا کر آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو آتے دیکھا تو ارشاد فرمایا۔

''معاملہ اب سہل ہو گیا۔ قریش نے اسے صلح کے لئے بھیجا ہے۔''

سہیل آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک لمبی چوڑی تقریر کی اور قریش کی طرف سے یہ موقف اختیار کیا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی اس سال واپس چلے جائیں ورنہ تمام عرب کہیں گے کہ محمد ﷺ نے زبردستی عمرہ کر لیا اور قریش کچھ نہ کر سکے اس میں ہماری بڑی بدنامی ہو گی۔

اس کے بعد صلح کے لئے بات چیت شروع ہو گئی۔ سہیل نے کچھ تجاویز پیش کیں جنہیں معمولی ردوبدل کے ساتھ آپ ﷺ نے قبول کر لیا۔ معاہدے کے تحت فیصلہ ہوا کہ مسلمان اور قریش دس سال تک آپس میں جنگ نہیں لڑیں گے جو شخص آپ ﷺ کے دین میں داخل ہونا چاہے گا اسے اجازت ہو گی مگر اس کے والی کی رضا مندی لازم ہو گی۔ نیز جو قریش سے ملنا چاہے اسے بھی اجازت ہو گی۔ مسلمان اگلے سال عمرہ کریں اور مکہ میں صرف تین دن قیام کریں گے۔ اس سال انہیں واپس جانا ہو گا۔

ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ سہیل بن عمرو کے بیٹے حضرت ابوجندلؓ بیڑیاں پہنے آن

کھڑے ہوئے جو اسی وقت اپنے باپ کی قید سے آزاد ہوئے تھے۔ سہیل نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو ان کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ رسید کیا اور آپؐ سے مخاطب ہوا۔ ''اے محمد ﷺ معاہدے کے مطابق میں اپنے بیٹے کو تمہارے ساتھ نہیں جانے دوں گا۔'' آپ نے فرمایا۔ ''تو سچ کہتا ہے۔'' تاہم اسے سمجھایا کہ وہ ابوجندلؓ کو مدینہ جانے دے مگر وہ نہ مانا اور حضرت ابوجندلؓ اس کے سپرد کر دیئے گئے۔ حضرت ابوجندلؓ نے اپنے جسم پر موجود اذیتوں کے نشان اور تازہ زخم دکھائے اور فریاد کی کہ مجھے ضرور اپنے ساتھ مدینہ لے چلیں پھر حسرت و یاس بھرے لہجے میں بولے۔

''یا رسول ﷺ اور اے مسلمانو! کیا میں کافروں میں پہنچا دیا جاؤں گا تا کہ وہ مجھے تکلیفیں دیں۔''

مسلمان یہ سن کر تڑپ گئے۔ آپ ﷺ کو بھی قلق ہوا لیکن آپ ﷺ نے ناصحانہ اور مشفقانہ انداز میں ارشاد فرمایا۔ ''ابو جندلؓ! تم چند روز اور صبر کرو۔ عنقریب خداوند تعالیٰ تمہارے واسطے کشادگی کرے گا۔ میں مجبور ہوں کہ میں نے عہد کر لیا اور اب عہد کے خلاف نہیں کر سکتا۔'' حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوجندلؓ کے پاس جا کر انہیں تسلی دی۔ سہیل حضرت ابوجندلؓ کو مارتا ہوا مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

صلح ہو جانے کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنے اونٹ کو قربان کیا اور خراش بن امیہ سے سر منڈوایا۔ آپ ﷺ کو دیکھ صحابہؓ نے بھی قربانیاں کر کے سر منڈائے۔ اس معاہدے کے بعد بنوخزاعہ آپ ﷺ کا اور بنوبکر قریش کے حلیف بن گئے اور ان کے درمیان عرصہ کی عداوت اور لڑائی صلح میں بدل گئی۔ یہ اس معاہدے کا پہلا ثمر تھا پھر واپس مدینہ منورہ جاتے ہوئے سورۃ فتح کا نزول ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے اس صلح نامہ کو مسلمانوں کی فتح مبین سے تعبیر کیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یہ خوشخبری سنائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور آپ ﷺ کو مبارک باد دی۔

بعد ازاں حضرت ابوجندلؓ بھاگ کر اپنے ہی جیسے سر پھرے حضرت ابوبصیرؓ کے پاس پہنچ گئے اور رفتہ رفتہ سر پھروں کا ایک مضبوط گروہ بن گیا جو کفار کے تجارتی قافلوں کے لئے مستقل خطرہ بن گیا جب ان سے کچھ نہ بن سکا تو انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ہم ''والی'' کی شرط واپس لیتے ہیں۔ آپ ﷺ کسی طرح ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلا لیں۔ آپ ﷺ نے ان سب لوگوں کو اپنے پاس طلب فرما لیا۔

صلح حدیبیہ کے فوائد

اس معاہدے سے پہلے جنگ وجدل کے ماحول کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے تھے اور تبلیغ اسلام کی اشاعت کا نظام باقاعدہ نہ تھا۔ جب معاہدے کے تحت امن قائم ہوا تو لوگوں کو ملنے جلنے اور ایک دوسرے سے آزادانہ تبادلہ خیال کرنے کا موقع ملا جس سے لوگوں کو اندازہ ہوا کہ اسلام واقعی ایک سچا اور آفاقی دین ہے چنانچہ دو ہی سالوں میں اتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا جتنے معاہدے سے پہلے تھے۔

اس معاہدے کے بعد آپ ﷺ نے سلاطین، سرداروں اور حکمرانوں کو تبلیغی مراسلات بھیجے اور اسلام کا پیغام عرب سے نکل کر دور دراز کے ملکوں تک پہنچ گیا۔ حدیبیہ سے آ کر آپ ﷺ نے ''نجاشی'' شاہ حبش کو خط لکھا۔ وہ خط پڑھ کر اسلام لایا اور وہاں سے مدینہ منورہ آنے کے خواہش مند مسلمانوں کو تحائف کے ساتھ روانہ کیا۔

تبلیغی خطوط کا ردعمل

ہرقل شاہ روم نے آپ ﷺ کے ایلچی سے مروت وعزت کا برتاؤ کیا اور آپ ﷺ کے خط کی تکریم کی مگر سلطنت کے لالچ اور عیسائیوں کی مخالفت کے خوف سے اعلانیہ اسلام قبول نہ کرسکا۔ شاہ مصر و اسکندریہ مقوقس نے آپ ﷺ کے ایلچی اور خط کی بڑی عزت کی اور آپ ﷺ کو مؤدبانہ خط لکھا اور خلعت، ایک سفید خچر دلدل اور دو لونڈیاں بطور ہدیہ روانہ کیں۔

اسی طرح شاہ بحرین منذر بن ساویٰ آپ ﷺ کے ایلچی اور خط کے ساتھ عزت سے پیش آیا۔

شاہ عمان نے آپ ﷺ کا خط ملتے ہی اسلام قبول کرلیا۔

شاہ فارس (ایران) کسریٰ نے آپ ﷺ کے نامہ نامی کو چاک کردیا اور آپ ﷺ کے ایلچی حضرت عبداللہؓ بن حذافہؓ کے ساتھ گستاخانہ برتاؤ کیا۔ آپ ﷺ نے یہ سنا تو ارشاد فرمایا کہ کسریٰ کی سلطنت بھی اسی طرح چاک کردی جائے گی۔ بعدازاں کسریٰ کے بیٹے نے کسریٰ کو قتل کردیا اور پھر اس کی وسیع وعریض سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

ان کے علاوہ آپ ﷺ نے شاہ یمامہ، شاہ دمشق، شاہ یمن جبلہ بن ایہم اور کئی اہم

سرداروں اور حکمرانوں کو خطوط لکھ کر اسلام کا پیغام پہنچایا۔

۶ ھ میں حضرت ابوہریرہؓ نے اسلام قبول کیا اور حضرت عائشہؓ کی والدہ نے انتقال کیا۔

اس سال سورج گرہن پڑا اور نماز کسوف شروع ہوئی اسی سال نماز استقاء کا واقعہ ہوا اور آپ ﷺ کے دعا فرمانے سے سات دن تک مسلسل بارش ہوتی رہی۔

ہجرت کا ساتواں سال

فتح خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ کو قریش مکہ کی طرف سے تو اطمینان ہوگیا لیکن خیبر کے یہودی اور بنوغطفان مسلمانوں کے خلاف متحد ہوگئے اور انہوں نے ایک بڑا لشکر مقابلے کے لئے تیار کرلیا۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت سباعؓ بن عرفطہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور چودہ سو صحابہؓ کے ہمراہ جن میں دو سو گھڑ سوار بھی شامل تھے خیبر کی سمت روانہ ہوئے اور ''ربع'' نامی میدان میں قیام فرمایا جو خیبر اور بنوغطفان کے درمیان تھا۔ اس جنگی حکمت عملی سے دشمن کا اتحاد برقرار نہ رہ سکا اور بنوغطفان نے جو لشکر یہودیوں کو فراہم کیا تھا وہ اپنی حفاظت کے لئے واپس بلوالیا۔ یہاں سے آپ ﷺ نے خیبر کا رخ کیا اور رات کے وقت وہاں پہنچے اور صبح ہوتے ہی مسلمان حملے کے لئے آگے بڑھے تو یہودی بھاگ کر قلعوں میں چلے گئے اور ان کے پھاٹک بند کردیے۔

پھر یکے بعد دیگرے تمام قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ دوران جنگ سترہ مسلمان شہید ہوئے اور 93 یہودی مارے گئے۔ یہودیوں نے صلح کی درخواست کی اور اپنی نصف پیداوار مسلمانوں کی نذر کرنے کے بدلے اپنی زمینوں پر رہنے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے اس بات کو قبول کرلیا۔

فتح خیبر کے بعد فدک کے لوگوں نے بغیر لڑے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی نصف اراضی پیش کرکے آپ ﷺ سے صلح کرلی۔ وادی القریٰ کے یہودیوں نے مسلمانوں پر تیر برسائے تو ان کا محاصرہ کرلیا گیا آخر وہ بھی خیبر والوں کی طرح صلح کرنے پر مجبور ہوئے۔

مقام تیما کے یہودیوں نے بھی آپ ﷺ کی اطاعت قبول کرلی۔

غزوہ خیبر کے دوران حضرت جعفر طیارؓ حبش سے مہاجرین کی ایک جماعت کو ساتھ لائے تھے آپ ﷺ حضرت جعفر طیارؓ سے مل کر بہت خوش ہوئے اور اپنی خوشی کا اظہار فرمایا۔

"یہ دو خوشیاں ہیں اور میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس سے مجھے زیادہ مسرت ہوئی ہے۔ خیبر کی فتح سے یا جعفرؓ کے آنے سے"

غزوہ خیبر کے دوران بہت سارے فقہی احکامات بھی نازل ہوئے مثلاً پنجہ دار پرند اور درندے حرام قرار دیئے گئے۔ گدھے اور خچر بھی حرام کردیئے گئے۔ لونڈیوں کے لئے احکام نازل ہوئے۔ خیبر سے واپس مدینہ منورہ آنے کے بعد آپ ﷺ نے ان تمام قبائل کی طرف فوجی دستے روانہ کئے جو مسلمانوں کے خلاف تھے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کررہے تھے۔ تمام مقامات پر اسلامی دستے کامیاب رہے۔

عمرہ قضا کے لئے مکہ معظمہ روانگی

صلح حدیبیہ کے اگلے سال ذیقعد ۷ھ میں آپ ﷺ نے اپنے چودہ سو ساتھیوں کے ساتھ عمرہ قضا کا ارادہ فرمایا۔ مزید چھ سو صحابہؓ اور تیار ہوگئے اس طرح آپ ﷺ دو ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچے۔ مسلمانوں نے تمام ہتھیار اتار کر حمائل کی ہوئی تلواریں ساتھ لیں اور پھر مکہ میں داخل ہوئے۔

مسلمانوں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق کندھوں کو برہنہ کیا ہوا تھا اور احرام کا کپڑا بغل کے نیچے سے نکال کر گردن کے گرد لپیٹ لیا تھا اور مستعدی سے دوڑتے ہوئے سرگرمی کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کررہے تھے۔ جو کفار وہاں موجود تھے وہ مسلمانوں کی شان و شوکت اور جفاکشی دیکھ کر حیران اور متاثر ہو رہے تھے۔ زیادہ تر کفار مکہ سے باہر گھاٹیوں اور وادیوں میں چلے گئے تھے تاکہ مسلمانوں کو عمرہ کرتا ہوا نہ دیکھیں۔

آپ ﷺ نے مکہ معظمہ میں تین دن قیام فرمایا۔ چوتھے دن علی الصبح آپ ﷺ انصار کی محفل میں حضرت سعدؓ بن عبادہؓ سے باتیں کررہے تھے کہ سہیل بن عمرو آگیا اور آپ ﷺ کو معاہدہ یاد کرایا چنانچہ آپ ﷺ نے اسی وقت کوچ کی منادی کرادی اور مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ اسی سال مکہ معظمہ کے تین نامور سردار حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت خالدؓ

بن ولید اور حضرت عثمان بن طلحہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔ ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بڑی تقویت ملی۔ ایک روایت کے مطابق ان نامور سرداروں کے قبول اسلام کا واقعہ ۸ھ کے شروع کا ہے۔

ہجرت کا آٹھواں سال

جنگ موتہ

آپ ﷺ نے تبلیغی خطوط کے سلسلے میں ایک خط حاکم بصریٰ کے لئے لکھا تھا۔ مقام موتہ پر قیصر روم کے مقرر کردہ صوبیدار شرجیل بن عمر غسانی نے مسلمان قاصد حضرت حارثؓ بن عمیرؓ کو شہید کردیا۔ آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثؓ کی ماتحتی میں تین ہزار کا لشکر اس طرف روانہ کیا اور حضرت زیدؓ بن حارثؓ کے بعد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کو لشکر کا سردار تجویز کیا اور ان کی شہادت کی صورت میں حضرت عبداللہؓ بن رواحہؓ کو سردار بنانے کا حکم دیا۔ نیز یہ بھی حکم دیا کہ ان تینوں سرداروں کی شہادت کی صورت میں لشکری جس کو پسند کریں اپنا سردار بنالیں۔

ابھی لشکر اسلام راستے میں تھا کہ اطلاع ملی کہ حاکم موتہ نے مسلمانوں سے مقابلے کے لئے ایک لاکھ جنگجو فوج فراہم کررکھی ہے اور مزید ایک لاکھ فوج کے ساتھ وادی "بلقاء" میں خود قیصر روم خیمہ زن ہے۔

یہ سن کر مسلمانوں میں فکر و تردد کے آثار نمایاں ہوئے اور وہ سوچنے لگے کہ آپ ﷺ کو اطلاع دی جائے۔ اس موقع پر حضرت عبداللہؓ بن رواحہؓ نے بلند آواز میں شجاعت و دلیری کے کلمات کہے اور مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ فتح یا شہادت میں سے ایک سعادت حاصل کرلیں۔

یہ سن کر حضرت زیدؓ بن حارثؓ ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے میں جھنڈا لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ تمام مسلمان مقابلے پر کمربستہ ہوگئے۔ موتہ کے میدان میں تین ہزار مسلمان ایک لاکھ عیسائیوں سے دلیری اور بہادری سے لڑے۔ آپ ﷺ کے تینوں مقرر کردہ سردار شہید ہوگئے اور علم حضرت ثابتؓ بن احزم نے تھام لیا پھر ان کے مشورے پر لشکر اسلام نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اپنا سردار تسلیم کرلیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے حضرت ثابتؓ کے ہاتھ سے علم لیا اور مسلمانوں کو جوش دلا کر رومیوں پر ٹوٹ پڑے اور مسلمانوں کو اس خوبی اور مہارت سے لڑایا

کہ رومیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔حضرت خالدؓ بن ولید بجلی کی طرح کوندرہے تھے اور لشکر کے ہر حصے کو خود مدد پہنچارہے تھے حتیٰ کہ لڑتے لڑتے شام ہوگئی اور رومی تھک ہار کر پیچھے ہٹنے لگے اور پھر گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔مسلمانوں نے تھوڑی دور تک ان کا تعاقب کیا پھر واپس آ گئے۔ جنگ میں رومیوں کے بہت سارے آدمی ہلاک ہوئے مگر مسلمان بارہ شہید ہوئے۔

جس وقت لڑائی اپنے عروج پر تھی۔موتہ سے سینکڑوں کوس دور مدینہ منورہ میں یہ امر الٰہی آپ ﷺ کو تمام واقعات کی خبر ہوگئی۔آپ ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کر کے تینوں سرداروں کی شہادت کی اطلاع دی اور حضرت خالدؓ بن ولید کی بہادری کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں ''سیف اللہ'' کے لقب سے پکارا۔

جب اسلامی لشکر واپس آیا تو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ سے نکل کر مسلمانوں کا استقبال کیا۔حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے دوران جنگ اپنے دونوں بازو کٹوانے کے بعد اسلامی علم سینے سے تھامے رکھا اور اسی حالت میں شہید ہوئے تھے۔ایک صحابی نے انہیں خواب میں دونوں بازوؤں سے اڑتے پھرتے دیکھا۔اس دن سے وہ جعفر طیارؓ کے نام سے مشہور ہوئے۔

جنگ موتہ کے ایک ماہ بعد سرحد شام کے قریب واقع قبیلہ قضاعہ کے ساتھ حضرت عمروؓ بن العاصؓ نے تین سو کے لشکر کے ساتھ مقابلہ کر کے انہیں منتشر ہونے پر مجبور کر دیا۔آپ ﷺ نے ایک مہم قبیلہ جہنیہ کی طرف بھی روانہ فرمائی مگر دشمن مقابلے پر نہ اترا۔

فتح مکہ

صلح حدیبیہ کے تحت بنو بکر اور بنو خزاعہ کے درمیان ہونے والی جنگ بندی کو بنو بکر نے توڑا اور معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قریش کے ساتھ مل کر بنو خزاعہ پر رات کے وقت حملہ کر دیا جب وہ سو رہے تھے اور جب بنو خزاعہ پناہ لینے کے لئے حرم میں چھپے تو ظالموں نے انہیں وہاں پر بھی شہید کیا۔جب بنو خزاعہ نے آپ ﷺ کو مدد کے لئے پکارا تو آپ ﷺ نے ان کی صدا مدینہ منورہ میں سن کر لبیک کہا اور پھر جب کئی دن بعد بنو خزاعہ کا وفد حاضر خدمت ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا۔

ادھر قریش کو اپنی حرکت پر غور کرنے کا موقع ملا تو وہ بہت پچھتائے اور معاہدے کی تجدید

اور صلح کے لئے ابوسفیان کو مدینہ منورہ بھیجا مگر ابوسفیان آپ ﷺ کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام رہے اور واپس چلے گئے۔آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت ابورہم غفاریؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور دس ہزار صحابہؓ کے ہمراہ مکہ کی طرف روانگی فرمائی اور تیزی سے کوچ پہ کوچ کرتے ہوئے مکہ معظمہ سے صرف چار کوس کے فاصلے پر پہنچ گئے۔اس دوران رات ہوگئی۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہر کوئی اپنا علیحدہ چولہا جلا کر اپنے لئے کھانا تیار کرے۔اس طرح ہزاروں کے لگ بھگ چولہے روشن ہوگئے۔

اسی رات قریش کے تین سردار ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء اس طرف آن نکلے اور جب انہوں نے جابجا آگ جلتی دیکھی تو اتنا بڑا لشکر پا کر خوفزدہ ہوگئے۔

حضرت عباسؓ قریش مکہ کو سمجھانے کی غرض سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ان تین سرداروں سے ان کی ملاقات ہوئی تو آپ ان تینوں کو اپنی امان میں لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں لائے اور ساری رات سمجھاتے رہے جس کے نتیجے میں ان تینوں سرداروں نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت ابوسفیانؓ مکہ والوں کے سردار تھے اس لئے حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ سے سفارش کی کہ انہیں کوئی خاص امتیاز دیا جائے چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔''جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہوگا یا ابوسفیان کے مکان میں پناہ لے گا، جو اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلے گا اسے امان ملے گی اور جو شخص بغیر ہتھیار لگائے راہ میں ملے گا اس سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔''

تمام لشکر پر امن طریقے سے مکہ میں داخل ہوگیا۔حضرت خالدؓ بن ولید کے دستے کا راستہ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابو جہل نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ روکنا چاہا اور ان پر تیر برسانے لگے۔حضرت خالدؓ بن ولید نے جوابی کاروائی کر کے دشمن کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔آپ ﷺ نے سواری پر ہی سات مرتبہ کعبۃ اللہ کا طواف کیا اور کعبہ کے نگران عثمان بن طلحہ کو طلب فرما کر اس سے کعبہ کی کنجی لے لی اور اندر تشریف لے گئے اور پھر آپ ﷺ اندر رکھے تین سو ساٹھ بت یکے بعد دیگرے اپنے ہاتھ میں پکڑی لکڑی سے گراتے گئے اور یہ آیت ارشاد فرماتے۔

ترجمہ:۔''حق آ گیا باطل مٹ گیا، بیشک باطل مٹنے کے لئے ہی ہے۔''

تمام بتوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور کنجی عثمانؓ بن طلحہ کو

واپس دیکر ارشاد فرمایا۔ ''یہ کنجی تمہارے خاندان میں رہے گی اور سوائے ظالم کے کوئی تم سے نہیں لے سکے گا۔'' ظہر کا وقت ہوا تو آپ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت بلالؓ نے خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ دوسرے دن، بعد نماز ظہر بمطابق ۲۱ رمضان ۸ ہجری آپ ﷺ نے خطبہ دیا۔

''ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا ہی توڑ دیا، ہاں تمام مفاخر تمام انتقامات، تمام خون بہا، سب میرے قدموں کے نیچے ہیں صرف کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسبت کے افتخار خدا نے مٹا دیئے۔ تمام لوگ آدمؑ کی نسل سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۃ الحجرات کی آیت تلاوت فرمائی اور پھر قریش سے دریافت فرمایا۔ ''اے گروہ قریش! تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟''

یہ سن کر اہل قریش بولے۔ ''ہم آپ ﷺ سے بھلائی کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ ہمارے بزرگ، بھائی اور بزرگ بھائی کے بیٹے ہیں۔''

آپ ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا۔ ''اچھا میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو۔''

اس خطبے کے بعد آپ ﷺ کوہ صفا پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں سے خدا اور رسول کی اطاعت کی بیعت لینے لگے۔ آپ ﷺ نے یہ فرمان بھی جاری کیا کہ جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں وہ اپنے گھروں میں کوئی بت باقی نہ رہنے دیں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو بنو کنانہ کا مشہور بت ''عزا'' اور اس کے بت خانے کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کو بنی ہذیل کے بت ''سواع'' کو توڑنے اور مسمار کرنے کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت سعدؓ بن زید اشہلی کو ''منات'' نامی مشہور بت کو توڑنے کے لئے مقام ''قدید'' بھیجا۔ یہ تینوں دستے کامیاب و کامران ہوئے اور تینوں مشہور بتوں کو پاش پاش کر کے بت خانوں کو مسمار کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے بعض قبائل کی طرف تبلیغ اسلام کے لئے وفود بھی روانہ فرمائے جو اکثر کامیاب رہے۔

فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ مکہ معظمہ میں پندرہ روز مقیم رہے اس دوران ہوازن اور ثقیف کے قبائل جو طائف اور مکہ کے درمیان رہتے تھے۔ قریش کے حریف اور مدمقابل سمجھے جاتے تھے، انہیں فکر ہوئی کہ اب مسلمان ان پر حملہ کریں گے۔

غزوہ ہوازن

بنو ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے دونوں قبائل کو جنگ پر اکسایا۔ کئی اور بھی قبیلے ان کے ہمراہ تیار ہو گئے اور ''اوطاس'' میں اس لشکر عظیم کا اجتماع ہوا۔

آپ ﷺ نے مکہ معظمہ میں نوجوان صحابی حضرت عتابؓ بن اسید اموی کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور دس ہزار صحابہؓ کے علاوہ دو ہزار صحابہؓ مکہ سے تیار ہو گئے اس طرح مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔ آپ ﷺ اسلامی لشکر کے ساتھ تہامہ کی وادیوں سے گزر کر وادی حنین پہنچے۔ صبح کاذب کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی لشکر پیچیدہ اور دشوار گزار راستوں سے ہوتا ہوا نشیب میں اتر رہا تھا کہ اچانک دشمن خفیہ کمین گاہوں سے نکلے اور مسلمانوں پر تیر اندازی اور شدید حملے کیے۔ اس اچانک اور غیر متوقع افتاد کے باعث مسلمانوں میں تنظیم برقرار نہ رہی اور وہ بری طرح پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔

تاہم آپ ﷺ مختصر صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہے اور آپ ﷺ کے گرد حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، حضرت فضیلؓ بن عباسؓ، حضرت ابو سفیانؓ بن الحارثؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ وغیرہ تھے۔ آپ ﷺ اپنے سفید خچر دلدل پر سوار تھے اور حضرت عباسؓ اس کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے بلند آواز سے پسپا ہونے والے مسلمانوں کو بلایا۔

''انا ابنی لاکذاب انا ابن عبدالمطلب.''

ترجمہ:۔ ''میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

ان کلمات نے مسلمانوں کی ہمت بڑھائی۔ دشمن بھی اس طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو اس طرف بلاؤ۔ حضرت عباسؓ نے ہر قبیلے کا نام لے لے کر آواز دینی شروع کی۔ آواز پہچان کر مسلمان اس سمت دوڑے مگر دشمن راہ میں

حائل ہوگیا پھر بھی تقریباً سو صحابہؓ آپ ﷺ کے گرد جمع ہوگئے۔

آپ ﷺ نے اپنے خچر کو دشمن کی طرف بڑھایا اور اللہ اکبر کہہ کر دشمن پر ایسا بھرپور حملہ کیا کہ دشمن سامنے سے ہٹ گیا اور کئی گرفتار ہوئے۔ دشمن پر کاری ضرب لگی تو مسلمانوں نے بھی ہر طرف سے نعرہ تکبیر کے ساتھ حملہ کردیا اور ذرا سی دیر میں لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ پہلے ہوازن کے لوگ جنگ سے بھاگے پھر قبائل ثقیف بھی فرار ہوگئے۔ ان کا سردار مالک بن عوف فرار ہوکر طائف چلا گیا۔ اس کے لشکری اوطاس اور نخلہ میں جمع ہوئے مگر دونوں طرف مسلمان دستوں نے دشمن کو شکست دے کر بھگا دیا۔

آپ ﷺ نے تمام مال غنیمت حضرت مسعودؓ بن عمر غفاریؓ کے پاس مقام جعرانہ میں جمع کروانے کا حکم دیا اور خود طائف جانے کا فصد کیا۔ طائف جاتے ہوئے آپؐ بحرۃ الرعاء پہنچے تو وہاں آپؐ کے لئے ایک مسجد تیار کی گئی جہاں آپؐ نے نماز ادا کی وہاں پر مالک بن عوف کا چھوٹا سا قلعہ تھا جسے منہدم کردیا گیا۔ طائف پہنچ کر مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کرلیا اور دشمن نے مورچوں اور فصیلوں سے تیر برسانے شروع کردیئے۔ کئی صحابہؓ جوش میں آگے بڑھے تو تیروں کا نشانہ بن گئے۔ تیر اتنی شدت سے برس رہے تھے کہ جیسے ہوا میں ٹڈیاں اڑ رہی ہوں۔

آپ ﷺ نے منجنیق اور دبابے سے فصیل شہر پر سنگ باری کروائی جس کے نتیجے میں ایک چھوٹا شگاف ہوگیا جہاں سے کئی مسلمان تیروں کی بارش میں اندر داخل ہوگئے اور شگاف بڑا کرنے کی کوشش کی مگر طائف والوں نے ان مسلمانوں پر لوہے کے گرم ٹکڑے پھینکے جس سے وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اٹھارہ روزہ محاصرے کے دوران طائف کے نواحی قبائل مسلمان ہوگئے اور دس غلام قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کے پاس آگئے جنہیں آپ ﷺ نے حسب وعدہ آزاد کردیا۔ جب محاصرہ طول پکڑا تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت نوبل بن معاویہؓ نے بڑا معنی خیز جواب دیا۔ "ایک لومڑی اپنے بھٹ میں گھسی ہوئی ہے اگر آپ ﷺ اس کو پکڑنے کے لئے کوشش جاری رکھیں گے تو ایک دن کامیاب ہوجائیں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تب بھی وہ آپ ﷺ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گی۔"

آپ ﷺ کو ان کی بات نے متاثر کیا اور اس کے دوسرے حصے کو پسند فرمایا اور حضرت عمر فاروقؓ کو حکم دیا کہ وہ محاصرہ اٹھانے کا اعلان کردیں۔ مسلمان معترض ہوئے کہ بغیر کامل فتح کے

تاریخ کعبہ و مدینہ

محاصرہ کیوں اٹھایا جارہا ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں تسلی دی اور مطمئن کیا۔ دوران محاصرہ بارہ مسلمان شہید ہوئے۔

طائف سے واپس ہوکر آپ ﷺ صحابہ کے ہمراہ جعرانہ تشریف لائے اور مال غنیمت کی تقسیم فرمائی۔ مال غنیمت میں چوبیس ہزار اونٹ، چوالیس ہزار سے زائد بھیڑ بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی شامل تھے۔ دوران تقسیم آپ ﷺ نے مکے والوں کو زیادہ نوازا۔ انصار کے بعض نوجوان اس پر معترض ہوئے۔ آپؐ نے انصار کے بڑوں کو بلا کر سمجھایا۔

"اے گروہ انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر اپنے گھروں کو لوٹیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے گھروں کی طرف واپس جاؤ۔"

یہ سن کر انصار بے اختیار رو پڑے اور آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں۔

آپ ﷺ نے انصار کو سمجھایا کہ یہ لوگ ابھی تازہ مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کے مال واسباب غارت ہوگئے ان کی ملکیت اور ان کے شہر قبضہ سے جاتے رہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس مال غنیمت کے ساتھ ان کو خاص کردوں۔ ان کے مال بھی انہی کو دے دوں تاکہ یہ ان کے ایمان کے زوال کا سبب نہ بنے۔

آپ ﷺ جعرانہ سے جاتے ہوئے عمرے کی نیت کی مکہ معظمہ میں داخل ہوکر عمرے کے ارکان ادا کیے اور حضرت عتابؓ بن اسیدؓ کو مکہ کا عامل مقرر فرمایا۔ ان کی عمر صرف بیس سال تھی۔ حضرت معاذؓ بن جبلؓ کو قرآن مجید واحکام دین کے لئے ان کے پاس چھوڑا اور اپنے صحابہؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور تقریباً اڑھائی ماہ کی غیر حاضری کے بعد ذیقعدہ ۸ھ ہجری میں واپس تشریف لائے۔

۸ھ ہجری، مزید واقعات

اس سال آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے اور آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے انتقال فرمایا۔ اس سال آپ ﷺ کے لئے لکڑی کا منبر تیار کیا گیا جس پر بیٹھ کر آپ ﷺ خطبے ارشاد فرمائے تھے۔

سنہ 9 ہجری

مکہ معظمہ کی شاندار فتح کے بعد اسلام کی سچائی دنیا پر آشکار ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو سر زمین عرب کے دور دراز علاقوں سے قبیلوں اور قوموں کے نمائندے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا شروع ہوئے۔ وہ آپ ﷺ کی اطاعت کا اقرار کرتے تھے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے تھے۔ اس سال بڑی کثرت سے وفود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرب قبائل میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلتا رہا اسی لئے سنہ 9 ہجری کو ''عام الوفود'' کے نام سے مشہور ہے۔

اب آپ ﷺ کو دینوی اعتبار سے شہنشاہ عرب کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض تھی اور جو قبائل مسلمان نہیں ہوئے تھے ان سے ایک معمولی رقم بطور جزیہ وصول کی جاتی تھی۔ زکوٰۃ کی وصولی کے لئے آپ ﷺ نے جا بجا قبائل کی طرف امیر مقرر فرما کر بھیجے۔ شروع شروع میں زکوٰۃ کے متعلق بعض دقتیں بھی پیش آئیں بعض امیر شہید بھی ہوئے اور بعض قبائل کو اس انتظام کو قائم رکھنے کے لئے دباؤ بھی ڈالا گیا تاہم بالآخر یہ انتظام اور نظام بہ احسن و خوبی قائم ہو گیا۔

غزوہ تبوک

جنگ موتہ کی ہزیمت کا بدلہ لینے کے لئے غسانی بادشاہ کو ہرقل روم نے چالیس ہزار کا لشکر بھیجا اور خود بھی عظیم الشان فوج لے کر عقب سے روانہ ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ادھر ابو عامر راہب جو فتح مکہ کے بعد قیصر روم کے پاس چلا گیا تھا اسے مسلسل مدینہ منورہ پر حملے کے لئے اکسا رہا تھا۔ وہ منافقین مدینہ سے بھی خفیہ پیغام کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھا۔ اس کے مشورے پر بارہ منافقین نے اپنی الگ مسجد ''مسجد ضرار'' تعمیر کر لی تاکہ مسلمانوں کے حملے اور مخالفت اسلام میں صلاح و مشورے کیے جائیں اور اس مسجد ''ضرار'' کے ذریعے مسلمانوں میں تفرقہ و نا اتفاقی پیدا کرنے کا سامان کیا جائے۔ منافقین نے مسلمانوں کو بددل کرنا شروع کر دیا اور گرم موسم اور قحط سالی کی مشکلات کا ذکر کر کے مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کی۔

تاہم جب آپ ﷺ نے سرحد شام پر عیسائی فوجوں کے اجتماع اور قیصر کے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کی خبریں تواتر کے ساتھ سنیں تو آپ ﷺ نے جنگ کی تیاری میں مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دی۔ اس سے قبل آپؐ نے ہمیشہ غیر محسوس طریقے سے اسباب جنگ مہیا کرتے تھے مگر چونکہ یہ ایک بڑی اور اہم جنگ تھی اس لئے آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو اس میں شامل ہونے کا موقع دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے نو سو اونٹ، ایک سو گھوڑے، ایک ہزار اشرفیاں اور ایک ہزار طلائی دینار آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ ﷺ کے پاس یہ چیزیں لائی گئیں تو خوشی سے آپ ﷺ کا چہرہ دمکنے لگا۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کے لئے دعا فرمائی۔ ''اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو۔''

حضرت عمر فاروقؓ اپنے گھر کا نصف سامان لے آئے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے گھر کا تمام سامان لا کر حاضر کر دیا۔ حضورؐ نے پوچھا۔ ''اے ابو بکر اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے۔'' تو جواب دیا۔ ''گھر والوں کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی ہیں۔''

ایک غریب صحابی حضرت ابو عقیل انصاریؓ رات بھر ایک کھیت میں پانی دیتے رہے اور صبح چار سیر چھوہارے مزدوری میں حاصل کیے۔ دو سیر اپنے گھر والوں کو دیئے اور دو سیر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ ﷺ اس ایثار سے بہت خوش ہوئے اور وہ چھوہارے تمام جمع شدہ مال پر بکھیر دیئے۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو آپ ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ حضرت علیؓ کو اہل بیت کی دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا۔ جب منافقین نے حضرت علیؓ کے رکنے پر بلا جواز تنقید کی اور مسلح ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ میں نے تمہیں اپنے گھر کی حفاظت کے لئے مدینہ منورہ میں چھوڑا تھا تم واپس جاؤ۔ تم میرے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

اسلامی لشکر میں تیس ہزار آدمی تھے جن میں دس ہزار سوار تھے۔ عبداللہ بن ابی بھی اپنی جماعت کے ساتھ لشکر اسلام کے ساتھ روانہ ہوا مگر راستے سے ہی واپس ہو گیا اور اس طرح مخلصین کی جماعت باقی رہ گئی۔ اسلامی لشکر آپ ﷺ کی قیادت میں چودہ دن کے سفر کے بعد تبوک پہنچا اور وہاں بیس روز قیام کیا۔ اس دوران آپ ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو ایک

دستے کے ہمراہ حاکم دومتہ الجندل کی طرف بھیجا جو گرفتار ہوا اور دو ہزار اونٹ، آٹھ سو دیگر جانور، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے ادا کرنے کے وعدے پر صلح کرلی۔

یہیں پر ایلیہ (موجودہ عقبہ) کا عیسائی حکمران ''یوحنا'' آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سفید خچر بطور تحفہ پیش کیا اور آپ ﷺ نے اسے اپنی چادر مرحمت فرمائی۔ اس نے جزیہ دینا منظور کرلیا۔ اسی طرح اطیہ کا حاکم، مقام آدرخ اور جربا وغیرہ کے لوگوں نے بھی جزیہ ادا کرکے صلح کرلی۔ سرحد شام کے حاکموں اور رئیسوں سے اطاعت اور امن وامان سے رہنے کا اقرار لینے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ صحابہؓ نے رائے دی کہ ہرقل اور اس کی فوجیں مرعوب ہوچکی ہیں اگر ان میں ہمت ہوتی تو مقابلے پر اترتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کے ہمراہ واپسی کا سفر اختیار فرمایا اور مدینہ منورہ سے ایک گھنٹے کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ آپ ﷺ نے مسجد ضرار کو جلانے اور مسمار کرنے کا حکم دیا۔ اس بابت اللہ تعالیٰ نے آیتیں نازل فرمائی تھیں۔ آپ ﷺ رمضان ۹ھ ہجری میں دو ماہ کے بعد واپس مدینہ منورہ پہنچے۔

طائف کا قبول اسلام

غزوہ تبوک سے واپس آنے کے بعد طائف والوں کو یقین ہوگیا کہ ہم میں مسلمانوں سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ ان کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی قوم کی طرف سے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرلی۔

آپ ﷺ نے ان پر حضرت عثمانؓ بن ابی العاصؓ کو حکمران مقرر فرمایا اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہؓ کو لات کے بت اور بت خانے کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ ﷺ کی تبوک سے واپسی کے بعد وفود کی آمد کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔ آپ ﷺ بیعت فرماتے اور وفد کو رخصت فرماتے وقت انعام دیتے اور تعلیم اسلام کے لئے ان کے ہمراہ معلم روانہ فرماتے۔

رسول اللہ ﷺ کے پہلے نائب

جب حج مبارک کے ایام آئے تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مسلمانوں کا امیر بنا کر حج کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے بیس اونٹ قربانی کے لئے اپنی طرف سے دیئے

اور پانچ اونٹ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی طرف سے لئے۔

ان کی روانگی کے بعد سورۃ برات کی چالیس آیات نازل ہوئیں جن کے مطابق اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں اور بیت اللہ کا طواف برہنہ ہوکر نہ کریں اور جس سے رسول اللہ ﷺ نے کوئی عہد کیا ہے وہ اسی مدت تک پورا کردیا جائے۔

آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی اونٹنی پر سوار کرکے روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ اللہ کا حکم مسلمانوں کو سنادو۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ارکان حج ادا کیے اور اس کے بعد حضرت علیؓ نے سورۃ برات کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ اس حج کے بعد مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دی گئی اور اعلان کیا گیا کہ چار ماہ کے بعد اللہ اور اس کا رسول ﷺ مشرکوں سے بری الذمہ ہیں۔

اس اعلان کو سن کر مکہ میں جو لوگ اب تک شرک پر قائم تھے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے اور ہر طرف سے جوق در جوق مسلمان ہوتے رہے۔

مزید واقعات

اس سال حج مسلمانوں کے زیر اہتمام ہوا اور اسی سال فرض ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمانوں کو مناسک حج کی تعلیم دی۔ اسی سال نجاشی فوت ہوا اور آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اسی سال منافق اعظم عبداللہ بن ابی بھی مرگیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے حسب وعدہ اس کی میت پر اپنا کرتا ڈال دیا۔ یہ مثبت طرز عمل دیکھ کر اس کی قوم متاثر ہوئی اور روایت کے مطابق اس دن ایک ہزار آدمی مسلمان ہوئے۔

۱۰ھ ہجری

محرم ۱۰ھ ہجری سے سال کے آخر تک وفود کی آمد اور قبائل عرب کے اسلام میں داخل ہونے کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ان وفود میں غسان، سلامان، اہل جرش، عبد قیس، قبیلہ مراد، یمامہ سے بنو حنیفہ، بنو کنانہ، حضر موت، محارب اور مذحج سمیت متعدد قبائل کے نمائندے شامل ہیں۔

اسی سال حضرت علیؓ کی تبلیغ سے یمن کا مشہور قبیلہ ہمدان تمام مسلمان ہوگیا جس کے بعد تمام قبائل ﷺ یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرتے

رہے۔ اسی سال حضرت وائلؓ بن حجر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کے اسلام قبول کرنے پر بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔

مناظرہ۔ مباہلہ

اس سال نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا۔ انہوں نے مسجد نبوی میں داخل ہو کر بحث و مباحثہ شروع کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ اللہ کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ ایسے ہی تھے جیسے حضرت آدمؑ کہ انہیں مٹی سے بنایا گیا مگر عیسائیوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ عیسیٰؑ خدا کا فرزند ہے (نعوذ باللہ) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو میرے ساتھ میدان میں چلو۔ میرے عزیز و اقارب بھی ہمراہ ہوں گے۔ دونوں گروہ الگ الگ بیٹھ کر کہیں گے کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ یہ سن کر عیسائی چپ ہو گئے۔ دوسرے دن آپ ﷺ حضرت علیؓ، حضرت بی بی فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے ہمراہ باہر نکلے اور ان عیسائیوں سے ارشاد فرمایا کہ جب میں یہ دعا کروں کہ ہم میں جو جھوٹا ہو اس پر خدا کا عذاب نازل ہو تو تم آمین کہنا۔

آپ ﷺ کی مستعدی دیکھ کر عیسائی خوفزدہ ہو گئے اور بولے۔ ”ہم مباہلہ نہیں کرتے۔“

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”اسلام قبول کرلو اور سب مسلمانوں کی طرح ہو جاؤ۔“

انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ بھی منظور نہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”تم ہمیں جزیہ دو یا ہم سے لڑائی کرو۔“

انہوں نے کہا۔ ”ہمیں جزیہ دینا منظور ہے۔“

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو دنیا میں قیامت تک کوئی عیسائی نہ رہتا۔“ کچھ دنوں بعد پورا نجران مسلمان ہو گیا۔ ملک یمن کے بادشاہ باذن سمیت تقریباً تمام قبائل مسلمان ہو چکے تھے۔ باذن کے انتقال کے بعد آپ ﷺ ملک یمن کے مختلف حصوں پر حکمران مقرر فرمائے اور حضرت علیؓ کو زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کے لئے یمن روانہ فرمایا۔

آپ ﷺ ذیقعد ۱۰ ہجری کو مدینہ منورہ سے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے آپ ﷺ کے ہمراہ مہاجرین و انصار اور رؤسائے عرب کی ایک جماعت اور قربانی کے سو اونٹ تھے۔

آپ ﷺ ۴ ذی الحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے اور ارکان حج ادا فرمائے۔

حجۃ الوداع

آپ ﷺ نے اس مرتبہ لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دی اور عرفات میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔

”اے لوگو! میری باتوں کو سنو کیونکہ میں آئندہ سال یا اس کے بعد اس مقام پر تم سے ملنے کا یقین نہیں رکھتا۔ لوگو! جیسا کہ یہ دن اور یہ مہینہ حرام ہے (”حرام“ عربی میں بمعنی ”مقدس“ کے ہیں) اسی طرح ایک دوسرے کے جان و مال تم پر حرام ہیں۔ یعنی مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت ہر مسلمان کو کرنی چاہیئے۔ امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کرنی چاہئیں۔ دوسروں پر ظلم نہ کرو تا کہ تم پر بھی ظلم نہ کیا جائے۔ سود سے بچو۔ شیطان مایوس ہو گیا ہے کہ اب اس کی پرستش اس سرزمین میں نہ کی جائے گی۔ لیکن یہ ہوگا کہ چھوٹے چھوٹے امور میں اس کی اطاعت کی جائے گی۔ لہٰذا تم شیطان کی اطاعت سے بچو۔ اے لوگو! عورتوں کا تم پر حق ہے جیسا کہ تمہارا عورتوں پر حق ہے۔ عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب دوسری اس کے نبی کی سنت۔ جب تک کتاب و سنت پر عمل کرو گے گمراہ نہ ہو گے، مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کے مال میں بلا اجازت تصرف کرے۔ تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔“ پھر آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا۔ ”بتاؤ میں نے احکام الٰہی کو پہنچا دیا۔ سب نے مل کر جواب دیا۔ ”ہاں آپؐ نے احکام الٰہی ہم تک پہنچا دیئے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ ”اے خدا تو گواہ رہنا۔“ (تین مرتبہ)

اس حج میں ایک لاکھ سے زائد مسلمان شریک تھے۔ ارکان حج سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کا سفر اختیار فرمایا۔

حضرت علیؓ جو یمن سے آکر شریک حج ہوئے تھے ان کے ہمرائیوں نے ان کے متعلق آپ ﷺ سے کچھ شکایتیں بیان کیں جو کسی غلط فہمی سے پیدا ہو گئی تھیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

”جو میرا دوست ہے وہ علیؓ کا دوست ہے اور جو علیؓ کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔“

اس سے قبل آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کی تعریف بھی کی۔

حضرت عمر فاروقؓ نے آپ ﷺ کے ان الفاظ کے بعد حضرت علیؓ کو مبارک باد دی اور کہا

کہ آج سے آپ میرے خصوصی دوست ہوئے۔ مدینہ منورہ واپس تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ نے انتقال فرمایا۔

۱۱ھ ہجری۔ الوداعی سال

جدائی کے لمحات

اسی سال آپ ﷺ کو بخار آیا اور بڑھتا گیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ اکثر جنت البقیع میں تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دن حسب معمول وہاں مدفون لوگوں کے لئے دعائے مغفرت فرمانے کے بعد گھر واپس آئے تو سر میں شدید درد محسوس ہوا۔ یہی درد جان لیوا ثابت ہوا۔

آپ ﷺ تقریباً چودہ دن تک بیمار رہے۔ آپ ﷺ کی علالت کی خبر مشہور ہوئی تو بعض مفسدوں نے سر اٹھایا۔ مسلیمہ، طلیحہ، خویلا، اسود اور سجاح بنت حارث نے الگ الگ نبوت کا دعوئی کر دیا۔ ان میں سے مسیلمہ کذاب یمامہ میں اور اسود بن کعب یمن میں زیادہ مشہور ہو گئے تھے تاہم یہ سب بری طرح ناکام اور خوار ہوئے اور ان کا عبرت ناک انجام ہوا۔ البتہ "سجاح" نامی عورت بعد میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی۔ شام و فلسطین کی سرحدوں پر رومیوں کی نقل و حمل ہونے لگی۔ یمامہ اور یمن کے فتنوں اور عرب کے عیسائیوں کی سازشوں کے نتیجے میں رومی ایک دفعہ پھر عرب کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

آپ ﷺ کو بیماری سے کسی قدر افاقہ ہوا۔ تو آپ ﷺ نے اس سمت حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی سرداری میں لشکر اسلام روانہ فرمایا جنہوں نے مدینہ منورہ سے ایک کوس دور جا کر مقام جرف میں قیام کیا اور آپ ﷺ کی علالت کے باعث وہیں پڑے رہے۔ آپ ﷺ نے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی رضامندی سے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو مدینہ منورہ میں رکھ لیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ لشکر اسلام سے پوچھ کر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے۔ حضرت اسامہؓ کی سرداری پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "اس کا باپ سالار لشکر رہ چکا ہے تو اس کی سرداری میں کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔" پھر فرمایا۔ "زیدؓ اول المسلمین میں سے ہیں ان کا مرتبہ اسلام میں بہت بڑا ہے۔" جن کو اعتراض ہوا تھا وہ بہت نادم ہوئے۔

بیماری روز بروز بڑھتی گئی اور آپ ﷺ ازواج مطہرات کی رضامندی سے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں منتقل ہو گئے پھر باہر تشریف لا کر مسلمانوں کو نصیحت اور وعظ فرمایا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ "مجھے میرے قریبی رشتہ دار غسل دیں۔" پھر فرمایا۔ "میرا جنازہ میری قبر کے کنارے رکھ کر ایک ساعت کے لئے الگ ہو جانا تا کہ ملائکہ مجھ پر نماز پڑھ لیں۔ بعد ازاں گروہ کے گروہ باری باری مجھ پر نماز پڑھنا۔ پہلے میرے خاندان کے مرد نماز پڑھیں گے۔ بعد ازاں ان کی عورتیں۔" (فرداً فرداً)

بیماری کے دوران آپ ﷺ نے اپنی جگہ امامت کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مقرر فرمایا جنہوں نے سترہ یا تیرہ نمازوں کی امامت کی۔ بیماری کے دوران آپ ﷺ نے بہت ساری نصیحتیں کیں۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جب وفود آئیں تو ان کو اکرام اور انعام سے ضرور خوش کیا کرو۔ مشرکین کو جزیرۃ العرب سے بالکل خارج کر دینے کی کوشش کرنا۔ اسامہؓ کے لشکر کو ضرور روانہ کرنا۔ انصار کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور ان کی غلطیوں سے درگزر کرنا میں اپنی صحبت میں ابوبکرؓ سے افضل کسی کو نہیں جانتا۔ آپ ﷺ نے لونڈی و غلام سے نیک سلوک کرنے کی ہدایت کی اور نماز پڑھنے کی تاکید کی۔

آخری رات

وفات سے قبل عشاء کی نماز کے لئے تین مرتبہ تیاری کی لیکن ہر دفعہ طاقت نے جواب دے دیا آپ ﷺ وضو کرتے ہوئے بے ہوش ہو گئے۔

آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت کرانے کا حکم دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز کی ادائیگی کے لئے مصلے پر کھڑے ہو گئے مگر طبیعت پر رقت طاری ہو گئی اور ان کی اور صحابہ کرامؓ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ آپ ﷺ یہ سن کر بیتاب ہو گئے اور آہستہ آہستہ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بائیں جانب بیٹھ کر نماز پڑھائی اور نماز کے بعد ارشاد فرمایا۔ "مسلمانو! میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا کی پناہ اور نگہداشت اور نصرت کے حوالے کرتا ہوں۔ خدا تم پر میرا خلیفہ ہے۔ تمہارے تقویٰ اور اطاعت سے وہ تمہاری نگرانی فرمائے گا بس میں اب دنیا سے علیحدہ ہونے والا اور دنیا چھوڑنے والا ہوں۔"

آخری دن

آخری دن کمزوری نے مسجد جانے کی سکت بھی ختم کردی اس لئے صبح آپ ﷺ کے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھا دیا گیا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ صفیں درست ہیں اور مسلمان بڑے ادب و احترام کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں حاضری دینے کی تیاری کر رہے ہیں۔

یہ نظارہ دیکھ کر طبیعت خوش ہوئی اور آپ ﷺ مسکرائے۔ ہمت کر کے اٹھے اور فجر کی نماز حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اقتداء میں ادا فرمائی۔

حجرہ میں واپس آنے کے بعد طبیعت پھر خراب ہوگئی اور اضطراب بڑھ گیا۔ آپ ﷺ لیٹ گئے اور پھر وصال سے ذرا پہلے مسواک کی اور پھر لیٹ گئے۔ پانی کا بھرا ہوا ایک پیالہ آپ ﷺ کے قریب پڑا تھا آپ ﷺ اس میں اپنا دست مبارک تر فرما کر چہرے پر پھیرتے اور فرماتے تھے کہ اے اللہ ''سکرات'' موت میں میری مدد کر۔''

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بار بار آپ ﷺ کا چہرہ دیکھتی جاتی تھیں کہ یکا یک آپ ﷺ کی آنکھوں سے زندگی کی رمق اختتام پذیر ہوگئی اور آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرماگئے۔ انا اللہ و انا علیہ راجعون۔

آپ ﷺ کے وصال کی خبر جو بھی سنتا تھا وہ حیران و ششدرہ جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی یہ صدمہ نہ سہ سکے اور اپنی تلوار کھینچ کر کھڑے ہوگئے اور بلند آواز سے کہنے لگے۔

''منافقوں کے چند لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال فرماگئے حالانکہ وہ فوت نہیں ہوئے۔ وہ اپنے رب کے پاس اس طرح گئے ہیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام گئے تھے وہ ضرور واپس آئیں گے اور لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے۔''

حضرت عمر فاروقؓ جوش اور غصہ کی حالت میں اسی قسم کی باتیں کہہ رہے تھے اور کسی کی مجال نہ تھی کہ ان سے یہ کہتا کہ تم اپنی تلوار نیام میں کرلو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ صبح آپ ﷺ کی طبیعت میں افاقہ دیکھ کر اپنے گھر والوں کے پاس گئے ہوئے تھے وہ بھاگے بھاگے واپس آئے اور سیدھے حجرہ مبارک میں گئے۔ حضرت عائشہؓ کی گود سے آپ ﷺ کا سر مبارک لے کر دیکھا پھر بولے۔ ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر

قربان ہوں۔ بے شک آپ ﷺ نے اس موت کا ذائقہ چکھا جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لئے مقرر فرمایا تھا'' پھر ''انا اللہ و انا الیہ راجعون۔'' پڑھتے ہوئے باہر آئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمانوں کو سمجھایا۔ ''آپ ﷺ فوت ہو چکے ہیں اور بے شک زندہ رہنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔''

آپ ﷺ کا وصال بارہ ربیع الاوّل۔ ایک اور روایت کے مطابق یکم ربیع الاول ۱۱ ہجری کو ہوا۔ آپ ﷺ کو اہل بیت نے غسل دیا اور تمام دن گروہ در گروہ زیارت کرتے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ کو لحد میں اتارا۔

یا محمد نور مجسم یا حبیبی یا مولائی
تصویر کمال محبت تنویر جمال خدائی
یہ رنگ بہار گلشن یہ گل اور گل کا جوبن
تیرے نورِ قدم کا دھوون اس دھوون کی رعنائی
تو رئیس روز شفاعت تو امیر لطف و عنایت
ہے ادیب کو تجھ سے نسبت یہ غلام ہے تو آقائی

مدینہ منورہ کے اتنے زیادہ نام ہیں جو دنیا میں کسی اور شہر کے نہیں پائے جاتے۔ ناموں کی کثرت اس شہر کی شرافت اور عظمت کی گواہی دیتی ہے۔ محبوب کائنات حضرت محمد ﷺ کا شہر بے شمار ناموں سے موسوم ہے اور بے پناہ فضیلتوں اور خوبیوں کا حامل ایک سدا بہار گلشن ہے۔ چند مشہور نام اور ان کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔

اثرب۔ یثرب

حضرت نوحؑ کی اولاد مختلف شہروں میں آباد ہوئی تو یثرب نامی شخص نے یہاں سکونت اختیار کی جس کی نسبت سے اس شہر کو یثرب کا نام دیا گیا۔ یثرب مصری زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ملامت کرنا، گناہ پر عار دلانا اور کسی جرم پر ذلیل کرنا جیسے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔

آپ ﷺ کو برے نام کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یثرب کا نام تبدیل کر کے ''طابۃ'' رکھ دیا۔ ایک حدیث ہے کہ ''منافق لوگ اسے یثرب کہتے ہیں۔ حالانکہ

اس کا نام مدینہ ہے۔'' مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں حضرت جابرؓ بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ محسن کائنات ﷺ نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ نے اس کا نام مدینہ طابہ رکھ دیا ہے۔''

ارض اللہ

اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو یہ نام سورۃ نساء میں عطا کیا۔

ارض الہجرات

''ارض الہجرات'' سے مراد وہ مقام ہے جہاں آپ ﷺ کو ہجرت کرنا ہے آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو ''قبۃ الاسلام'' دارالایمان اور ارض الہجر'' قرار دیا۔

اکالۃ البلدان

یعنی ساری دنیا کے شہروں پر تسلط رکھنے والا اور سب بلند مقام کا مالک۔

اکالۃ القریٰ

بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسے شہر میں ہجرت کا حکم ملا ہے جو دوسرے شہروں کو کھا جائے گا۔

الدار۔الایمان

یہ شہر ایمان کی تشہیر اور اظہار کا سبب بنا۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام الدار اور الایمان قرار دیا۔

البارہ۔البرۃ

یہ نام اس شہر کے رہنے والوں کی نیک اعمال پر اور کثرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ''سورۃ البلد'' میں مدینہ طابہ کو اس نام سے پکارا۔

بیت الرسول اللہ

اللہ تعالیٰ نے سورۃ ''انفال'' میں مدینہ منورہ کو بیت الرسول ﷺ قرار دیا۔

الجنۃ الحصینۃ

غزوہ احد کے موقع پر آپ ﷺ نے یہ نام استعمال فرمایا۔

الحرم۔حرم رسول ﷺ

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو اپنا حرم قرار دیا تھا۔

دارالاحیار

آپ ﷺ، مہاجرین اور انصار ایسے قدسی ہیں جن کی مدینہ منورہ میں اقامت کی وجہ سے مدینہ کو اس نام سے پکارا گیا۔

دارستہ، دارالسلامتہ، دارالفتح، دارالبحرہ

اس شہر سے مکہ معظمہ اور دوسرے شہروں کے فتح ہونے کی وجہ سے اسے یہ نام دیئے گئے۔

السلفۃ

وسیع وعریض زمین ہونے اور اس شہر میں مصائب اور وباؤں اور گرمی کی شدت کے باعث یہ نام مشہور ہوا۔

طیبۃ

''طیبۃ'' کہنے کی ایک وجہ آپ ﷺ کے وجود عنبریں کی مہک اور نفیس خوشبو کی نسبت بھی ہے۔

طابہ۔مطیبۃ۔طیبۃ۔القاصمۃ۔المومنۃ

مدینہ منورہ کو ان ناموں سے توریت میں پکارا گیا۔

المحبہ، المحبۃ، المحبوبۃ

''یہ تینوں نام پہلی آسمانی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ آپ ﷺ اس شہر سے بہت محبت رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے محبوب کے لئے اسے پسند فرمایا اور اس طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد یہ شہر تمام مسلمانوں کا محبوب شہر بن گیا ہے۔

العاصمہ

مہاجرین کی آخری جائے پناہ اور تمام آفات بشمول دجال وطاعون سے محفوظ رہنے کی وجہ سے اس کا یہ نام بھی کہلایا۔

العذراء

یعنی دشمنوں کے قہر وغضب سے مامون ومحفوظ رہے گا۔

قریۃ الانصار

انصار کی جائے پناہ کی وجہ سے اسے ''قریۃ الانصار'' بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا سے اس شہر کو خصوصی برکات سے نوازا ہے۔

مبدءالحلال والحرام ۔مبین الحلال والحرام

حلال اور حرام کے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکامات اس شہر سے صادر ہونے کی وجہ سے یہ نام پکارے گئے۔

المحفوضۃ

برکات سمیٹنے والا اور فرشتوں کا اس کی حدود پر پہرہ دینا تاکہ دجال اور طاعون وغیرہ داخل نہ ہوسکیں۔

المحفوظۃ

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دجال اور طاعون سے محفوظ فرمادیا ہے۔

المدینہ ۔مدینۃ الرسول ۔مدینہ النبیؐ ۔المرحومۃ

آپ ﷺ کی بعثت کا مقام اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی آماجگاہ ہونے کی وجہ سے یہ نام دیئے گئے۔

المرزوقۃ

اس شہر میں اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ کو سکون اور رزق فراہم فرمایا اور پھر اس کے باشندوں کو رزق میں بے پناہ برکت دی۔

المسکینہ

اللہ تعالیٰ نے اس شہر میں خضوع وخشوع کو غالب کر دیا اور اس کے باشندوں کو نرم مزاج اور خندہ روی کی وصف سے نوازا۔ یعنی اس شہر کے باشندے اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرماں بردار ہیں۔ اس نام کا اطلاق اس وجہ سے بھی ہے کہ یہ شہر قرآن مجید کے ذریعے فتح ہوا۔

المقدسہ

اس شہر کی نفاست وپاکیزگی اور شرک کی نحوست سے پاک ہونے سے یہ نام مشہور ہوا۔

نبلاء

اس کی فضیلت اور بزرگی کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔

العذرا الحر

یہ نام گرمی کی شدت کے باعث مشہور ہوا۔

ان ناموں کے علاوہ مدینہ منورہ کو ان ناموں سے بھی پکارا جاتا تھا۔

البحرۃ ۔الجرۃ ۔البحیرہ ۔البلاط (ہموار زمین)، تندر، الجالترہ، جزیرۃ العرب، الجلیبۃ، حسنہ، الدار، دارالابرار، ذات الحجرت (حجرت والا)، ذات الحل، ذات الحراریہ (پتھریلا علاقہ)، سیدۃ البلدان، الشافیۃ، طائب، طبانا، الفراء، الفاضحہ، البعرا، العروض، المدینہ قبۃ اسلام، قلب الایمان، المجبورۃ، المحرمۃ، مدخل صدق، مسجد الاقصیٰ، مفجح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، المطیبۃ، المقربیہ، المکنۃ، الناجیۃ، یندر، غلبہ۔

مدینہ منورہ کا محل وقوع

مدینہ منورہ مکہ معظمہ کے شمال میں 455 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مغرب میں ایک سو تیس میل دور سمندر اور اس علاقہ کی بندرگاہ ’’ینبوع‘‘ ہے۔ یہ شہر مکہ معظمہ اور شام کے تقریباً وسط میں ہے۔ مدینہ منورہ سطح سمندر سے 619 میٹر بلندی پر آباد تہامہ وحجاز کا صحت پرور مقام سمجھا جاتا ہے۔ یہاں جاڑا اور گرمی دونوں سخت ہوتے ہیں موسم گرما کا درجہ حرارت عموماً 45 سینٹی گریڈ رہتا ہے جبکہ موسم سرما میں رات کے وقت 6 سینٹی گریڈ تک گر جاتا ہے لیکن جزیرہ نما عرب کی ہوا میں رطوبت کی کمی موسم کو زیادہ خشک بنا دیتی ہے جس کی وجہ سے گرمی کی شدت محسوس ہوتی ہے۔

مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے طول وعرض میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور مدینہ منورہ ایک ایسے میدان میں آباد ہے جس کے شمال کی جانب ایک ہلکی سی پہاڑی ڈھلان پائی جاتی ہے اور مشرقی ومغربی سمتوں سے دو حروں (پتھریلی زمین) اور شمال وجنوبی اطراف سے دو پہاڑیوں میں گھرا ہوا ہے مشرق میں حرۃ الواقم اور مغرب میں حرۃ الوبرہ واقع ہیں۔

آب وہوا

اسلام سے قبل مدینہ منورہ خرابی موسم کے لئے مشہور تھا لہٰذا جب مسلمان یہاں ہجرت کر کے آئے تو انہیں یہاں کی آب وہوا راس نہ آئی اور اکثر بیمار پڑ گئے۔ یہ سب سے زیادہ دباؤں والا شہر تھا۔

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت بلالؓ سمیت اکثر صحابہ بیمار پڑ گئے تو آپ ﷺ

نے کفار کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت کرے جنہوں نے ہمیں ہمارے وطن سے وبا کی زمین کی طرف دھکیل دیا ہے۔ یا اللہ تو مدینہ کی محبت سے ہمارے دلوں کو لبریز فرما دے۔''

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے لئے دعا ارشاد فرمائی۔ ''یا اللہ! مکہ مکرمہ کی محبت سے کہیں زیادہ مدینہ کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھر دے اور اس کی آب و ہوا صحت افزا بنا دے اور اس کے مد اور صاع میں ہمارے لئے برکت عطا فرما اور اس کے بخار کو یہاں سے منتقل کر کے جحفہ میں بھیج دے۔''

ایک روایت میں ''جحفہ'' کے بجائے ''خم'' کا لفظ مروی ہے۔ یہ دونوں قریب واقع یہود کی بستیاں تھیں جہاں ظالم اور سرکش یہودی آباد تھے۔ آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ بکھرے ہوئے بالوں والی ایک سیاہ فام عورت مدینہ منورہ سے نکل کر بھاگی اور پھر ''جحفہ'' جا ٹھہری، آپ ﷺ نے اس خواب کی تعبیر اس طرح ارشاد فرمائی کہ مدینہ طیبہ کی وباؤں کو ''جحفہ'' میں پہنچا دیا گیا۔

آزمائش کے اس مختصر سے عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو آپ ﷺ کی برکت سے نہایت صحت بخش مقام بنا دیا اور اس کی آب و ہوا کو بے حد لطیف، صحت افزاء اور خوشگوار بنا دیا۔ آپ ﷺ کی بابرکت تشریف آوری اور آپ ﷺ کی دعاؤں کی بدولت دنیا بھر کی نعمتیں اور برکتیں سمٹ کر اس شہر میں جمع ہو گئیں۔ مہلک امراض اور وباؤں نے رخت سفر باندھ لیا۔

شہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عطر کی خوشبو میں ایسا اضافہ ہو جاتا ہے جو کسی اور شہر میں نہیں پایا جاتا۔ یہاں کم کھانے سے بھی بہت برکت ہوتی ہے۔ اس کی صیہانی کھجور کی مثل کسی دوسرے شہر کی کھجور میں نہیں پائی جاتی۔ مدینہ منورہ برکتوں، رحمتوں، محبتوں، خوشبوؤں اور ایمان والوں کا شہر ہے۔